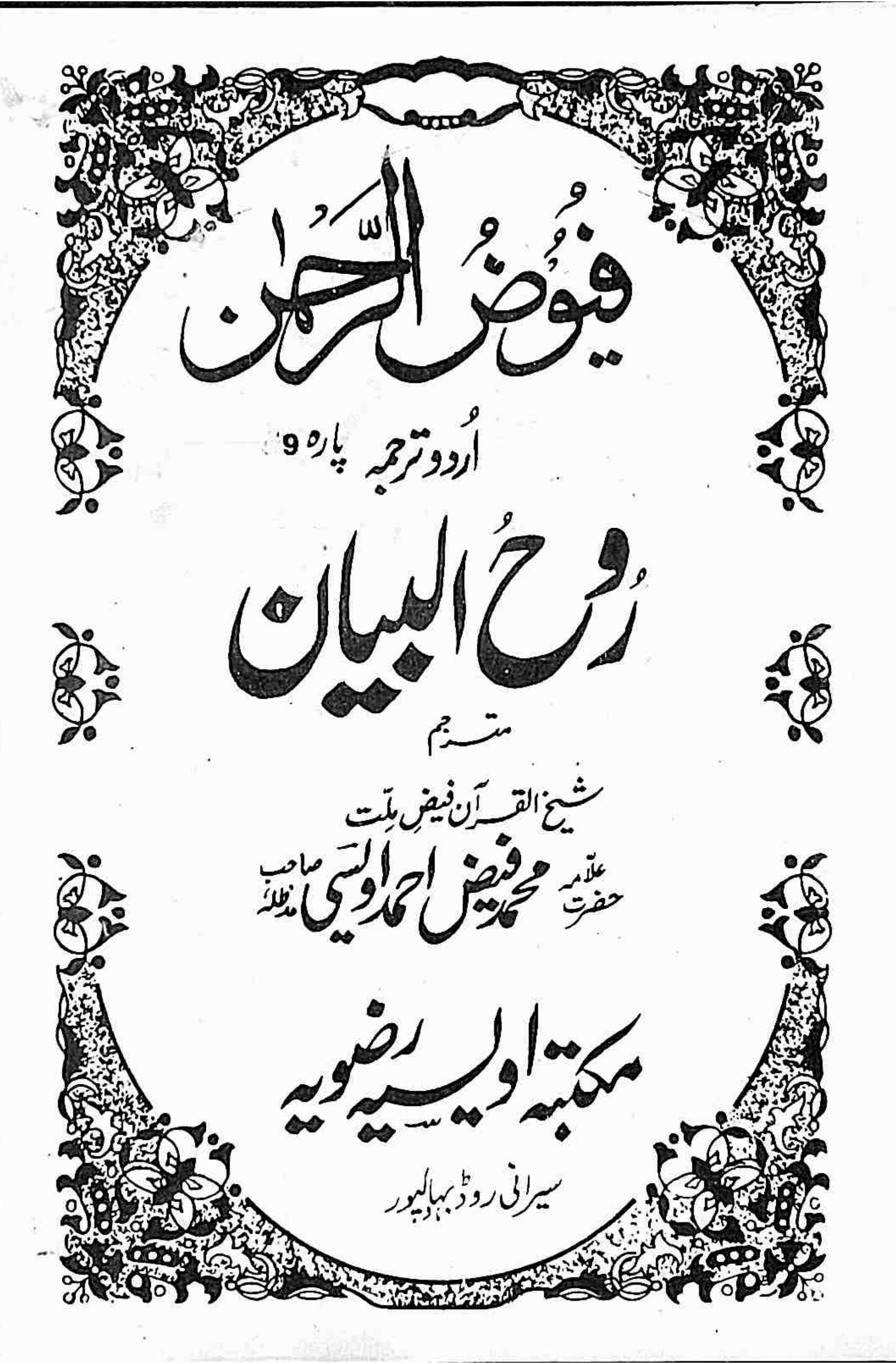


فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ پارہ 9

روح البیان

مترجم

شیخ القرآن فیض ملت

حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ

سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ـــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ۹
مصنف ـــــــــ حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ
مترجم ـــــــــ حضرت شیخ القرآن علامہ محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ العالی
مصحح ـــــــــ حضرت الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور
ناشر ـــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)
باہتمام ـــــــــ صاحبزادہ عطاء الرسول اُویسی
سن طباعت ـــــــــ ۱۹۹۲ء

سلیمان کی انگوٹھی پر مہر = 246/9

قرآن سننا فرض کفایہ = 264/9

عشق حقیقی کے لئے بڑا مضمون = 342/9

شان رسول کی مہر = 194/10

جہاد اکبر نفس کے ساتھ جہاد = 17/10

حضرت عزیر علیہ السلام زندہ = 155/10

دلوں کو پڑھنا حرام = 182/10

ولد الزنا کی علامت 227/10

موت کے وقت انگلیاں کیوں بند = 242/10

اولیاء کے ابدان دست رحمان محفوظ = 214/10

نیک بندوں کے قبر پر دفن کرنا = 316/10

بانسری تیار کرنا گناہ ہوگا = 114/9

ماں کا نام زبان کی وقت = 120/9

اولیاء اللہ کے وجود سے دنیا آباد = 218/9

ناچ گانے کی تاریخ ص 85/10

حضرت فاطمہ کا جنازہ ص ٢٨٨/٩

فہرست مضامین پارہ نہم تفسیر فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان

قَالَ الْمَلَاُ

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝
قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ
عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

جٰثِمِیْنَ ۚ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا
شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ○ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ○

ترجمہ: اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ کہا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آجائیں بعد اس کے اللہ نے ہم کو اس سے بچایا ہے اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیب کے تابع ہوئے تو ضرور تم نقصان میں رہو گے تو انہیں زلزلہ نے آ لیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے شعیب کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ شعیب کو جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے تو شعیب نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں کا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ کہا ایک جماعت نے شعیب علیہ السلام کی اس قوم سے جنہوں نے سرکشی کی۔ یہ شعیب علیہ السلام کے مواعظ حسنہ سننے کے بعد کی بات ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل کے مضمون کے بیان کے لئے ہے۔

لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے شعیب (علیہ السلام) ہم تمہیں اور تمہاری قوم کو نکال دیں گے والذین کے کاف خطاب پر عطف ہے اور یا شعیب معترضہ کے طور پر ہے جو معطوف و معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔

فائدہ حضرت شعیب علیہ السلام کو پہلے اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بعد میں ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اصل شعیب علیہ السلام ہیں اور ان پر ایمان لانے والے ان کی فرع۔ چنانچہ لفظ معک سے واضح ہوتا ہے یہ لنخرجن سے متعلق ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام ہم تمہیں اور تیرے متباعین کو ضرور نکالیں گے۔

مِنْ قَرْیَتِنَآ اپنے دیہاتوں سے تمہارے ساتھ بغض و عداوت سے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمارے ملاقوں

اور ہمارے ہمسائیگاں سے تمہارا شر و فساد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ متکبرین اور سرکشوں کا یہی کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے بلند و بالا سمجھتے ہیں اور ان کے ذلیل ترین لوگ اشراف کو اپنے ہاں سے نکالنے کے پروگرام میں رہتے ہیں۔

نکتہ یہ صرف مالی دنیا کی وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا و دولت ہوگی تو اس سے عیش و عشرت اڑائے تو انہیں سرکشی اور تکبر کا اضافہ ہوا اس سے انکا ظلم و ستم عام ہو جاتا ہے۔

نکتہ دنیا ہر برائی کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا فتنہ تمام فتنوں سے عظیم تر ہے اس لئے کہ اس کے اہل کو اللہ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت و فساد کا سبب بنایا۔ چنانچہ فرمایا وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا جب کسی علاقہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مالداروں کو حکم دیتے ہیں الخ

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا

ایمن مشو ز عشوہ دنیا کہ ایں عجوز

مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: اس بوڑھی دنیا کے ناز و نخروں کا خیال رکھو اس لئے کہ یہ مکارہ ہو کر آتی ہے اور حیلہ گر ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ العود بمعنے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا۔

سوال شعیب علیہ السلام تو اُن کے دین پر نہ تھے پھر اُن کے لئے عود کا معنے کیسے صادق آئے گا؟

جواب عود کا اسناد شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع ہر دونوں کی طرف ہے اس معنے پر حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہوا ورنہ عقیدہ مسلّم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر صغائر (سوائے چند ایک کے وہ یہ کہ جس سے اُن کی نبوت و رسالت کے لئے عوام میں نفرت کا موجب کا نہ نہیں) اور کبائر سے منزہ اور پاک ہیں چہ جائیکہ اُن کی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عود کا اسناد درحقیقت آپ کے اتباع کے لئے ہے آپ کا اسم گرامی تغلیبًا لیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع کے ساتھ دو کاموں میں ایک ضرور ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد اصلی یہی تھا کہ شعیب علیہ السلام اور اُن کے تبع کفر کو قبول کریں شہر بدر کرنے اور انہیں اپنے علاقوں کا نکالنے کا ذکر صرف دھمکی کے طور تھا۔ تاکہ وہ اس دھمکی سے ڈر کر مجبور ہو جائیں چنانچہ شعیب علیہ السلام نے اُن کی دھمکی کا کوئی جواب نہ دیا البتہ عود کے سوال پر کچھ گویا ہوئے۔ چنانچہ ابھی اُس کا ذکر آتا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) گویا کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع سے کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔

لہ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اسمیں اشارہ ہے کہ وہی مالدار اس بستی کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

سوال اولتعودن کے بجائے لنعیدنک "ہم تمہیں لوٹائیں گے کیوں نہ کہا ؟
جواب کفار کا مقصد یہ تھا کہ وہ کفر میں خود بخود لوٹ آئیں اس لئے کہ انہیں شہر بدر کرنے کا پہلے خطرہ دلایا کہ اہل ایمان جب اپنی دو تکلیفیں سنیں گے تو اھون الشرین (دوسروں سے آسان) کو اختیار کریں گے اور ان کے لئے آسان یہی تھا کہ وہ کفر کی طرف عود کریں نہ کہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے نیک صرف نیکوں سے تعلق جوڑتے ہیں ایسے ہی اہلِ شر بھی اہلِ شر سے دوستی کا دم بھرتے ہیں ورنہ اگر ہمجنس نہ ملے تو اپنے لئے تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں ؎

ہمہ مرغاں کنند باجنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز[1]

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنس سے پرواز کرتے ہیں۔ کبوتر کے ساتھ کبوتر باز کے ساتھ باز۔

تفسیر عالمانہ قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے باطل قول کی تردید اور ان کی دعوت کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ کیا ہم تمہارے دین کی طرف آسکتے ہیں حالانکہ ہم اس سے کراہت کرنے والے ہیں۔ یہ ہمزہ وقوع کے انکار اور نفی کے لئے ہے۔ واقع اور اس کے قبح کے انکار کے لئے نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ میں ہے۔ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان تراشنے والے ہوں گے۔ اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں یعنی شرک کریں اور شرط کا جواب محذوف ہے جیسا کہ ما قبل سے معلوم ہوتا ہے اِنْ عُدْنَا مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا قَدِ فْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا عَظِیْمًا الخ (اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات بخشی) تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑے جھوٹ کا افتراء کریں گے۔ جیسا کہ تمہیں بدگمانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے حالانکہ اس کی مثل کی کوئی شے ہی نہیں اور اگر کہیں کہ جس دین پر ہم ہیں وہ باطل ہے اور اسے کافر جس دین پر تم ہو وہ حق ہے تو ہم افترا کرنے والے ہوں گے بلکہ اس سے بڑھ کر اور کونسا عظیم ترین افتراء ہوگا وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ (اور ہمارے لئے بالکل ناموزوں ہے) اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ یہ کہ کسی وقت ہم تمہارے دین وملت میں لوٹیں اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اجناس کے ملاپ سے دونوں کو نقصان پہنچتا ہے ؎

اہل را صحبت نا اہل زیانہا دارد

آب در کوزۂ ناپختہ گِل آلود شود

ترجمہ: بری صحبت نقصان پہنچاتی ہے کچے کوزے میں پانی گدلا ہو جاتا ہے۔

چاہیے یعنی ہمارا لوٹنا مشیت الہی میں ہو (تو وہ الگ بات ہے) لیکن ہم سے بالارادہ یہ بالکل محال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا نہیں اس لئے کہ شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس کے بندوں کے ارتداد کی مشیت نہ ہو اسی طرح اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا کفر کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں۔ یا یہ معنٰے ہے کہ اگر وہ ہمیں رسوا کرنا چاہے (تو پھر تمہارے دین میں لوٹ سکتے ہیں)۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کفر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کا کفر کی طرف وقوع د امکان میں ہے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم کفر کی طرف لوٹیں ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پھر ہمارا لوٹنا ممکن ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کفر کی طرف لوٹا دے (اس کے اسباب و دلائل بتائے جا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا کفر کی طرف لوٹنا نہیں چاہتا۔

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ (ہمارے رب تعالیٰ کا علم ہر شے کو وسیع ہے)۔ علماً تمیزہ کی وجہ سے منصوب اور فاعلیت سے منقول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ما کان ما یکون کے تمام اشیا کو محیط ہے منجملہ اُن کے بندوں کے احوال و عزائم اور نیات اور پھر ان کے شان کے جو اُمور لائق ہیں سب کو جانتا ہے اس بنا پر محال ہے کہ وہ ہمارے لئے کفر کی طرف لوٹنا چاہے بعد اس کے کہ اس نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی علاوہ ازیں ہم اُس کے ارشاد کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ صرف اسی پر ہم نے توکل کیا۔ وہی ہمیں) ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور شرار قوم سے بچائے گا۔

ربط حضرت شعیب علیہ السلام کفار کو مذکورہ جواب دے کر معاندین سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کھول دے یعنی اُن کے اور ہمارے مابین فیصلہ فرما دے یعنی ایسے براہین و دلائل واضح فرما دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم میں حق پر کون اور باطل پر کون ہے یعنی ہم ہر دونوں فریقوں کا معاملہ صاف فرما دے۔

وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۔ اہل عمان کی لغت میں فاتح بمعنے الحاکم ہے اور اسے اس لئے فاتح کہتے ہیں کہ مشکلات کا حل اور جملہ امور کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فتح المشکل سے ہو۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مشکل کو بیان کرے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہمارا معاملہ ظاہر کر دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم کون اور وہ کون ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمارے اور اُن کے مابین فیصلہ فرما دے تاکہ ہمارا انجام بخیر اور ہماری حقیقت اور اُن کا انجام برباد اور ان کا بطلان واضح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ اس کا عطف قال الملا الذین استکبروا پر ہے یعنی جب کفر پر بضد ہونے والے لیڈروں نے شعیب علیہ السلام اور اُن کے تابعداروں کو ایمان

پر ثابت قدم اور پختہ عزم دیکھا تو انہیں خوف ہوا کہ یہ استقامت اور دینِ حق کی پختگی دوسرے لوگوں کو بھی اُن کے دینِ حق کو قبول کرنے پر مجبور کر دے گی تو انہوں نے اپنی کافر قوم کو شعیب علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے قسم کھا کر تاکیدی طور کہا لَئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَیۡبًا ۔ اگر تم شعیب علیہ السلام کی اتباع کرو گے یعنی اگر تم اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر شعیب علیہ السلام کے دین میں داخل ہو گے ۔ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۔ تو بے شک تم خسارہ والے ہو گے یعنی دینی معاملہ میں تم خسارہ پاؤ گے ۔ یا یہ معنی کہ تم آباء کے دین کو چھوڑ کر ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والے ہو گے یا یہ معنٰی ہے کہ تم شعیب علیہ السلام کا کہنا مانو گے تو تمہیں دنیوی کاروبار میں خسارہ ہوگا کہ وہ بھر تول میں کمی بیشی کی اجازت نہیں دیتے اور کاروبار اس کے بغیر نہیں چل سکے گا ۔ بنا بریں معاملات کمزور پڑ جائیں گے تو تمہیں خسارہ ہوگا ۔ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ پس انہیں سخت زلزلہ نے پکڑ لیا ۔ (اسی طرح ہی سورہ عنکبوت میں ہے)۔

سوال سورہ ہود میں یوں ہے وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ اُس طرح سے قول باری تعالیٰ میں تضاد پیدا ہوگیا اور یہ ناموزوں ہے ؟

جواب صَیۡحَةٌ سے جبریل علیہ السلام کی آواز مراد ہے اور یہ ابتدائی امر ہے اور وہ بھی اُن کی ہلاکت کا سبب بنا اور قاعدہ عام ہے کہ کبھی قریبی سبب کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی بعیدی کا ۔ یہاں بھی وہی معاملہ ہے کہ سورہ ہود میں سبب قریبی کا ذکر ہے اور یہاں پر اور سورہ عنکبوت میں سبب بعیدی اس طرح سے تضاد نہ رہا ۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابتداً اُن کی زمین کو زلزلہ آیا اور سخت گرمی پھیل گئی اور دوسری جانب ایک بادل نمودار ہوا اس بادل سے ٹھنڈک لینے کے لئے دوڑ پڑے جب اس کے نیچے آئے تو وہ بادل برسنے لگا اور اُدھر جبریل علیہ السلام نے سخت قسم کی چیخ ماری ۔

فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۙ پس ہوئے اپنے شہر میں ۔ اور سورہ ہود میں فِیۡ دِیَارِهِمۡ جمع کے ساتھ ہے) اس سے تعداد اَمکنہ مراد ہے اور یہاں مجموعہ شہر مراد ہے ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں کے قریب اس مذکورہ بالا سایہ کے نیچے مارے گئے ۔ کما قال تعالیٰ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ تو انہیں یوم ظلہ کے عذاب نے پکڑا ۔

جٰثِمِیۡنَ ۙ درانحالیکہ وہ مرنے والے تھے اپنے منہ اور پر پڑے ہوئے اور گھروں کو پکڑنے والے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہم اپنے گھروں میں ہمیشہ رہیں گے ۔

فائدہ مروی ہے کہ وہ اس بادل کے نیچے جل کر مر گئے تو اُن کی لاشیں جلنے کے بعد گھٹنوں کے بل زمین پر جلی پڑی نظر آتی تھیں ۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جہنم کا دروازہ کھولا

تو اس کی گرمی نے اُن کے گلے گھونٹ دیئے پھر وہ گھروں کے اندر داخل ہوئے لیکن گرمی کی تپش سے نہ انہیں سایوں سے آرام اور نہ پانی سے سکون ملا۔ بلکہ گرمی انہیں جلائے جا رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بادل ظاہر فرمایا جس کی بہتر خوشبو اور ٹھنڈک نے انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو ادھر بادل کی طرف چل پڑے اور ایک دوسرے کو اس بادل کی ٹھنڈی ہوا کے لئے بلاتے تھے جب اس بادل کے نیچے تمام مرد عورتیں اور بچے جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر آگ کی چنگاریاں برسائیں اور ادھر زمین سے جھٹکے لگے وہیں پر بھنی ہوئی مکڑی کی طرح جل کر راکھ ہو گئے اس بناء پر عذاب یوم الظلۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے عناد سے حق کو باطل اور باطل اور فلاح کو گھاٹا اور گھاٹے کو فلاح سے تعبیر کیا تو انہیں زلزلے نے گھیرا۔ پھر ان کی صورتیں اس تصور کے مطابق ہو گئیں اب وہ دیار اشباح میں اپنے ارواح گھٹنے کے بل ڈالنے والے ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا یہ جملہ مستانفہ ہے اس سے ان کے قول **لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ** کی نحوست سے انہیں مبتلا کرنے کا بیان مطلوب ہے ان کے قول کے مطابق مقابلۃً انہیں سزا ملی۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا** (یکبارگی اُن کی ایسی جڑ اکھیڑ دی گئی کہ گویا وہ اس گاؤں میں کبھی ٹھہرے بھی نہ تھے) گویا انہیں اس قول کی سزا دی گئی کہ انہوں نے کہا کہ ہم شعیب علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اس گاؤں سے نکال دیں گے۔ اب اُن کے ساتھ وہ حشر ہوا کہ اس گاؤں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کا واپس لوٹنا ممکن ہی نہ رہا۔ المغنی بمعنے منزل اور المغانی بمعنے المنازل یعنی وہ منازل کہ جنہیں وہ ٹھہرتے تھے کہا جاتا ہے غنینا بمکان کذا (ہم اس میں ٹھہرے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مکذبین و متکبرین کو اگرچہ وقتی طور بہت بڑا غلبہ ہو لیکن اُن کی شان و شوکت چند دنوں کے بعد مٹ جاتی ہے اور اُن کا غلبہ ختم ہو کر ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا اور اہل حق دائمی طور حق کے ساتھ غالب رہتے ہیں اور باطل اپنے جمیع شیوان کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

یک منارہ در ثنائے منکراں
گو دریں عالم کہ تاشد فشاں
منبرے گو کہ برانجا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے
یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

ترجمہ: منکرین عارضی تعریف سے انہیں کیا فائدہ۔ اسے کہہ دو کہ اس عارضی شان و شوکت پہ مغرور نہ ہو۔ مرنے کے بعد معلوم ہوگا غالب سے دوستی جوڑ غالب رہے گا۔ مغلوب کی دوستی نقصان دے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ہ یہ بھی جملہ مستانفہ ہے اس میں بھی شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کے۔ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ کے قول کی سزا میں مبتلا ہونے کا بیان ہے یعنی جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ والے ہیں ان کے اپنے قول کے مطابق انہیں سزا میں مبتلا کیا گیا ہے کہ دنیا و دین کے لحاظ سے خسارہ پڑے۔ ان کو خسارہ نہ ہوا جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تابعداری کی۔

فائدہ یہاں پر کفار کی سزا پر اکتفا کرکے گویا تصریح ہوگئی کہ نجات صرف شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کو نصیب ہوئی۔ یہاں واضح تصریح نہیں جیسے ہود علیہ السلام کے واقعہ میں تصریح ہے کما قال تعالیٰ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا هُوۡدًا وَّالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جب ہمارا امر آیا تو ہم نے ہود اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ ۚ تو ان سے منہ پھیر کر فرمایا اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچائے اور تمہیں نصیحت بھی کی۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

فائدہ کفار فنا ہوگئے تو آپ نے شدت غم سے ان پر افسوس کیا۔ لیکن پھر فرمایا۔

فَكَیۡفَ اٰسٰی تو میں کیوں افسوس کر رہا ہوں یعنی اُن پر میں کیوں سخت غمگین ہو رہا ہوں۔ یہ فعل مضارع متکلم اَسٰی سے مشتق ہے از باب علم لعیلم بمعنے سدۃ الحزن۔ عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِیۡنَ ہ کافر قوم پر یعنی جو لوگ کفر پر تھے وہ غم و حزن کے اہل نہیں اس لئے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا وہ بوجہ کفر کے اور وہ اس کے مستحق تھے یا شعیب علیہ السلام نے بطور عذر فرمایا کہ انہوں نے ہماری تصدیق نہ کی پھر اُن پر غم کی ضرورت ہی کیا ہے اب معنے یوں ہوا کہ میں نے تبلیغ و انذار میں کوئی کمی نہیں کی اور نصیحت میں بھی بہت بڑی جدوجہد کی ہے لیکن انہوں نے میری تصدیق نہ کی فلہذا میں ان پر کس طرح غم کھاؤں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① چوں شوم غمگین کہ غم شد نگوں
غم شما بودید اے قوم حزوں

② کز مخواں اے راست خوانندہ بیں
کَیۡفَ اٰسٰی خَلۡفَ قوم ظالمین

ترجمہ ① میں کیسے غم کھاؤں جب غم اوندھا ہوگیا تم غم کھاؤ اے بے وقوف قوم۔

④ سیدھے کو ٹیڑھا نہ کہو اس پیغمبر کا قول یاد کرو انہوں نے فرمایا میں ظالم قوم پر کیسے غم کھاؤں۔

تفسیر صوفیانہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنی تبلیغ کے حقوق ادا کر دیئے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور میں نے تمہیں فی سبیل اللہ نصیحت کی ہے پھر مجھے نہ تو تمہارے اقرار سے فائدہ ہے اور نہ انکار سے غم۔ اگر میری تبلیغ پر عمل کرو گے تو تمہیں بہت بڑا فائدہ نصیب ہوگا اور اگر انکار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہوگے۔ اعیان سے مالک اعیان اولیٰ ہے اس لئے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تمام مخلوق اُس کی ملک ہے وہ چاہے تو تمہیں ہدایت بخشے اور اگر چاہے تو گمراہ کر دے مجھے تمہاری کوئی فکر نہیں کفر کرو یا میرے ساتھ رہو۔

فائدہ اسمیں عدم و فقد و نفی یا کون و وجود کی وجہ سے اظہار تاسف نہیں اس لئے کہ ہر شے کا صدور حکیم اور علیم و خبیر سے ہو رہا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اپنی حکمتِ بالغہ سے کرتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتٰكُمْ ترجمہ: تاکہ تم اس پر غم نہ کھاؤ جو تمہارے سے رہ گیا اور اس پر خوشی نہ کرو جو تمہیں ملا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقام فناء کلی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رعلیٰ نبینا و علیہم السلام کو نصیب ہوا۔

مسئلہ یاد رہے کہ محققین فرماتے ہیں کہ کفار و مشرکین رحمت الٰہی کے ہرگز مستحق نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور مبتلا بھی اُن کی غلطیوں کی وجہ سے کیا ہے اوّل اُسے معلوم تھا کہ وہ اس عذاب کے مستحق بھی ہیں پھر ان پر رحم کرنے کا کیا معنٰی یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اللہ والے سیف برّاں کی طرح ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ طبعًا بڑے رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لَا تَأْخُذْ بِهِمَا رَافَةٌ زانیوں پر رحمت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا شرع فتویٰ دہد بر ہلاک
الا تا ندری ز کشتنش باک

ترجمہ: جس کے قتل کرنے کا شریعت حکم دے تو اس کے قتل کرنے میں کوئی باک نہ سمجھو۔
اللہ تعالیٰ غیور ہے بندے کو بھی اسی سے غیرت نصیب ہوئی۔

مسئلہ بحکم شرع کسی پر غصہ کرنا اخلاق انبیاء علیہم السلام سے ہے اور اس طرح کا غصہ فراخ قلبی کے منافی نہیں اور نہ ہی اچھے اوصاف کے خلاف ہے اس لئے کہ احکام شرع کی پابندی طریقت کے دستور کے مطابق ہے۔

سبق غافل پر لازم ہے کہ امر الٰہی کے سامنے سر خم کرے (زبان و قلب سے) لِمَ لَا وَ كَيْفَ یہ کیوں اور کس طرح کو دفع کرے اس لئے کہ جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ بندے کے ہاتھ میں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کہا کہ کیا تیرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو جائے

(باقی صفحہ پر)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ اَهْلُ
الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ
الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ
فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں پکڑا کہ وہ کسی طرح زاری کریں
پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی یہاں تک کہ وہ بہت ہوگئے اور بولے بے شک ہمارے باپ دادا کو رنج و راحت
پہنچے تھے تو ہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین
سے برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کئے پر گرفتار کیا۔ کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان
پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں یا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب
وہ کھیل رہے ہوں کیا اللہ کی خفی تدبیروں سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیروں سے نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ اور ہم نے کسی شہر اور دیہات میں نہیں بھیجا "مِنْ" زائدہ ہے نَبِیٍّ
کوئی نبی علیہ السلام جسے اس شہر و دیہات والوں نے جھٹلایا اِلَّآ مگر اَخَذْنَآ اَهْلَهَا ہم نے
اس کے اہل کو پکڑا یہ استثناء مفرغ ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال (مقدر) ہے۔ اصل عبارت یوں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا
فِیْ قَرْیَةٍ مِّنَ الْقُرٰی الْمُهْلَكَةِ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ الْمُكَذَّبِیْنَ فِیْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ اِلَّا فِیْ حَالِ
كَوْنِنَا اٰخِذِیْنَ اَهْلَهَا) ہلاکت شدہ بستیوں میں سے کوئی بستی جھٹلائے ہوئے نبیوں میں سے کوئی نبی اور جملہ احوال میں
سے کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ہم اس کے اہل کو پکڑنے والے ہیں۔ بِالْبَاْسَآءِ پریشانی اور فقر کے ساتھ

وَالضَّرَّآءِ اور ضرر اور نقصان اور بیماری سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام ابتداً ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام ابتداً ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام کو نہ ماننے اور اُن کی عزت و احترام نہ کرنے پر کفر کی وجہ سے ایسا لازم ہوا کہ قیامت تک انہیں غیر منفک (جدا نہ ہونیوالا) ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ○ تاکہ وہ تضرع اور عجز و زاری ظاہر کریں۔ یعنی تکبر اور غرور کو دُور کریں۔ اس لئے کہ سختی بالخصوص بھوک تو اضع پیدا کرتی ہے اور اکثر بندوں کے لئے یہی علاج نہایت موزوں رہتا ہے کہ بھوک انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔

فائدہ بلاغات الزمخشری میں ہے "مرض اور ضرورت اندرائن کے پیلے پتوں سے زیادہ کڑوی ہیں حنظل اُور اس کے پتے عام پتوں سے زیادہ کڑوا ہوتا ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا اس کا عطف اخذنا پر اور اسی کے حکم میں داخل ہے یعنی ہم نے تبدیل کیا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ اُن کی بُرائی کے بدلے جو انہیں پہنچی۔ اَلْحَسَنَةَ نیکی سے یعنی مصیبت اور تکالیف کے بجائے کہ جس میں وہ مبتلا تھے ہم نے انہیں خوشحالی اور فراخدستی عطا فرمائی۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو نعمت سختی اور تنگی کے بعد نصیب ہو وہ فرمانبرداری کی داعی بنتی اور شکر گذاری میں مشغول رکھتی ہے۔

سوال شدّہ کو سیئۃ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب چونکہ شدۃ تنگی میں ڈالتی ہے جیسے خوشحالی کو حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خوشحالی کا اثر انسان کے ظاہر پر ہوتا ہے۔ ورنہ سیئۃ تو ایک قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا اسناد نا مناسب ہے۔

فائدہ حسنہ اور سیئہ الفاظ مستتبعہ سے ہیں کہ موصوف مفرد ہو یا جمع وہ ہر طرح وا حد رہیں گے۔

فائدہ یہ دونوں ثواب اور خوشحالی اور تنگدستی پر مستعمل ہوتے ہیں۔

حَتّٰى عَفَوْا یہاں تک کہ وہ کثیر التعداد ہو گئے اور نعمت اور خوشحالی نے انہیں تکبر پر اُکسایا۔

حل لغات عفو بمعنے کثرت بھی مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عفا النبات" یہ اس وقت بولتے ہیں جب انگوری

(بقیہ صلا سے)

اس نے کہا دل تو چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا دل سے دنیا و آخرت کی ہر شے کی رغبت ہٹا دینے کا نام ولایت ہے اور اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر دے اور دل کو اسی کی طرف متوجہ کر دے اس طرح سے اللہ تعالیٰ بندے کی طرف توجہ فرما کر اپنا ولی بنا دیتا ہے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مطمع نظر نفس پروری اور شہوت رانی ہو تو اسے حق کا ملنا محال ہے اور نہ ہی اس کی دوستی نصیب ہوگی اور نہ ہی کسی حال و مقام پر اللہ تعالیٰ کی اُس کو توجہ حاصل ہوگی۔

بڑھ کر گھنی ہو جائے اسی مادہ سے ہے "اعفاء اللحی" داڑھیوں کا بڑھانا۔

حدیث شریف اعفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ" داڑھیوں کا بڑھانا۔ شاعر نے کہا ہے

عَفَوْا مِنْ اَخْلَالٍ وَ کَانُوا

زمانا لیس عندھمو بغیر

ترجمہ: وہ لوگ بہت عرصہ جنگلوں میں رہے لیکن اُن کے ہاں ایک اونٹ بھی نہ تھا۔

فائدہ یہاں بھی عفو بمعنے کثرت کے مستعمل ہوتا ہے۔

وَ قَالُوْا انہیں چونکہ مصائب میں گھر جانے کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے بنا بریں کہہ دیا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ جیسے ہمیں دُکھ سکھ پہنچا ایسے ہی ہمارے آباؤ اجداد کو بھی پہنچا تھا۔ زمانہ کی اسی طرح عادت ہے کہ کبھی دُکھ کبھی سُکھ دیتا ہے۔ ہمارے آباء اس دین پر مضبوط رہے باوجودیکہ انہیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچیں فلہٰذا تم بھی اپنے دین پر ڈٹے رہو سر مُو اِدھر اُدھر نہ جاؤ فَاَخَذْنٰهُمْ پس ہم نے ان کی گرفت کی۔ بَغْتَةً" اچانک یعنی سخت سے سخت اُن کی اچانک گرفت ہوئی۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نزول عذاب کو سمجھتے نہ تھے بلکہ اتنے سخت مصائب و تکالیف کے باوجود ذرا بھر بھی خیال میں نہ لائے حالانکہ اچانک دی ہوئی سزا سخت تکلیف دہ اور بہت بڑی پریشانی کا موجب ہوتی ہے اس لئے کہ تکلیف اور مشقت سے پہلے کچھ آثار محسوس ہوں تو اس سے اپنے آپ کو تسلی وغیرہ دینے کا موقع مل جاتا ہے لیکن جو مصائب اچانک واقع ہوئی اُن کا کیا علاج۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اور اگر دیہاتوں والے' اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب میں مبتلا ہوئے (چنانچہ مضمون کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے)۔ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا کفر کے بجائے ایمان لائیں اور معاصی کے ارتکاب کے بجائے نیکی کریں۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتیں کھول دیں گے یعنی ان پر ہر بھلائی فراواں کر دیں گے اور ان پر جتنا عذاب نازل فرمائے ان کے بجائے زمین کے ہر کونے سے اور آسمان کے ہر گوشے سے اُن کے لئے رزق کا حصول آسان کر دیں گے۔

فائدہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ برکات من السماء سے بارش اور برکات الارض سے کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ کے ثمرات کی فراوانی مُراد ہے۔

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ہ لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا بوجہ اس کے کہ وہ کفر و معاصی کے مرتکب ہوئے۔

نسخہ فراوانی رزق آیت سے ثابت ہوا کہ ذکر و فکر سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور حلال رزق کی فراوانی انسان کی سعادت کی علامت ہے۔

سوال دوسری آیت میں تو وسعت رزق کفر کی علامت بتائی گئی ہے کَمَا قَالَ لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ بیوتہم سقفا مِنْ فِضَّۃ ہم نے رحمٰن کے منکرین کے گھر سونے کے بنا دیئے۔

جواب کافر اور ناشکر انسان کے لئے وسعت رزق وبال اور موجب عذاب ہے (اسی لئے اُسے مہلت دی جاتی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے میرے احکام کی پابندی اور میری مخالفت سے احتراز کریں یا میری سرزنش کا خوف رکھیں تو میں ان کے دلوں کو اپنے مشاہدات سے منور فرما دوں گا (آیت میں برکات من السماء سے یہی مراد ہیں) اور ان کے اعضا کو اپنی خدمت میں لگا دوں گا۔ برکات الارض سے یہی مراد ہے ؎

(۱) درزمین و آسمان دربائے جود
می کشاید از پئے اہل سجود

(۲) از زمین پر اطاعت باز کن
بر سمائے معرفت پرواز کن

ترجمہ (۱) آسمان و زمین کے جود و سخا کے دروازے اہل سجود پر کھول دیتے ہیں۔
(۲) زمین کو اطاعت سے پُر کر پھر اس سے آسمان پر پرواز کر۔

سبق اہل سجود کے لئے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اے برادر تم زمین پر عبادت کرو۔

تفسیر عالمانہ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے۔ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور اس کی قباحت بیان کرنے کے لئے ہے۔ وقوع کے انکار اور اس کی نفی کے لئے نہیں اور اس کی فا عاطفہ ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً پر عطف ڈالا گیا ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہو کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تکذیب کرنے والے اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ بے خوف ہیں۔ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا تاکہ ان پر ہمارا عذاب آئے۔ بیاتا رات کے وقت وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اور وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہوں انہیں غفلت کی وجہ سے اس عذاب کا شعور بھی نہ ہو۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی یا بستیوں والے نہیں ڈرتے یعنی شہروں والے خوف ہیں اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی کہ ان پر عذاب دن چڑھے آئے۔ ضحی بمعنے ضحوۃ الکبریٰ جسے فارسی میں چاشت کا وقت کہا جاتا ہے جب سورج اونچا ہو اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔ وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ وہ کھیل رہے ہوں یعنی فرط غفلت میں منہمک ہوں کہ اس سے انکا نہ دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی۔ یا وہ ایسے امور میں مشغول ہیں کہ ان سے انہیں کسی قسم

کا فائدہ نہیں اس لئے کہ جو آخرت کے معاملہ سے روگردان ہو کر دنیوی امور میں منہمک ہو جاتا ہے تو وہ فضول کھیل میں مشغول والے کی طرح ہے ۔

فائدہ آیت سے نتیجہ نکلا کہ جو رسول کرام کی تکذیب کرتا ہے اُسے عذاب الٰہی سے بے خوف نہ رہنا چاہئیے کسی وقت بھی وہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا دن میں یا رات کو ۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج کیا وہ اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ تدبیر سے بے خبر ہیں ۔ یہاں پر مکر اللہ سے بندے کو مہلت دینا اور اُس کی ایسی گرفت مراد ہے جو بندے کو معلوم نہ ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ مذکورہ دونوں وقتوں میں کسی وقت بندے کو عذاب میں مبتلا کر دے تو اس سے کون پوچھ سکتا ہے ۔ پھر بندہ غفلت میں کیوں ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عذاب کو مکر سے تعبیر کرنا مجازاً اور استعارۃً ہے ۔ اس لئے کہ مکر کرنے سے مکر کئے ہوئے پر ایسے طریق سے وارد ہوتا ہے کہ وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے ۔

مسئلہ اس سے مکر و فریب عرفی معنے مراد لینا ناجائز ہے اور عرف میں مکر یہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور اسے منافقت کہا جاتا ہے[1]

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ یہ فا شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا اور گرفت میں خفیہ تدبیر کا یہ حال ہے تو اُس کی اس خفیہ تدبیر سے نڈر نہیں ۔ **اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ** ع مگر تباہی والی قوم یعنی وہ لوگ جو نفع اُٹھانے والے نہیں ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ خاسرین سے یہاں مجرم و عاصی مراد ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ مجرم و گنہگار ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں ورنہ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں اس لئے اُن سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اہل قہر سے قہر کے ساتھ اور اہل لطف سے لطف کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف اہل قہر ہی نڈر ہیں جو سعادت دارین کی محرومی سے خسارہ میں ہیں اور اہل لطف کے لئے خسارہ کا یہ معنیٰ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کی لذتوں سے محروم ہیں انہیں صرف آقا و مولیٰ کے مشاہدہ کا نفع کافی ہے ۔ اس معنے پر اہل اللہ عذاب سے بے خوف ہیں اس لئے کہ اُن سے خفیہ تدبیر الطاف کریمانہ کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ** اُن کے لئے امن اور وہ ہدایت یافتہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اس معنیٰ پر فرمایا **وَهُوَ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** اس لئے کہ یہ مکر اُن کے استحقاق کے مطابق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اہل قہر تو قہر کے مستحق ہیں

(باقی ص۱۸ پر)

---

[1] جیسے شیعہ کا تقیہ اعتقادی اور دیوبندیوں و وہابیوں کا تقیہ عملی ۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ
اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ تِلْكَ
الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ
فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ
الْكٰفِرِيْنَ ○ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ
لَفٰسِقِيْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَقَالَ
مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ
اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۗ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ
مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ وَّ
نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ○ ع

ترجمہ: اور کیا وہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی کہ ہم چاہیں تو انہیں
ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سنتے یہ بستیاں ہیں جن کے احوال
ہم تمہیں سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس
پر ایمان لائیں جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اللہ یوں ہی چھاپ لگا دیتا ہے۔ کافروں کے دلوں پر اور ان میں اکثر کو ہم نے قول
کا سچا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو بے حکم ہی پایا پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور
اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان نشانیوں پر زیادتی کی تو دیکھو کیسا انجام ہوا مفسدوں کا اور موسیٰ نے کہا
اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر سچی بات میں تم سب کے پاس تمہارے
رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے بولا اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو

تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ فوراً ایک اژدھا ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے جگمگانے لگا۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اور کیا وہ زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی۔

سوال لَمْ یَهْدِ فعل (ہدایت) کو لام سے کیوں متعدی کیا گیا؟

جواب یہاں پر ہدایت تبیین کے معنیٰ میں ہے اور تبیین کا صلہ لام آتا ہے اور اس کا مفعول محذوف اور اس کا فاعل اَنْ لَّوْ نَشَآءُ الخ ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ زمین کے مالکوں کے بعد یہی لوگ وارث ہوئے۔ زمین کے مالکوں سے وہ امتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے فنا و برباد ہوئیں۔ پھر یہی لوگ اُن کے وارث ہوئے اور وارثین سے اہل مکہ اور اُس کے گردونواح کے لوگ مراد ہیں اور اَوَلَمْ یَهْدِ بمعنے یَتَبَیَّنَ الخ ہے یعنی انہیں تاحال اُن برباد و تباہ شدہ لوگوں کے حالات واضح نہیں ہوئے کہ وہ اُن کے طریقے پر چل پڑے ہیں" اَنْ" یہ اَنْ مخففہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ (اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں) یعنی اُن کے گناہوں

(بقیہ صـ۱۶ سے)

اور اہل لطف لطف کے۔

فائدہ یاد رہے کہ آیت میں خفیہ تدبیر صرف کفار کے لئے ہے ورنہ اہل اللہ تو لطف کے مستحق ہوتے ہیں اس لئے کہ اُن کو تو دنیا میں ہی امن و سلامتی کا مژدہ بہار سنایا گیا ہے کما قال لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ان کے لئے دنیا و آخرت کی خوشی ہے۔ بلکہ دنیا و آخرت میں اُن کے لئے امن ہی امن ہے چنانچہ اُن کے حق میں فرمایا لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ لیکن وہ اس امن و سلامتی کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ چھپانے پر مامور ہیں انہیں اپنی امن و سلامتی کا علم ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے متعلق خبر دینے پر مامور نہیں ہوتے۔ البتہ حضرات انبیاء علیہم السلام ایسی سلامتی کے اظہار کے مامور ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ شرعی امور کے اظہار کے لئے تشریف لائے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو عقیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً امن و سلامتی ہے یہ اس لئے کہ عوام کو اگر یہ عقیدہ سامنے نہ ہو تو وہ انبیاء علیہم السلام پر کیسے ایمان لائیں گے اور اُن کی دعوت کس طرح قبول کر سکتے ہیں جب تک انہیں اپنے قائد پر امن و سلامتی کا یقین نہ ہو۔

اور غلطیوں کی سزا کی وجہ سے یعنی جیسے اُن سے پہلے گذرنے والوں کو ہم نے گناہوں اور خطاؤں کے سبب سے عذاب میں مبتلا کیا انہیں بھی مبتلا کریں گویا یہاں پر لفظ سبب مضاف محذوف ہے۔

فائدہ مفتی چلپی مرحوم فرماتے ہیں کہ اگر اَصَبْنَا بمعنے اَھْلَکْنَا ہو تو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اس کا اَوَلَمْ یَہْدِ لَہُمْ پر عطف ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ ہدایت نہیں پائیں گے اور سزا کے طور ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ٥ پس وہ کچھ نہیں سنتے۔ یعنی ہلاکت و تباہی والی قوموں کے حالات سنتے ہی نہیں۔ جب سُننا گوارا ہی نہیں کرتے تو پھر ان کے حالات پر غور و فکر کر کے ان سے عبرت پکڑ کر کس طرح ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

فَائدہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سے دل کا کان فائدہ اُٹھاتا ہے یہ آب و گل سے بنا ہوا کان اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھاتا ۔

① ایں سخن را گوشِ دل باید شنود
گوشِ گل اینجا ندارد ہیچ سود

② گوشِ سر با جملہ حیواں ہمدم است
گوشِ سر مخصوص نسل آدم است

③ گوشِ سر چوں جانب گوینده است
گوشِ سر سہلت اگر آئنده است

ترجمہ: ① اس سخن کو دل کے کان سے سننا چاہیئے مٹی کے کان کا یہاں کوئی کام نہیں۔
② سر کا کان تو تمام حیوانات میں ہے لیکن دل کا کان صرف انسان کا خاصہ ہے۔
③ سر کا کان صرف اپنی جانب کی بات سنتا ہے گوشِ دِل ہر طرف سے آنے والی بات آسان ہے۔

تِلْکَ الْقُرٰی یہ لام عہد کا ہے اس سے وہ امتیں مراد ہیں جو سابقہ زمانہ میں تباہ و برباد ہوئیں جن کا ابھی ذکر گذرا ہے۔ نَقُصُّ عَلَیْکَ یعنی یہ وہی بستیوں والے ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں۔ مِنْ اَنْبَآئِہَا یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی اُن کی وہ بعض خبریں جن میں وعظ و نصیحت ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْہُمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ یہ بایا تو فعل مذکور کے ساتھ متعلق ہے اس لحاظ سے بیٔنا تعدیہ کی مُتَلَبِّسِیْنَ ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ فعل مذکور کے فاعل سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے مُلْتَبِسِیْنَ (بِالْبَیِّنٰتِ) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ بخدا! یہاں ان تمام ہلاک و برباد شدہ امتوں میں سے ہر ایک اُمت کے ہاں اُن کے رسول بہت بڑے معجزات دبینات لائے جو انہیں

وہ معجزات وبینات اپنی رسالت ونبوت کی تصدیق کے لئے دکھاتے جو اُن امتوں کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتے ہیں۔
فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا تو اس شان کے لائق نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے یعنی جب واضح ہو گئی اور اُن کے سامنے دلائل روشن ہوئے تو انہیں چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے۔

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ یہ بالِیُؤْمِنُوْا کا صلہ ہے یعنی انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات لانے سے پہلے ہی تکذیب کی اور پھر اس پر انہوں نے مداومت کی۔

فائدہ تکذیب سے وہ عقائد و اصول شرائع مراد ہیں جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق رہا یعنی توحید اور اُس کے لوازمات۔

فائدہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے اُن کی تکذیب کا یہ مطلب ہے کہ وہ جاہلیت میں ایسے گرفتار تھے کہ توحید کا کلمہ اُن کے کانوں تک نہیں پہنچا تھا۔ بلکہ جس سے بھی توحید کے متعلق کچھ سنتے تو اسے جھٹلاتے۔ اسی طرح انبیاء علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی اُن کی وہی حالت رہی کہ جونہی انبیاء علیہم السلام نے توحید کا نام لیا تو انہوں نے حسب عادت ان کے پیغامات کو ٹھکرا دیا گویا اُن کے عوام کی تبلیغ کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہی نہیں۔

فائدہ یا اُن کے ایمان نہ لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی غلط روش پر مصر تھے اور بما کذبوا من قبل الخ سے بھی یہی مراد ہے کہ اُن کی تکذیب کا یہ سلسلہ غیر منقطع تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر تادم زیست اُن کی حالت یکساں رہی اب آیت کا مطلب یوں ہوا کہ اُن کی تکذیب پر ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے پہلے پھر تادم زندگی اس تکذیب پر ڈٹے رہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ ذرہ برابر اُن پر اثر انداز نہ ہوئی اور نہ ہی آیات و معجزات سے کچھ فائدہ پایا۔ اس معنے پر اُن کی تکذیب سے جمیع انبیاء علیہم السلام کے جمیع عقائد و اصول و فروع مراد ہوں گے بہرحال ہر دونوں تقریروں پر تمام ضمائر کا مرجع ایک ہو گا یعنی کفار اور مکذبین۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کذبوا کی ضمیر اُن کے اسلاف کی طرف لوٹتی ہے اب معنے یہ ہوا کہ ظالم اُن کے اسلاف نے جس کی تکذیب کی تو اب اُن کی اولاد اس قابل نہیں کہ اپنے اسلاف کی تکذیب کردہ اُمور پر ایمان لائیں حضرت ابو سعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ معنے بعید از مقصد ہے۔

اَقُوْلُ فقیر صاحب روح البیان کہتا ہے کہ اگرچہ ضمائر کا مرجع ایک ہو تو بھی معنی میں خلل اس لئے نہیں کہ حقیقی مکذب تو ان کے آباء و اجداد تھے لیکن اُن کی طرف تکذیب کا اسناد اُن سے متصل ہونے یا اُن کی کارکردگی پر رضامندی کی وجہ سے ہے جب اس معنیٰ میں کسی قسم کا خلل نہیں اس لئے کہ اس کی نظیر سورۃ بقرہ میں گذری ہے کہ مخاطب ان بنی اسرائیل کو بنایا گیا ہے جو حضور علیہ السلام کے معاصرین تھے حالانکہ ان اُمور کا ارتکاب اُن کے آباء و اجداد نے کیا وہاں بھی یہی تقریر کی گئی۔ چونکہ یہ لوگ اپنے آباء و اجداد کے کردار پر راضی تھے۔ بنا بریں ان اُمور کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا۔

كَذٰلِكَ محلاً منسوب اور مفعول ہے يَطْبَعُ اللّٰهُ یعنی محکم اور شدید مہر کی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ مذکور کافروں وغیرہم کے دلوں پر۔ اسی لئے ان پر آیات اثر انداز نہیں ہوتے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ماقبل کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں کے کفار کے دلوں پر مضبوط مہر لگائی اسی طرح ان کے دلوں پر بھی سخت مہر لگا دی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایمان کی دولت سے محروم رہیں گے۔ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ اور ان کے اکثر کو ہم نے نہیں پایا۔ یہاں پر وَجَدْنَا بمعنے صادقنا ہے مِّنْ عَهْدٍ یہ من زائدہ ہے جو مفعول پر واقع ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے اس لئے کہ صرف عہد کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ وفائے عہد کی نفی سے معنے صحیح ہو جاتا ہے یعنی ہم ان کے اکثر کو ایفائے عہد میں پختہ نہیں پایا بلکہ ایسے لوگ دُکھ اور سُکھ کے وقت اللہ تعالیٰ کے تمام کئے ہوئے وعدے توڑ دیتے ہیں۔ بلکہ جب انہیں تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اس سے نجات پائی تو ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بن جائیں گے لیکن اس کے بعد پھر اسی طرح کافر رہتے۔

سوال اکثر کی قید کیوں؟

جواب اس لئے کہ اُن کے بعض ایفائے عہد میں پختہ تھے اور ان کافروں کے بعض تو ایسے بدبخت تھے کہ سرے سے معاہدہ ہی نہ کرتے۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں وجدنا بمعنے علمنا ہو اور من عہد کا مفعول اول اور لاکثرہم اُس کا مفعول ثانی ہے۔ وَاِنْ یہ ان مخففہ ہے یعنی اور بیشک شان یہ ہے کہ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ہم نے اُن کے اکثر کو فاسق پایا۔ یعنی طاعت سے خروج کرنے اور وعدے توڑنے والے۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام مترجم فتوحات مکیہ شریف کے آخر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا کہ جو تمہارے ہاں اُمید لے کر آئے اسے نا اُمید نہ کرنا اور جو بھی تمہاری پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سیر و سیاحت کے لئے گھر سے باہر کہیں جا رہے تھے کہ اچانک آپ کے کاندھے پر ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد فوراً ایک باز آکر آپکے دوسرے کندھے پر آبیٹھا تو کبوتر مونڈھے سے اُٹھ کر آپ کی آستین میں چھپ کر کہنے لگا کہ حضرت مجھے پناہ دیجئے۔ یہ سُن کر باز نے بھی بزبان فصیح عرض کی کہ حضرت عمران کے صاحبزادے مجھے بھی محروم نہ فرمایئے اور میرے رزق میں رُکاوٹ نہ ڈالئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ششش و پنج میں تھے کہ یا الٰہ العلمین مجھے کس امتحان میں ڈال دیا۔ آپ نے فوراً اپنی ران کا گوشت کاٹنے کا ارادہ فرمایا تاکہ باز کو غذا پیش کریں اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دونوں وعدے پورے ہوں کہ کبوتر کو بھی پناہ نصیب ہو جائے اور باز کی امید بھی پوری ہو جب باز اور کبوتر نے آپ کو اپنے عزم میں بالجزم پایا تو دونوں نے بیک زبان کہا حضرت عجلت مت کیجئے ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہم آپ کی آزمائش کے لئے حاضر ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ اپنے امتحان میں کامیاب ہیں

ایا سامعا یسعی السماع بنافع
اِذَا اَنْتَ لَمْ تفعل فما انت سامع
اِذَا کنت فِی الدُّنیا عَنْ خیر عاجِزًا
فما انت فی القیامۃ صالح

ترجمہ: اے سُن کر عمل نہ کرنے والے تیرا صرف سُننا تجھے کیا فائدہ دے گا جب تو سُن کر عمل نہیں کرتا۔ جب دنیا میں تیری یہ حالت ہے کہ نیک عمل کرنے سے عاجز ہے تو پھر قیامت میں کیا کرے گا۔ (یعنی سخت سزا پر تیرا کیا عذر ہو گا)۔

فائدہ انبیائے علیہم السلام وعدوں پر قائم رہنے اور فاسقوں کے عہد توڑتے ہیں کسی کو کلام نہیں البتہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو ایمان دار اور فرمانبردار ہونے کے مدعی ہو کر پھر کبھی ایک دن بھی ایفائے عہد پر پورے نہیں اترتے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

وما مجوز کس در سخن نمی شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ: کسی سے بھی وفا مت تلاش کر اگر تو میری بات نہیں مانتا تو پھر بے شک خواہ مخواہ سیمرغ اور کیمیا کی طلب میں وقت گذار۔

حدیث شریف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ یا سات آٹھ افراد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ہمیں فرمایا کہ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کیوں نہیں کرتے۔ اُس وقت ہم نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ہم سب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم نے تو ایک دفعہ آپ کی بیعت کی ہے پھر دوبارہ حکم ہو تو بھی حاضر ہیں آپ سے کس کے متعلق بیعت کریں آپ نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور پانچ وقت نماز پابندی سے ادا کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاؤ گے۔ اس کے بعد ایک بات نہایت آہستہ بتائی جس کے لئے ہمیں خصوصیت سے متوجہ ہونا پڑا وہ یہ کہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی کہ سواری پر سے سونٹا گر گیا تو سواری سے اُتر کر اُسے خود اُٹھایا لیکن کسی کو اُسے اُٹھا دینے کا سوال نہ کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں وعدہ کی خلاف ورزی نہ ہو (وفائے عہد میں اہتمام کی وجہ سے)۔

سبق غور کیجئے ان حضرات کا کیسا بہترین طریقہ تھا کہ بیعت میں جو کچھ کہا اُسے پورا کر دکھایا اور طریقِ حق پر نہایت مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ بلکہ ہر نیکی میں سبقت کرنے کے عادی تھے۔ غور کا مقام ہے کہ جب وہ ڈنڈا اُٹھانے کے لئے کسی سوال کرنے سے ڈرتے تھے تو بڑے بڑے گناہوں سے کیوں نہ احتراز کرتے ہوں گے۔ ہم سب کو سوچنا چاہئے کہ ہم کسطرح

اور کتنا قدر غلطیوں اور خطاؤں میں گھرے ہوئے ہیں کہ ہم کسی وقت بھی بُرائیوں سے بچنے کا نام نہیں لیتے بلکہ افعال باطلہ اور اقوال فاسدہ پر عادت ثانوی بن چکی ہے۔

سچے صوفی ہم تو غلط کار ہیں ہی کہ ہم عامی انسان ہیں لیکن قربان جاؤں ان حضرات صوفیائے کرام پر جو اپنے دلوں پر ایک آن کے لئے بھی غیر اللہ کا خیال تک بھی نہیں لاتے اور صرف اس سے ہی سوال کرتے ہیں اور غیروں کے آگے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو صرف اسی کا مشاہدہ اور دیدار۔ لیکن آج کے ایسے کہاں بالخفیص ہمارے زمانہ میں صرف تصوف کا نام رہ گیا اور تقویٰ وطہارت کے دعوے بڑے لمبے لمبے لیکن اندر سے بالکل خالی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم اپنی ذات کی طرف متوجہ کرے اور اپنے افعال صفات پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنی خصوصی برکات سے نوازے بلکہ اپنی مخصوص ہدایات سے ہمیں مشرفیاب فرمائے اس لئے کہ عنایات میں وہ بہت بڑا فیاض اور کریم ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰی پھر مذکورہ رسل کرام علیہم السلام کے واقعات ختم ہو جانے کے بعد ہم نے موسٰی علیہ السلام کو بھیجا یعنی نوح و ہود و لوط و صالح اور شعیب علیہم السلام کے بعد۔

سوال جب ثم تراخی کے لئے آتا ہے تو پھر من بعدھم کی تصریح کیوں؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ پے در پے تشریف لاتے رہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد دوسرا نبی علیہ السلام بھیج دیتا رہا۔ جیسے مخلوق میں سے ایک قرن کے لوگوں کے مرنے کے بعد دوسرے قرن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ بھی اُس کی مہربانی اور شفقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں معجزات ظاہر فرماتا ہے۔ تاکہ وہ نور معجزات سے ظلمات طبیعت سے نکل کر نور حقیقت کی طرف پہنچیں اس لئے کہ اہل قرن اور ہر زمانہ کے اکثر لوگ دین سے غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور دین کے حقائق سے بے خبر۔ بلکہ وہ عموماً بحر دنیا میں مستغرق۔ شہوات ولذات نفسانیہ۔ حیوانیہ کی وادیوں میں ہلاک اور برباد ہوتے ہیں۔ کوئی زائد اور کوئی کم۔

بِاٰيٰتِنَآ آیات سے وہی نو معجزات مراد ہیں جو مشہور ومعروف ہیں عصائے موسٰی علیہ السلام ید بیضا۔ قحط سالی نقص ثمرات۔ طوفان۔ جراد (ٹڈی) قمل جوں۔ مینڈک۔ خون۔ ان کا مفصل بیان اس پارہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ یہ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے کسریٰ فارس اور قیصر روم اور خاقان چین اور تبع یمن اور قیل عرب اور نجاشی حبشہ اور خلیفہ بغداد اور سلطان آل سلجوق کا لقب ہوتا تھا۔ فرعون کا اصلی نام قابوس۔ لبعض کے نزدیک اس کا نام ولید بن مصعب بن زیان تھا اور وہ قبطی قبیلہ سے نہیں تھا اور اس نے چار سو سال عمر گذاری۔

وَمَلَا۟ئِهٖ فرعون اور اس کی برگزیدہ جماعت کی طرف۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت عمومی تھی صرف فرعون اور اُس کی مخصوص جماعت کے نام لینے کا کیا فائدہ ؟
جواب چونکہ یہی لوگ عوام کے لیڈر اور ان کے جملہ اُمور کے سر براہ تھے اس لئے اُن کے ذکر پر اُن کے متبعین بھی ضمناً شامل ہو گئے ۔

فَظَلَمُوْا بِهَا

سوال ظلم کا صلہ بٓ نہیں آتی پھر یہاں بہا کیوں ؟
جواب ظلم یہاں پر بمعنے کفر ہے یا بآ بمعنے علیٰ ہے ۔ یعنی پھر موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو انہوں نے ٹھکرایا ۔ یا موسیٰ علیہم السلام کے معجزات سے انہوں نے ظلم کیا بایںمعنیٰ کہ انہیں جادو سے تعبیر کیا اور یہ بھی ظلم ہے کہ شئے کو اصلی معنے سے تبدیل کر کے دوسرے معنے میں استعمال کیا جائے ۔

فَانْظُرْ یہ خطاب عام ہے یعنی پس عقل سے دیکھ لے ہر وہ کہ جس کو نظر و تامل کی دولت نصیب ہے کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ہ کہ مفسدوں کا انجام کیسا ہے یعنی غور سے دیکھو کہ پھر ہم نے ان کا کیا حشر کیا ۔ اس معنے پر کیف کان کی خبر اور عاقبۃ اس کا اسم ہے اور جملہ بنزع الخافض محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ دراصل فَانظر الی کذا کذا وغیرہ ۔

سوال یہاں کلام کا تقاضا تھا ۔ عاقبتہم ہو ۔ لیکن عاقبۃ المفسدین لایا گیا ہے یعنی اسم ضمیر کے بجائے اسم مظہر کیوں ؟
جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ ظلم کو افساد لازم ہے جہاں ظلم ہوگا وہاں افساد لازماً ہوگا ۔

نبوت موسیٰ علیہ السلام کا آغاز فارسی تفسیر میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے ملک سے مدین تشریف لے گئے تو شعیب علیہ السلام کے ہاں ٹھہرے ۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی بی بی صفورا کا عقد نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف واپس لوٹے ۔ راستہ میں جب وادیٔ ایمن سے گذرے تو وہاں انہیں پیغمبری عطا ہوئی اور آپ کو عصا و بیضا کا معجزہ بھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ مصر پہنچ کر فرعون اور اُس کی قوم کو دعوتِ دینی پیش فرمایئے ۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بڑی مدت کے بعد ملاقی ہوئے اور ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینی پیش فرمادی ۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا حضرت حدادی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اُن کے قدِ مبارک کے مطابق دس گز لمبا تھا اور بہشت کے درخت مُورد سے تیار کیا گیا تھا ۔ اسے زمین پر مارتے تو اس سے انگوری پیدا ہو جاتی ۔ اگر زمین پر ڈال دیتے تو سانپ بن کر دوڑتا نظر آتا اگر پتھر پر مارتے تو پانی بہہ نکلتا ۔

سیاہ خضاب اور فرعون آپ نے آتے ہی اپنا عصا مبارک فرعون کے دروازہ پر مارا تو فرعون اس قدر

ڈر کر گھبرایا کہ اس کے جسم پر خوف کی شدت سے سیاہ بال سفید ہو گئے۔ چنانچہ وہ ازاں بعد بالوں پر سیاہ خضاب لگاتا عالم دنیا میں سیاہ خضاب سب سے پہلے اس فرعون نے لگایا۔

مسئلہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے[1] سیاہ خضاب (بلا وجہ شرعی) لگانے والا بہشت سے محروم ہوگا۔

مسئلہ صاحب مجیط نے فرمایا کہ یہ حکم غیر غازیوں کے لئے ہے۔ اس لئے کہ غازی (جنگ کے موقع پر اس ارادہ پر لگائے کہ اُس سے دشمنوں پر ہیبت ہو گی تو جائز ہے) اگر وہ بھی محض زینت کی غرض سے لگائے تو اس کے لئے حرام ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاں تشریف لائے اس وقت بھی اُن کے برادر محترم حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے ساتھ ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر فرعون کے ہاں بھیجا۔ وہ دونوں جونہی فرعون کے پاس پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اے فرعون میں اللہ تعالیٰ رب العلمین کا رسُول ہوں کہ تیرے ہاں آیا ہوں۔ تجھے رب العلمین کی عبادت کا حکم سناتا ہوں اور تجھے اپنے دعویٰ الوہیت سے روکتا ہوں فرعون نے سنتے ہی کہا تم جھوٹے ہو تم اللہ تعالیٰ کے کس طرح پیغمبر بن سکتے ہو اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ میرے لئے لائق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق صرف حق بات کہوں۔

سوال یہاں پر بؔا کے بجائے علیٰ کیوں؟

جواب علیٰ میں مزید تقویت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے رَمَیْتُ عَلَى الْقَوْسِ اور جِئْتُ عَلٰى حَالَةٍ حَسَنَةٍ یہ دونوں جملے دراصل رَمَیْتُ بِالْقَوْسِ جِئْتُ بِالْحَیِّ تھے صرف تقویت کے لئے لفظ علیٰ لایا گیا ہے یا بؔا حرص کے معنیٰ کو متضمن ہے اور حرص کے بعد علیٰ آتا ہے۔

فائدہ تفسیر مدارک میں ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ علیٰ رسُول کے معنیٰ فعل سے متعلق ہوا اور اصل عبارت یوں ہوا اِنِّیْ رَسُوْلٌ حَقِیْقٌ جدید بالرسالۃ اُرْسِلْتُ علیٰ الخ۔

فائدہ امام نافع کی قرأۃ میں "علیّ تشدید لایا ہے۔

ربط جب موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ نبوّت کا اظہار فرمایا تو اب اس کی دلیل سے واضح فرماتے ہوئے کہا۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ میں تمہارے ہاں دلیل واضح یعنی معجزہ لایا ہوں۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یعنی دو معجزے عصا اور ید بیضا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ہاں لایا ہوں۔

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ یعنی انہیں عام رخصت

---

[1] یہی حق ہے اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

ہو کہ ہم انہیں بیت المقدس کی طرف لے جائیں۔

فائدہ بیت المقدس لے جانے کا اس لئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن یہی تھا۔ یعنی اُن کے آباؤ اجداد کی بودو باش یہیں پر تھی لیکن فرعون نے انہیں اپنا عبد بنا رکھا تھا۔

بنی اسرائیل مصر کیسے پہنچے بنی اسرائیل کا مصر پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام اپنے بچوں اور پوتوں سمیت یوسف علیہ السلام کی دعوت کے لئے تشریف لائے تو وہ حضرات مستقل طور یہیں پر مقیم ہو گئے اور یہیں پر اُن کی آل و اولاد اور نسل کا سلسلہ بہت بڑھا۔ جب یعقوب و یوسف علیٰ نبینا علیہما السلام اور برادران یوسف کا وصال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کا ہمزمان فرعون بھی فوت ہوا تو اس کے بیٹے معصب نے عنان اقتدار سنبھالی بنی اسرائیل کی عزت و احترام میں کمی نہ کی وہ بھی مر گیا تو اُس کا بیٹا ولید یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان فرعون تخت نشین ہوتے ہی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا مدعی بن بیٹھا لیکن بنی اسرائیل نے اس کے دعویٰ کو قبول نہ کیا اس نے بنو اسرائیل سے کہا تمہیں میرے باپ دادا نے خریدا تھا۔ بنا بریں تم ہمارے زرخرید غلام ہو۔ اس طرح زبردستی بنو اسرائیل کو فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اور اُن سے سخت سے سخت کام لیتا تھا۔ مثلاً کچی پکی اینٹیں تیار کرانا اور سر پر مٹی اُٹھا کر لانا اور مکانات کی تعمیرات کے لئے مٹی گارا اینٹیں اٹھوانا۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ ان لوگوں کی جان رہائی فرما کر انہیں بیت المقدس یعنی آبائی وطن کی طرف لے جائیں۔ یاد رہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے مصر میں داخل ہونے کے درمیانی مسافت چار سو سال ہے۔

قَالَ (فرعون نے کہا) یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ (اگر تم دلیل لائے ہو) یعنی وہ دلیل دکھایئے جو تمہیں بھیجنے والے نے دیکر بھیجا ہے اور اس کے تم مدعی ہو۔ فَاْتِ بِهَآ تو پیش کیجئے اور وہ مجھے دکھایئے تاکہ تمہاری صداقت کا ہمیں یقین ہو۔

مجیٔ و اتیان میں فرق اگرچہ یہ دونوں ہم معنے ہیں لیکن انمیں فرق ہے وہ اس طرح کہ مجیٔ میں نقل شے کا مبدأ ملحوظ ہوتا ہے اور اتیان میں منتہیٰ کا لحاظ ہوتا ہے یہاں پر مبدأ مجیٔ کا بارگاہ حق اور اتیان کا منتہی مرسل الیہ ہے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا عصا شریف ڈالا۔ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ پس اس وقت وہ ایک بڑا سانپ تھا۔ ثعبان پیلے رنگ کے بہت بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔ جو تمام سانپوں سے بڑا ہوتا ہے اور اُس کے گھوڑے کی طرح بال ہوتے تھے۔ مُّبِيْنٌ ۝ کھلم کھلا اور واضح ہوتا کہ سب کو یقین ہو کہ یہ واقعی اژدھا ہے پھر کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوتا تھا

کہ یہ اژدھا نہیں اور نہ ہی سب کو معلوم تھا کہ یہ موسٰی علیہ السلام کا عصا مبارک ہے۔

اعجوبہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے جب اس عصا مبارک کو زمین پر پھینکا تو بالوں والا بڑا سانپ بن گیا۔ یعنی اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے تیروں کی طرح بڑے بڑے بال تھے اور اس نے سانپ بنتے ہی منہ کھولا تو اس کے دونوں طرفوں (جبڑوں) کی مسافت اسّی گز تھی اور اس نے منہ کا ایک حصہ زمین پر رکھ دیا اور دوسرا فرعون کے محل کے دیواروں پر پہنچایا پھر آہستہ آہستہ فرعون کی طرف بڑھنے لگا جب فرعون نے یہ حالت دیکھی تو بھاگا۔ اس کا لشکر بھی خوف کے مارے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ اس اژدھے کی ہولناک اور ڈراؤنی شکل کو دیکھ کر گھبراہٹ سے اسی وقت اسّی ہزار انسان مر گئے فرعون یہ ہولناک منظر دیکھ کر چیخا اور موسٰی علیہ السلام سے عرض کی اے موسٰی میں آپ کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اژدہے کو پکڑ لے۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کے حسب الحکم بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس فریاد کو سن کر اسے پکڑا تو وہ حسبِ دستور سابق عصا بن گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال "ھِیَ عَصَایَ" پھر اس کو اپنی ضروریات کا محل بنایا۔ کما قال "اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا" الخ اس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو اپنی طرف کرکے اپنی حاجات و ضروریات کا محل سمجھو گے تو وہ درحقیقت تمہارے لئے سانپ اژدھا ہے کہ وہ نکل کر کھا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا "اَلْقِھَا یٰمُوْسٰی" یعنی اے انسان اس شے کو اب اپنے پاس مت رکھ اور نہ ہی اس پر اعتماد کر۔ ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس شے کو تیرے ہاتھ میں ہی سانپ بنا دے جس سے تجھے ہزاروں دُکھ اور تکالیف پہنچیں۔ (التاویلات النجمیہ)۔

ربط موسٰی علیہ السلام سے عصا کا معجزہ دیکھ کر فرعون نے عرض کی کیا آپ کے پاس کوئی اور معجزہ بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

تفسیر عالمانہ وَّنَزَعَ یَدَہٗ اور موسٰی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک کو اپنے گریبان یا بغل سے نکالا۔ فَاِذَا ھِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ؏ تو اس وقت دیکھنے والوں کے لئے وہ سفید نورانی تھا اور خرقاً للعادۃ ہاتھ مبارک سے نُور کی شعاعیں تھیں۔ اس کے عجیب منظر دیکھنے کے لئے بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کو حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک دکھایا تو اس سے پوچھا یہ کیا ہے عرض کی یہ آپ کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو ایسا نورانی تھا کہ اس کے نور کے شعاع سے سورج بے نور ہو گیا۔ حالانکہ موسٰی علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بالاصالۃ انسانی ہاتھ نورانی ہیں لیکن جب وہ دنیوی اشیاء سے متعلق ہوتے ہیں تو کالے سیاہ یعنی ظلماتی ہو جاتے ہیں۔ پھر بندہ اپنے ہاتھوں سے اشیا کو پھینک دے تو

باقی صفحہ ۲۹ پر

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ
وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ وَجَآءَ
السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ
نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ
اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ۚ وَاُلْقِىَ
السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ۚۖ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ رَبِّ مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ
هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ۚ وَمَا تَنْقِمُ
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ع

ترجمہ: قوم فرعون کے سردار بولے یہ تو یہ ایک علم والا جادوگر ہے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے تو تمہارا کیا مشورہ بولے انہیں اور ان کے بھائی کو ٹھہرا اور شہروں میں لوگ جمع کرنے والے بھیج دے کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے بولے کچھ ہمیں انعام ملے گا اگر ہم غالب آجائیں بولا ہاں اور اس وقت

تم مقرب ہو جاؤ گے بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں کہا تمہیں ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا اور یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل ہو کر پلٹے اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم ایمان لائے جہاں کے رب پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون بولا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں یہ تو بہت بڑا جعل ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا۔ بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا یہ ہی نہ کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں مسلمان اُٹھا۔

تفسیر عالمانہ: قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ فرعون کی قوم کے لیڈروں یعنی فرعون کے مشیروں نے کہا۔ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ بیشک یہ موسیٰ علیہ السلام تو جادوگر ہیں۔ عَلِيْمٌ یعنی جادو کے علم کا بڑا عالم اور اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے چونکہ ان کے دور میں جادو کا بہت چرچا تھا اس لئے اُن کی سوچ میں یہی خیال جم گیا اور ان کی سوچ بظاہر تو صحیح تھی اس لئے کہ ہر فن میں مختلف طبقات کے ماہرین ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو کا فن سیکھا ہے اور اسمیں بہت بڑے ماہر ہو گئے ہیں اب وہ اس فن کے ذریعے فرعون کا اقتدار چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کو مشیروں نے یہی بات سمجھائی يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں نکال دے مِنْ اَرْضِكُمْ تمہاری زمین یعنی مصر سے تمہیں نکال کر اقتدار کی کرسی پر بنی اسرائیل کو بٹھا دے جب فرعون نے لیڈروں سے یہ بات سنی تو کہا فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ہ بفتح النون اور ماذا کا منصوب تامرون کا مفعول ثانی ہے۔ اور یہاں پر حرف جارہ اور مفعول اوّل محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "بای شئ تامروننی" یعنی فرعون نے کہا جب یہ معاملہ ہے تو اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔ قَالُوْٓا مشیروں نے فرعون سے کہا اَرْجِهْ بہمزہ ساکنہ وہاء مضمومہ نہا الارجاء سے بمعنے التاخیر یعنی اسے مہلت دے وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی موسیٰ علیہم السلام کے ذکر سے تعریف کی وجہ ظاہر ہے کہ اُن کی شہرت ایسی ہو گئی ہے کہ وہ جس طرح کے کرشمے دکھانا چاہتے ہیں دکھاتے جا رہے ہیں اس لئے کہ نام کی حاجت نہ رہی۔ اس جملہ سے فرعون کے مشیروں کا مقصد یہی

(بقیہ صفحہ ۲۷ سے)

تو بدستور سابق نورانی ہو جاتے ہیں اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

ربط جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ دونوں معجزے دیکھے تو اپنے مشیروں کو بلا کر مشورہ لیا۔

تھا کہ اب اُن کے در پے آزار ہونے میں عجلت مناسب نہیں بلکہ انہیں مہلت دیجئے وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ
یہ جار مجرور ارسل سے متعلق ہے اور مدائن مدینہ کی جمع ہے۔ مدینہ ہر اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جو چار دیواری سے محفوظ
اور اس پر کسی بادشاہ کا تسلط ہو۔ اور مصر میں ایک مخصوص خطہ تھا۔ جہاں جادوگروں کو تربیت دی جاتی تاکہ وہ بوقت ضرورت
کام دیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے سپاہی ان مدائن کی طرف بھیج دیجئے۔ حٰشِرِیْنَ لا اس کا مفعول محذوف ہے
دراصل حٰشِرِیْنَ السَّحَرَۃَ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مدائن کے تمام جادوگروں کو جمع کر کے تیرے ہاں حاضر کریں۔
یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ہر ماہر جادوگر کو تیرے ہاں لائیں گے۔

فائدہ سحر لغت میں اعجوبہ ظاہر کر کے لطیف حیلہ کرنا ایسے ہی ہر مخفی امر کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں اسی لئے رات کے آخری
حصہ کو سحر کہا جاتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے شخص کا تشخص پوشیدہ ہوتا ہے اور ریۃ کو اس لئے سحر کہا جاتا ہے
کہ گلے کے کسی وقت پھول جانے اور کمزور پڑ جانے سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

فائدہ منقول ہے کہ ہر زمانہ میں جادو ہوتے لیکن جتنا زور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا ایسے
کسی زمانہ میں نہ ہوا اور نہ ہوگا ان کے زمانہ میں جادوگروں کے سردار مدائن کے خطہ میں رہتے تھے
تفسیر وسیاطی میں ہے کہ خطۂ مدائن میں دو بھائی جادوگر فنِ جادو میں یکتا تھے اور انہیں فنِ سحر پر پورا پورا عبور تھا جب
ان کے پاس فرعون کا پیغام پہنچا تو وہ ماں سے کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے باپ کی قبر پر لے جائیے تاکہ ہم اس سے مشورہ
لے لیں۔ چنانچہ باپ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ فرعون کے ہاں دو ایسے آدمی آئے ہیں جنہوں نے اس پر زمین
تنگ کردی ہے۔ ان کے ہاں ایک عصا ہے جسے وہ سانپ بنا دیتے ہیں جو شے اُس کے آگے آتی ہے وہ اُسے کھا
جاتا ہے بتلائیے ہم اس کا مقابلہ کریں یا نہ۔ قبر سے آواز آئی کہ وہاں پہنچ کر معلوم کرنا کہ وہ عصا اُن کی نیند کے وقت بھی
اژدھا ہو جاتا ہے یا نہ۔ اگر نیند کے وقت بھی سانپ ہو جاتا ہے تو سمجھنا کہ وہ جادو نہیں۔ اس لئے کہ جادوگر کا جادو
خواب کے وقت جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب سُن کر وہ جادوگر اپنے شاگردوں کے ساتھ فرعون کے ہاں پہنچ گئے۔ وہ
بارہ ہزار تھے۔ زاد المسیر میں لکھا ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔

فائدہ اتنی بڑی تاخیر سے فرعونیوں نے سمجھا کہ وہ اس کی تقدیر تبدیل کرلیں گے انہیں کیا معلوم کہ حق ہمیشہ غالب ہوتا
ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے اور جب اس کا حکم جاری ہوتا ہے تو اُسے کوئی نہیں ٹال
سکتا۔ وہاں نہ علم کو کوئی چارہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کا فہم و ذکا کام کر سکتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَۃُ فِرْعَوْنَ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے جبکہ اُن کے ہاں جمع کرنے والوں
نے انہیں بلایا۔ قَالُوْٓا انہوں نے اپنے غلبہ پر یقین کرتے ہوئے کہا۔ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ کُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ
بے شک ہمارے لئے بڑا انعام ہوگا اگر ہم غالب ہو گئے بطریق اخبار کہا کہ انعام ملے گا اور یہ انعام وجوبی طور ہوگا۔

یا انہوں نے یہ انعامی بات بطور استفہام تقریری کے کہا اس لئے کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے ان کا اِنَّ کُنَّا الخ بطور شک و تردّد کے نہیں تھا بلکہ ثبوت اجر کے موقوف علیہ کے یقین کے لئے کہا۔ اور ضمیر کو درمیان میں لانا اور خبر کو لام سے خالی رکھنا قصر کے لئے ہے یعنی اس وقت ہم ہی غلبہ پائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ پانے کا وہم و گمان تک بھی نہ تھا قَالَ نَعَمْ فرعون نے کہا ہاں تمہارے لئے بہت بڑا انعام ہوگا۔ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ اور تم میرے ہاں بلند مرتبت ہو گے۔

فائدہ کلبی نے کہا اس سے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ میری کچہری میں سے تمہیں حاضری کی اجازت ہوا کرے گی اور کچہری برخاست کے وقت سب سے بعد کو تم جایا کرو گے (اور یہ ان کے ہاں بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا)۔

تفسیر صوفیانہ فرعون کے منہ سے مقربین کا کلمہ صدق و حق کے طور نکلا کہ واقعی وہ لوگ مقربین حق ہو گئے جبکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام سے حق قبول کرنا نصیب ہوا۔ (التاویلات النجمیہ)

فرعون کے جادوگروں میں تردّد کا آغاز منقول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کے سردار چار تھے دو ان میں بھائی جن کا ابھی ذکر کیا گیا۔

① مسمی بہ شابور۔
② غاردور اور دوا ور تھے۔
③ حطط۔
④ مقفی اور لباب میں مذکور ہے کہ ان چاروں کا ایک سردار تھا شمعون۔

جب یہ جادوگر مصر پہنچے تو شابور و غادور نے اپنے باپ کے سوال و جواب کے متعلق استفسار کیا۔ فرعونیوں نے کہا موسیٰ علیہ السلام جب آرام فرماتے ہیں تو اُن کا عصا اژدہا بن کر اُن کی نگرانی کرتا ہے انہیں اس سے دل میں تردّد پیدا ہوا کہ جب ہمارے والد کا فرمان کے مطابق یہ جادوگر نہیں تو پھر ان کا مقابلہ کس طرح ہوگا۔ لیکن مقابلہ کے لئے بدستور تیار رہے۔ جب فرعون نے اُن کا مناظرہ موسیٰ علیہ السلام سے کرانے کا انتظام کیا تو فرعون اپنے محل کے بالا خانہ پر نظارہ دیکھنے کے لئے بیٹھا اور مصر کے تمام لوگ مناظرہ گاہ میں جمع ہوئے۔ ستر ہزار جادوگر ایک طرف تھے۔ ادھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام تھے۔ مناظرہ کے وقت فرعون کے جادوگر نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں باادب حاضر ہو کر عرض کی۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ اے موسیٰ علیہ السلام یا آپ پہلے اپنا عصا مبارک پھینکئے وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ یا پھر ہم اپنی رسیاں اور ڈنڈے ڈالتے ہیں۔

باادب بانصیب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا اس لئے کہ لفظ اما تخییر کے لئے آتا ہے اس پر صرف عطف کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا

تو انہیں دولت ایمان نصیب ہوئی۔[1]

قَالَ اَلْقُوْا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جادو کا حکم کیوں فرمایا۔ حالانکہ جو شے ناجائز ہو اس کا امر بھی ناجائز؟

جواب ① یہاں پر شرط محذوف ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کر لو اپنا کام۔ اگر تم حق پر ہو جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔

جواب ② اس لئے یہ بھی اس کا امر فرمایا تاکہ معجزہ کے لئے تاکید ہو جائے۔

جواب ③ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مطلق القوا ہے۔ اس سے جادو کے علاوہ کوئی دوسرا امر بھی مراد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ القوا کرما تسامحا یا یوں کہو کہ ان کی تحقیر کرتے ہوئے اَلْقُوْا فرمایا اس لئے کہ انہیں پورا یقین تھا کہ فرعون کے جادوگر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو کو مباح فرمایا نہ ہی کفر سے راضی ہوئے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ڈالو جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو۔

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو چلا دیا۔ اس لئے کہ بے حقیقت اشیاء کو ان کے دلوں میں خیال ڈالا۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں ایسی بدل ڈالیں کہ انہیں وہی نظر آتا جو کہ وہ چاہتے تھے اس سبب سے کہ جو کچھ انہوں نے مکر و فریب کا پروگرام بنایا۔

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ استفعال یہاں پر بمعنے افعال ہے اور سین اس فعل کی تاکید کے لئے ہے یعنی ان کے ڈرانے پر جتنا زور لگانا تھا لگایا وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ اور بڑا جادو لائے۔

اعجوبہ منقول ہے کہ انہوں نے بہت بڑی اور موٹی رسیاں جمع کیں ان کے ساتھ بڑی اور موٹی لکڑیاں بھی۔ وہ دور سے ایسے محسوس ہوتیں کہ گویا وہ بڑے اور موٹے سانپ ہیں۔ پھر ان رسیوں کو انہوں نے کالے سیاہ تیل سے لتھڑ پتھڑ کیا۔ تیل کی طرف ڈنڈوں کی طرف کردی جونہی ان پر سورج کی گرمی نے اثر ڈالا تو وہ متحرک ہوگئیں اور متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹیں اور چونکہ وہ کثیر تھیں اسی لئے لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے اختیار سے متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹ رہی ہیں اور گویا وہ میدان سانپوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہاتھ کے کھیل سے ایک کرشمہ دکھایا۔

تفسیر عالمانہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا مبارک زمین پر پھینک دیجئے۔ جب انہوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تو وہ جادوگروں کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا۔ اس آیت میں فاء فصیحہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن گیا اور تلقف بمعنے تلقم یعنی لقمہ کرنا اور نگلنا تھا۔ یہ لقف یلقف

---

[1] اس موضوع پر فقیر کی ایک بہتر کتاب ہے " باادب با نصیب"۔ اویسی غفرلہٗ

بروزن علم لیلم سے مشتق ہے اور اہل عرب کہتے ہیں لقفتہ و القفتہ تلقفتہ و التلقفتہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو جلدی سے پکڑ کر کھا جائے اور فوراً نگل بھی دے اور یا فکون بمعنے یزورون افک سے مشتق ہے اس کا لغوی معنے بدلنا اور شئے کو اپنی حیثیت سے پھیرنا ہے ۔

اعجوبہ مروی ہے کہ جب جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک نے جلدی سے جھپٹ کر سب کو کھا لیا تو وہ حاضرین مجلس یعنی تماشائیوں اور خود جادوگروں کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ڈر کے مارے بھاگے اور جلدی میں ایک دوسرے پر گرے تو ہزاروں کی تعداد میں مرگئے ۔ (یا اُن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر عصا بن گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی سانپ والی ہیئت کو مٹا دیا یا اس کے غلیظ اجزا کو لطیف ترین بنا دیا ۔ جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ اگر یہ عصا بھی جادو ہوتا تو اس کے ختم ہوجانے کے بعد ہماری رسیاں اور ڈنڈے باقی بچ رہتے ۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ حق واضح ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ (اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بے شک میں رب العالمین کا رسول ہوں) میں سچے ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے معجزہ فرما کر اُن کی تصدیق فرمائی وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ اور وہ جو عمل کرتے تھے باطل ہوا یعنی ان کا دائمی عمل یعنی سحر کا بطلان ظاہر ہوگیا فَغُلِبُوْا پس فرعون اور اس کے متبعین مغلوب ہوگئے هُنَالِكَ اس مجلس یعنی تماشہ گاہ میں وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ اور ہو گئے وہ ذلیل اور متحیر ۔ یہاں انقلاب بمعنے صیرورۃ ہے وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ اور گرے جادوگر سر سجدہ میں رکھ کر وہ ایسے گرے کہ گویا گرانے والے نے انہیں گرایا ہے اس لئے کہ اس واقعہ کے بعد فوراً ہی انہوں نے سر سجدہ میں رکھدیا ۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہیں کسی نے جبراً زمین پر گرادیا ہے اور ایسے کیوں نہ ہوتا جبکہ انہیں حق نے حیران کر دیا اور سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے ۔

فائدہ آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اس لئے کہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر جلدی سجدہ کیا تو ان کی اس حالت کو منہ کے بل گرنے والے سے تشبیہ دی اور اُن کے حال کو مشبہ بہ کے حال سے تعبیر کیا گیا ۔

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب العلمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان ہے ۔

سوال جب رب العلمین کہا تو پھر رب موسیٰ بعلیہا ہارون کے کہنے کی کیا ضرورت تھی ؟

جواب تاکہ کسی کو وہم و گمان نہو کہ رب العلمین سے فرعون مراد ہو اس لئے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں تربیت کی تھی نہ کہ ہارون علیہ السلام کی ۔ بنا بریں ہارون السلام کی تصریح سے وہم مذکور دفع ہوگیا ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور بنی اسرائیل سب کے

سب آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جن کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جادوگروں پر انکار کر کے جھڑک دے کر کہا اٰمَنْتُمْ بِہٖ ایک ہمزہ ہو تو اخبار نہیں ہے لیکن توبیخ کے متضمن ہیں اگر اسے استفہام توبیخی کے طور مانا جائے تو اس میں ہمزہ استفہام ہے (جیسے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا میں تقریر برگذری)۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ قبل اس کے تمہیں اجازت دیتا یعنی میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان کیوں قبول کیا۔ یہ عبارت بغیر اَنْ (اٰذَنَ لَکُمْ قبل ان تنفد کلمات ربی) کی طرح ہے وہاں بھی بغیر ان تنفدا کی عبارت ماننی پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ ناممکن تھا کہ وہ فرعون انہیں ایمان با اللہ کی اجازت دیتا۔ اِنَّ هٰذَا لَمَکْرٌ مَّکَرْتُمُوْہُ یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے تم نے معجزہ یا کوئی مضبوط دلیل دیکھ کر ایمان قبول کیا ہے غلط اور حال کے تقاضا کے خلاف ہے البتہ یوں کہا جائے کہ یہ ایک حیلہ (مکرو فریب) ہے جو تم نے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز کر لی ہو گی مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے سردار سے مناظرہ سے پہلے ملاقات ہوئی تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اگر میں تجھ پر غالب ہو گیا تو تمہیں مجھ پر ایمان لانا پڑے گا اور میرے لائے ہوئے پیغامات الٰہیہ کو مانو گے انہوں نے کہا کہ اگر آپ غلبہ پا گئے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اُن کی اس گفتگو کو فرعون سُن رہا تھا اس لئے اُس نے جھڑک دیتے ہوئے یہی کہا۔ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا تاکہ تم مصر کے شہریوں کو مصر سے نکال کر تم اور بنی اسرائیل اس کے مالک بن جاؤ۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ پس عنقریب تم اپنے کئے کا انجام دیکھ لوگے۔ یہ اجمالی تہدید تھی اب اُس کی تفصیل بتاتا ہوں۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ (خلاف طرفوں سے میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا)۔ یعنی دایاں ہاتھ ہو گا تو بایاں پاؤں۔ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (پھر میں تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا)۔ یعنی دریائے نیل کی کھجوروں کی ٹنڈوں پر تم سب کو سولی کے طور چڑھا دوں گا جس سے تمہارے لئے عذاب اور دوسروں کے لئے عبرت ہو گی۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ طریقہ سب سے پہلے اسی فرعون نے جاری کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہی بڑا عذاب ڈاکوؤں کے لئے مشروع رکھا تاکہ معلوم ہو کہ ڈاکہ زنی بہت بڑا جرم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام محاربۃ اللہ ورسولہ رکھا۔

قَالُوْٓا جادوگروں نے (جو کہ اب اہل ایمان تھے) اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جملہ متانفہ بیانیہ ہے اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ (بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں) یعنی موت ایک دن آنی ہے گی ہی) ابھی یا دیر سے۔ پھر ہمیں تیری زجر و توبیخ کا کیا خطرہ۔ ہمیں اپنے ربّ کریم کی رحمت اور ثواب پر اُمید ہے۔ اس لئے کہ ہم نے مرنے بعد اسی کے ہاں حاضر ہونا ہے اگر تو ہمارے ساتھ اپنی وعید پوری کرے گا تو حرج کوئی بھی نہیں گویا وہ حضرات اس کی وعید سے الٹا خوش ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا۔

مثنوی شریف میں ہے

۱ جانہائے بستہ اندر آب و گل
چوں رہند از آب وگلہا شاد دل

۲ در ہوائے عشق حق رقصاں شوند
ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند

۳ حق نقاب تن نرفت از روئے روح
لقائے دوست دارد صد فتوح

۴ میزند جاں درجہاں آبگوں
نعرہ یا لیت قومی یعلمون

ترجمہ: (۱) جانیں آب و گل سے وابستہ ہیں جب آب و گل سے میرا دل شاد ہو گا
(۲) عشق کی خواہش میں رقص کریں گے چودھویں شب کے چاند کی طرح کامل ہوں گے۔
(۳) جب تک روح سے جسم کا پردہ نہ اترا اس کے لئے دوست کے دیدار کا پردہ نہ کھل سکا۔
(۴) رنگ و رنگ جہان میں روح زور زور سے پکارتی ہے کاش میری قوم کو علم ہوتا۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اور ہمیں اس سے کوئی عیب نہیں اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا مگر یہ کہ ہمارے ہاں جب اللہ تعالیٰ کے آیات و براہین آئے تو ہم ان پر ایمان لائے) اور یہی ایمان خیر الاعمال و اصل المناقب ہے۔ اس سے ہٹنا اور ایمان جیسی دولت چھوڑ کر تیری رضا طلب کرنا اب ہمارے بس کی بات نہیں رہی۔ جادوگروں نے فرعون کو ڈٹ کر جواب دے کر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے عرض کی۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا (اے ہمارے رب کریم ہمیں صبر کی توفیق بخش) جب فرعون اپنی وعید کو عملی جامہ پہنائے تو ہمیں صبر سے لبریز فرمانا جیسے پانی شے کو گھیر لیتا ہے۔

حل لغات افراغ اوپر سے نیچے پانی ڈالنے کو کہا جاتا ہے یہ بھی استعارہ ہے کہ فرعون کی وعید پر صبر کو گھیرنے والے پانی سے تشبیہ دی ہے یہ ایسی تشبیہ ہے جو صرف مفہوم و معنی سے تعلق رکھتی ہے پھر اسے صبر کو پانی کی طرح ڈالنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خیالی کی گئی ہے اسے استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں اس لئے کہ افراغ پانی کے لزوم اور اس کے کثیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ اور ہمیں مسلمان کر کے فوت فرما یعنی جس دولت ایمان سے ہمیں نوازا ہے اس پر ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں فرعون کے ڈرانے دھمکانے سے پھر کفر میں مبتلا نہ فرما۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون اُن پر غلبہ نہ پاسکا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے وعدہ فرما چکا تھا اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ تم اور تمہارے تابعدار ہمیشہ غالب رہیں گے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون نے جادوگروں سے یہ کہہ کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے لگا اور فوراً ہی کھجوروں کے ٹنڈوں پر مصر کے کنارے سُولی پر چڑھا دیا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ساحراں چوں حق بشناختند

دست و پا درجرمہا درباختند

ترجمہ: ساحروں نے جب حق پہچانا تو ہاتھ پاؤں اللہ کے راہ میں قربان کردیئے۔

تفسیر صوفیانہ قصہ میں اشارہ ہے کہ فرعون سے نفس مراد ہے اور وہ اپنے صفات کے ایمان کا منکر ہے بلکہ انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ یعنی رُوح پر کیوں ایمان لائے ہو۔ پھر نفس انہیں کہتا ہے کہ اے صفات کے جادوگرو یہ تمہارا مکرو فریب ہے جو تم نے موسیٰ یعنی روح کے ساتھ مل کر کیا ہے یعنی مدینہ قالب (جسم) میں تم نے روح سے موافقت کرلی تاکہ تم اس کے مکینوں یعنی لذات دنیا اور اُس کے شہوات کو نکال کر باہر پھینکو۔ عنقریب تم میری گرفت اور سزا کو معلوم کرلوگے کہ میں کوشش کرکے تمہاری کارروائی کو باطل کردوں گا۔ اور دنیا کی لذات و شہوات پر اُبھاروں گا اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا) یعنی اعمال صالحہ سے تمہیں دلبرداشتہ کردوں گا۔ اس کے بعد تم سب کو دنیوی تعلقات کی سولی پر چڑھا دوں گا اور تمہارے دل میں دنیا کے نقش و نگار سما جائیں گے۔ رُوح اور اُس کے متعلقین نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔ ہمیں دنیوی آرائش سے کیا غرض اور اس میں ہمیں عیب بھی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دنیوی تعلقات سے آزاد فرماکر اپنی عبودیت میں موت عنایت فرما۔ (آمین)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: اور قوم فرعون کے سردار بولے کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور موسیٰ تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دے بولا اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو اور بے شک زمین کا مالک اللہ ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے بولے ہم ستائے گئے آپ کے آنے سے پہلے پھر آپ کے تشریف لانے کے بعد کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور اس جگہ زمین کا وارث تمہیں بنائے پھر وہ دیکھے کیسے کام کرتے ہو۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اور فرعون کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔
مروی ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے یعنی عصا اژدھا اور ید بیضا تو اس کا خوف بڑھا اسی لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کا تعرض نہ کیا اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی قوم کے بڑوں نے اسے کہا کہ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ کیا تم موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہو لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ تاکہ وہ زمین پر فساد ڈالیں۔ یعنی مصر میں اپنے دین کو رائج کرکے فساد ڈالیں گے بلکہ یہاں کے تمام لوگوں کو تیری پیروی سے پھیر لیں گے وَيَذَرَكَ اس کا لِيُفْسِدُوْا پر عطف ہے وَاٰلِهَتَكَ اور وہ تمہیں اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے گا۔

فائدہ فرعون ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ لیکن تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے مجسمے تیار کرا کر عوام کو اُن کی پرستش کا حکم دے رکھا تھا اور کہا تھا کہ اُن کی پرستش سے تم میرے قریب ہو جاؤ گے اس لئے انہیں کہا تھا (اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی)۔ لیڈروں کے سوال کے جواب میں کہا۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ عنقریب ہم اُن کی نرینہ اولاد قتل کردیں گے وَ نَسْتَحْیِ نِسَآءَ هُمْ (اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے)۔ پھر جب وہ جوان ہوں گی تو ہم اُن سے خدمت کرائیں گے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اُن کے ساتھ وہی کاروائی کریں گے جو بوقت ولادت موسٰی علیہ السلام کے کی تھی اور انہیں بتا دیں گے کہ ہمیں تمہارے اوپر بدستور قبضہ اور غلبہ ہے۔ اور انہیں یہ وہم نہ چاہیئے کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق کاہنوں اور جادوگروں نے خبر دی تھی کہ ..... سے فرعون سے ملک چھین لے گا۔ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (اور ہم ان پر غالب ہیں) یعنی ہم ان پر بدستور غلبہ رکھتے ہیں اور ہم موسٰی علیہ السلام کے مناظرہ جیت جانے کے بعد گھبرا نہیں گئے اور نہ ہی مغلوب ہوئے ہیں بلکہ ہم اب بھی قوت و غلبہ رکھتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا جب انہوں نے فرعون کی دھمکی سنی اور اس کے مقابلہ سے وہ عاجز بھی تھے تو موسٰی علیہ السلام سے شکایت کے طور کہا تو آپ نے انہیں حسن انجام کی رہبری فرمائی کہ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ (اللہ تعالٰی سے مدد مانگو) تاکہ تمہارے سے فرعون کی شرارت دور فرمائے۔ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ بے شک تمام زمین (اس میں مصر بھی ہے) اللہ تعالٰی کی ہے یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے وَ الْعَاقِبَةُ نیک عاقبت یا فتح و نصرت یا بہشت لِلْمُتَّقِیْنَ متقیوں کے لئے ہے منجملہ اُن کے تم بھی ہو۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کے جادوگر مغلوب ہوئے اور انہیں حضرت موسٰی علیہ السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا کہ اس کے دلائل و براہین واضح ہو چکے تھے تو بنی اسرائیل سے چھ ہزار افراد موسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے اور شرک و گناہوں سے بچ گئے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں استعانت اور تکالیف پر صبر کرنا بھی تقوٰی کا ایک باب ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت

اجر صبریست کہ در کلبہ احزان کردم

ترجمہ: مجھے بڑھاپے نے صحبت یوسف بخشی میں نے مدتوں تک صبر کیا یہ اس کا اجر ہے۔

قَالُوْا (بنی اسرائیل نے کہا) اُوْذِیْنَا (فرعون سے ہم ایذا دیتے گئے) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا آپ کی

تشریف آوری سے پہلے ۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دعویٰ سے پہلے کا وہ وقت مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ایام تھے ۔ وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی ۔ اس سے اُن کی یہی مراد ہے کہ فرعون نے نہ صرف انہیں دھمکی دی بلکہ عمل کرکے دکھلائے گا ۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں اس طرح کے ظلم وستم اور عذاب کرتا رہتا ہے ۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل فرعون کی دھمکی سے سخت مضطرب ہیں تو آپ نے انہیں صراحۃً تسلی سے نوازا ۔ اگرچہ اجمالی طور ان الارض للہ الخ میں پہلے بھی تسلی دی لیکن اب کھلے الفاظ سے فرمایا کہ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کردے گا ۔ یعنی تمہارا وہ دشمن جس نے سابقًا تمہارے ساتھ ظلم وستم کئے اور اب اُس کی دھمکیاں دیتا ہے اس کے ہلاک و برباد ہونے کا وقت قریب ہوگیا ہے ۔

قاعدہ عسٰی عسٰی اگر بندے سے ہو تو اسمیں اُس کی خبر میں طمع دلانا مطلوب ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کی خبر کا وقوع یقینی ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ کریم جب طمع دلاتا ہے تو اُسے پورا فرماتا ہے ۔ ایسا کہ گویا اس نے وہی امر اپنی ذات کے لئے واجب کردیا ہے (اگرچہ فی نفسہٖ اس کے لئے وہ امر واجب نہ ہو) ۔

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ اور تمہیں زمین مصر اور بیت المقدس کا جانشین بنائے گا ۔ فَيَنْظُرَ نظر سے کبھی اس سے نگاہ پھیر کر کسی شے کو دیکھنا مراد ہوتا ہے اور اسی دیکھی ہوئی شئے پر امر کا ترتب مطلوب ہوتا ہے لیکن یہ ہر دونوں معانی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے محال ہیں ۔ بنا بریں تاویلاً کہنا پڑا کہ یہاں نظر کی غایت مراد ہے یعنی نظر بمعنے رؤیت یعنی اظہار ہے كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ یعنی پھر دیکھیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ۔ نیک یا بد تاکہ تمہیں تمہارے عمل کے مطابق جزا وسزا دے یعنی تم میں سے ظاہر ہوں گے کہ شکر کون کرتا ہے تو کفرانِ نعمت کون ۔ طاعت کون کرتا ہے تو نافرمانی کون ۔

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میٹھی اور سبز باغ کی طرح ہے یعنی اس کا منظر عجیب ہے کہ دیکھنے والا پھنس جاتا ہے دنیا سے کبھی اس کی صورت اور اُس کے سازوسامان مراد ہیں اور سبزے سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ جیسے سبزیاں سریع الزوال ہیں اسی طرح دنیا جلد ہلاک اور تباہ ہونے والی ہے اس سے اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا دھوکہ کا سرچشمہ ہے ۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر لوگ فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کی چاشنی میں مکھی کی طرح پھنس جاتے ہیں ۔

فائدہ زمین میں تمہیں خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مال و متاع اور اسباب تمہاری ملکیت نہیں بلکہ تمہیں عارضی طور دیئے گئے ہیں جیسے خلیفہ شئی کا حقیقی مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ مالک کی طرف سے چند لمحات کا عارضی ملکیت رکھتا ہے ۔ اسی طرح انسان کو بھی یقین ہو کہ ان تمام اشیاء کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ہم تو چند روز اس کے

وکیل بن کر تصرف کرنے کے مجاز ہیں۔

فائدہ خلیفہ بنا کر پھر اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ تم انہیں کس طرح تصرف کرتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اسلاف کا خلیفہ بناتا ہے کہ ان کو موت دے کر ان کا مال و اسباب تمہارے قبضہ میں دیتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ کیا تم اپنے اسلاف کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو یا نہ اور ان کے انجام پر تمہیں نظر ہے یا نہ؟ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دیگر مرغ بیند اندر بند

② پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: ① وہ پرندہ جال کے قریب نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرا پرندہ قید میں ہے۔
② تم دوسروں سے نصیحت لو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت لیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس فرعون کو جب خواہشات اور غضب اور کبر وغیرہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ یعنی روح اور اس کی برادری یعنی قلب و سِر اور عقل کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ بشریت کی زمین پر فساد برپا کریں اور تاکہ تجھے اور تیرے معبودوں (نفس کا معبود دنیا اور شیطان اور طبع ہے) کو چھوڑ دیں۔ فرعون یعنی نفس نے انہیں جواب دیا کہ میں اُن کے بیٹوں یعنی روح و قلب اور نفس کے صفات یعنی اعمال صالحہ کو ریاً و عجب اور حیلہ سے ضائع کرا دوں گا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دوں گا۔ یعنی نفس کے وہ صفات جن سے اعمال کا صدور رہتا ہے اور میں مکر و فریب اور حیلہ سازی میں ان سب سے اونچا ہوں۔ اس پر موسیٰ یعنی رُوح نے اپنی برادری یعنی قلب و عقل اور سِر سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور نفس سے جہاد اور اس کی مخالفت اور حق کی اتباع میں صبر کرو اس لئے کہ بشریت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ سعادت مندوں کی بشریت کی زمین روح کے حوالہ فرماتا ہے اور اس کے صفات بھی۔ بنابریں وہ انہی صفات سے موصوف ہوتا ہے اور بدبختوں کی بشریت اور اس کے صفات بدبختوں کے سپرد فرماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے اور اچھا انجام یعنی خیر و سعادت اتقیاً و سعداً کو نصیب ہوتی ہے۔ روح کی برادری نے روح سے کہا کہ ہم تیرے بالغ ہونے سے پہلے جبکہ تو ہمارے ہاں واردات لے کر نہیں آیا تو بھی ہم ایذا دیئے گئے یعنی اوصاف بشریت اور اس کے معاملات سے ہم کو ایذا پہنچتی تھی اور اب بھی تمہارے بلوغ کے بعد جبکہ واردات و الہامات کو لائے ہو تو بھی بشریت کے دواعی سے ہم ایذا پاتے ہیں رُوح نے جواباً

(باقی ص۴۲ پر)

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ

وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ

بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا

يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ

كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ

اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟

ترجمہ: اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھاٹنے سے پکڑا کہ کہیں وہ نصیحت مانیں پھر جب انہیں بھلائی ملتی کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں سے بدشگونی لیتے سُن لو ان کے نصیبہ کی شامت تو اللہ کے ہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح تم پر ایمان لانے والے نہیں تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے بے شک اگر تم ہم سے عذاب اُٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ان سے عذاب اُٹھا لیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہمارے آیتیں جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے اور ہم نے اس قوم کو جو دبا لی گئی تھی اس زمین کے پورب و پچھم کا مالک کیا جس میں ہم نے برکت رکھی اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور جو چنائیاں اٹھاتے تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو ان کا گذر ایک ایسی قوم پر تھا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنا دے جیسا کہ ان کے لئے اتنے خدا ہیں بولا تم ضرور جاہل لوگ ہو یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں نرا باطل ہے کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تمہیں بڑی مار دیتے تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیاں باقی رکھتے اور اس میں تمہارے رب کا بڑا فضل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور ہم نے آل فرعون کی گرفت کی۔ آل سے اُس کی قوم یا اُس کا دین قبول کرنے والے مراد ہیں۔ دراصل آل الرجل سے اس کے وہ مخصوص لوگ مراد ہیں جن پر اسے پورا اعتماد ہو۔ بِالسِّنِيْنَ قحط سالی سے یہ سنۃ کی جمع ہے دراصل مطلق سال کو کہا جاتا ہے لیکن اب عموماً قحط سالی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر عام چلتا ہے اور اس سے تاریخیں بتائی جاتی ہیں گویا یہ اس کا علم بن گیا ہے جیسے نجم مطلق ستارہ کو کہا جاتا ہے لیکن اب اس کا عموماً اطلاق ثریا پر ہوتا ہے۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ ۔ اور ثمرات کی کمی سے کہ ان کی کھیتی باڑی اور باغات پر کسی قسم کی آفتیں نازل کی جائیں۔ یہ قحط سالی سے بھی سخت تر ہوتی۔ اس لیے کہ ثمرات انسانی غذا کا نام ہے جب غذا ہی نہ ہو تو پھر اس کی زندگی کی امید کہاں۔

فائدہ : حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ قربِ قیامت لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ کھجور سے صرف ایک دانہ پیدا ہوگا۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مذکورہ قحط سالی دیہاتوں اور بادیہ نشینوں میں اور ثمرات کی کمی شہریوں کو تھی۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔ تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور انہیں یقین ہو کہ یہ شامت ان کے اعمال سیئہ کی وجہ سے ہے تاکہ اس سے عبرت حاصل کر کے برائیوں اور سرکشی و عناد سے باز آجائیں۔

فائدہ : لفظ لَعَلَّ اَخَذْنَا ۔ کی علت کے لیے ہے۔

اللہ تعالےٰ کے افعال اگرچہ اسباب کے محتاج نہیں۔ لیکن چونکہ اسباب بندوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں بنابریں اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل سنّت کا مذہب ہے یا اسے ترتب غایۃ کے لیے لایا گیا ہے کہ غایت فعل کے ثمرہ کا نام ہے پھر اس غایت کے بجائے غرض کو لایا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے تمام افعال غایات و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مصالح یقینی اور پختہ ہوتے ہیں جنہیں علۃ غائیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہ اگر وہ علۃ غائیہ نہ ہو تب بھی وہ افعال صادر ہوں گے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

(بقیہ صفحہ سے)

کہا اللہ تعالیٰ دشمن نفس اور اُس کے اور اس کے صفات کو اللہ تعالیٰ وارداتِ ربانیہ سے مٹائے گا اور تمہارے سے اس کی تمام اذیتیں دفع فرمائے گا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کے صفات کو مٹانے کے لئے وارداتِ روحانیہ کے ساتھ صفات ربوبیت کی تجلی بھی ضرورت ہے اس کے بعد تمہیں خلیفہ بنائے گا یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں سے کسی صفت کا تجلّی ڈالے گا تو بشریت کی زمین نفس کے صفات کی کوئی صفت بھی باقی نہیں رہے گی بلکہ اُس کی جملہ صفات روح و قلب کے صفات سے تبدیل فرما دے گا۔ انہی صفات کے ساتھ تمہیں اپنا خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم اقامت عبودیت اور ربوبیت کی نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہ۔ (التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ مصائب و محن اور شدائد و تکالیف انتباہ اور عبرت دلانے کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اہلِ سعادت (اولیاء اللہ) کے لیے ہے ورنہ اہلِ شقاوت کو نہ کثرتِ نعمت سے تنبیہ ہوتی ہے، اور نہ ہی تکالیف و شدائد سے عبرت پکڑتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بکوشش نروید گل از شاخ بید — نہ زنگی بگرما بہ گردد سفید

ترجمہ: نہ کوشش سے بید کے درخت سے پھل پیدا ہوتا ہے نہ ہی حمام میں خوب نہلانے سے زنگی سفید ہوگا۔

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ۔ (پس جب کہ ان کے ہاں حسنہ آئی۔ یہاں پر حسنہ سے رزق کی فراوانی اور وسائل کی وسعت اور دیگر آرام و آسائش کے اسباب مراد ہیں۔ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ (تو کہا یہ ہمارے لیے ہیں) یعنی یہ صرف ہماری خاطر ہے اور ہم اس کے مستحق تھے۔ انہیں یہ کبھی تصور نہ ہوتا کہ یہ فضلِ ربی ہے)

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ (اور اگر انہیں سیئہ یعنی قحط سالی یا مصیبت آگھیرے)

يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ (تو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے، کہتے کہ یہ قحط سالی اور مصائب ان کی نحوست ہے۔ يَّطَّيَّرُوۡا دراصل يتطيروا تھا۔ قربِ مخرج کی وجہ سے تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے۔

تطیّر کی لغوی تحقیق: تطیر کا مادہ طیر ہے یعنی پرندہ جیسے کوّا۔ (اُلّو) وغیرہ۔ شوم۔ یُمن (برکت) کی ضد کا نام ہے یعنی بے برکتی اور اسے طیر اور طائر (پرندے) سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ ان پرندوں کی وجہ سے بے برکتی پھیلتی ہے پھر مدلول علیہ کا نام دال (دلالت کرنے والی شئے) کا رکھا گیا اس لیے کہ اہلِ عرب ان مخصوص پرندوں کی وجہ سے بے برکتی سمجھتے ہیں اور اسے تفعّل کے باب سے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عموماً تجنّب (کنارہ کشی) کا معنےٰ ہوتا ہے یعنی اس میں اشارہ ہوتا ہے جیسے تحوب بمعنے تجنب عن الحوب ای الاثم "یعنی گناہ سے کنارہ کش ہونا" اس کی مزید تفصیل طیرہ میں آئے گی

اعجوبہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ سے مروی ہے کہ فرعون نے چار سو سال شاہی کی۔ تین سو سال کے عرصہ میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی یہاں تک کہ بخار اور سر کا درد بھی نہ ہوا اور نہ ہی کبھی بھوکا ہوا۔ یہ مدت اس کے دعویٰ ربوبیت کی ہے۔

نبوّت کی انوکھی شان: جب انہوں نے کہا کہ ہمیں خوشحالی اس لیے حاصل ہے کہ ہم اس کے مستحق ہیں لیکن یہ قحط سالی اور تکالیف کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس

ساتھیوں کی نحوست ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا تمہارے ہر دونوں خیالات غلط ہیں۔ اَلَآ۔ خبردار یاد رکھو۔ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ۔ ان کی بے برکتی اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔ یعنی جو کچھ انہیں خوشحالی یا قحط سالی پہنچتی ہے۔ ان ہر دونوں کے اسباب اللہ تعالےٰ کے ہاں ہیں یعنی ان ہر دونوں کی قضا و قدر اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ہوتا ہے۔ نہ کسی کی ذاتی برکت ہے اور نہ ہی کسی میں بے برکتی۔

سوال: شوم بری شئے ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف کیونکر؟

جواب: پہلے بتایا گیا ہے کہ شوم کو طائر سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ طائر اس نحوست بے برکتی وغیرہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ طائر بھی نحوست کا ایک سبب ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اس دلالت کی بنا پر اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ان کے اعمال سیئہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہیں اور وہ اعمال سیۂ ان بندوں کے ہیں جن کی وجہ سے وہ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوئے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ طائر یعنی دلیل بول کر مجازاً مدلول علیہ مراد لیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں طائر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرما کر مجازاً بندوں کے اعمال سیئہ مراد لیے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔ یعنی جو کچھ انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے مصائب کا نزول ہوتا ہے یا جو کچھ انہیں ان کے اعمال سیئہ سے نحوست پڑتی ہے۔ تو وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ بلکہ اس کے علاوہ الٹی سیدھی کہہ کر کچھ کا کچھ بکتے ہیں۔ چنانچہ ابھی ان کی باتوں کی تفصیل گذری ہے

نکتہ: آیت میں اکثر کی قید سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض ایسے امور سے واقف تھے۔ لیکن عمل نہ کرنے پر ان کا تکبر اور عناد تھا۔

طیرہ کی تحقیق: یاد رہے کہ طیرۃ تطیر بمعنے تشاءم کا اسم ہے۔ بروزن عنبۃ بمعنے ما یتشاءم بہ من الفال الردی "ردی فال کے لیے جس شئے کو نحوست کا سبب سمجھا جائے اسے طیرۃ" کہا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب پرندوں سے بدفالی پکڑتے تھے۔ مثلاً کوئی شخص سفر کو جاتا تو راستہ میں اس کی سیدھی جانب سے کوئی پرندہ گذر جاتا تو اس پرندہ کو بابرکت سمجھتے اور اس کا نام "سانح" رکھتے۔ اگر کوئی پرندہ بائیں جانب سے گذرتا تو اسے منحوس سمجھتے اور اس کا نام بارح رکھتے۔ اس طرح کے پرندے گذرنے پر سفر کو بے ظفر سمجھ کر سفر کا ارادہ ترک کر کے گھر بیٹھ جاتے۔ اس طرح سے یہ طریقہ پرندوں سے ہونے لگا۔ تو ایسے پرندوں کو بدفالی کے طور طیر سے تعبیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہر بدفالی کو طیرہ طائر کہنے کا رواج ہو گیا۔

بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اظہارِ نبوّت کے بعد فوراً ہی اس گندے عقیدے کی جڑ کاٹ دی اور فرمایا کہ " الطیرۃ شرك - بدفالی پکڑنا شرک ہے اور اس کلمہ کو سہ بار فرمایا۔

سوال: طیرۃ شرک کیسا۔ یہاں پرستش تو نہیں؟

جواب: چونکہ مشرکین بدفالی کو نفع ونقصان کا اعتقاد رکھتے تھے اس لیے اسے شرک سے تعبیر فرمایا[1] پھر وہ اس نفع ونقصان کو ان اشیاء کو ذاتی طور مانتے۔ بنابریں گویا انہوں نے اس بدفالی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے سفر کا اسی ارادہ سے ترک کرے جیسے مذکور ہوا تو وہ مشرک ہے یا کم ازکم گنہگار ضرور ہے۔

مسئلہ: محیط (فقہ کی کتاب) میں ہے کہ جب کبوتری غیر مانوس آواز سے بولے تو کوئی کہے کہ اس کی منحوس آواز بتاتی ہے کہ فلاں مریض فوت ہو جائے گا تو یہ قائل کافر ہو گیا۔ (عند بعض المشائخ)

مسئلہ: جب کوئی شخص سفر کے لیے نکلا تو کوّے (عقعق) کی آواز سن کر سفر کا ارادہ ترک کرکے واپس گھر کو آگیا تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو گیا (جب کہ عقیدہ مذکورہ دل میں ہے ورنہ نہیں)

حکایت: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے ہاں بیٹھے تھے کہ اچانک (عقعق) کوّا کائیں کائیں کرتا ہوا گزرا تو ایک شخص نے کہا خیر ہے خیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر (کچھ بھی نہیں)

نکتہ: کوّے کو نحوست کی فال لینے کا نکتہ یہ ہے کہ عربی میں کوّے کو غُراب کہتے ہیں (مشتق از اغتراب بمعنے جدا ہونا) اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اسے بھیجا کہ جاؤ دیکھو طوفان کا پانی کتنا ہے۔ یہ گیا تو واپس نہ لوٹا۔ اس لیے اسے غراب البین سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے شامت و نحوست کی فال پکڑتے ہیں۔ اس معنے پر غربتہ (مسافری) کو اس سے اخذ کیا گیا ہے۔[2]

---

[1] چونکہ انہوں نے اسے ایجاد بندہ کے طور نفع ونقصان کا اعتقاد رکھا۔ اس لیے مشرک ہوئے اور اہل سنت انبیاء واولیاء کو نفع ونقصان کا سبب مانتے ہیں اور انہیں سبب یعنی وسیلہ ماننا عین اسلام ہے

[2] مزید تفصیل سورۂ ہود میں پڑھیئے۔ فافہم وتدبر وولاتکن من الوہابین ۱۲ اویسی

فائدہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بد فالی اسے نقصان پہنچاتی ہے جو بدفالی کے خیال میں ہو ورنہ اس سے کسی قسم کا نہ نفع ہے نہ نقصان۔

فائدہ : اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جو بد فالی پکڑتا ہے یا اس کا عقیدہ وہی ہے تو کسی وقت اس مصیبت میں ضرور گرفتار ہوگا۔ ورنہ جو متوکل علی اللہ ہے اور صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل اس عقیدہ پر مضبوط ہے کہ خوف و رجاء صرف اللہ تعالےٰ سے متعلق ہے۔ اسے اسباب کی طرف قطعاً توجہ نہ ہو (اگر ہو تو صرف اسباب کی حد تک) اور جن کلمات کے پڑھنے کا حکم ہے انہیں اس نیت سے پڑھے کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اور انہیں بھی صرف پڑھنے پر محدود رکھے۔ یہاں تک یہ تصور تک نہ ہو کہ انہی کلمات سے یہ مصیبت ٹلے گی۔ ہاں ان کی برکت کا عقیدہ ہو اگرچہ تقدیر نہ ٹلنے کا عقیدہ اللہ تعالےٰ کے لیے ہو تو اسے ایسی فالیں نقصان نہیں پہنچاتیں۔

فائدہ : کلماتِ نبویہ سے یہ دعا مراد ہے :

اللهم لا طير الا طيرك ولا خير الا خيرك ولا اله غيرك ولا حول ولا قوة الا بالله ما كان شاء الله كان لا ياتى بالحسنات الا الله ولا يذهب بالسيئات الا الله واشهد ان الله على كل شئ قدير۔

ترجمہ : اے اللہ کوئی فال نہیں سوا تیرے اور نہیں کوئی بھلائی سوا تیری بھلائی کے اور نہیں معبود تیرے سوا اور نہیں طاقت و قوت سوا تیرے وہی ہوتا ہے جو تو چاہتا ہے اللہ تعالےٰ کے سوا حسنات کوئی نہیں لاتا اور برائیوں کو وہی ہٹاتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہی ہر شئے پر قادر ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کام کے لیے جائے اور اسے بد فالی کا تصوّر آجائے تو کام کرنے سے رکنے کے بجائے مذکورہ بالا دعا پڑھ کر کام کے لیے چل پڑے۔ اللہ تعالےٰ کامیاب فرمائے گا) کیونکہ انسان کو جو کچھ بھلائی برائی برکت یا نحوست حاصل ہوتی ہے وہ سب کی سب اللہ تعالےٰ کی قضاء و قدر اور اس کے حکم اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے۔

حدیث شریف : نحوست عورت اور گھوڑے اور دار میں ہے۔

شرح الحدیث : عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ عورت بدخلق ہو یا اس کی حق مہر[۱] حد سے

---

[۱] (آجکل تو یہ نحوست مردوں پہ ہے کہ مہر کے بجائے جہیز کی لعنت سے کئی بے چاری عورتیں زندگی بھر کنواری رہ جاتی ہیں:

زائد وصول کی جائے۔ بعض نے کہا منحوس عورت وہ ہے جو بچے نہ جنے اور گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ وہ بے قابو ہو جائے یا یہ کہ اس کے ذریعے جنگ وجہاد نہ کیا جا سکے اور دار کی نحوست یہ ہے کہ وہ تنگ ہو یا اس کے ہمسائیگان برے ہوں۔

فائدہ : یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

نکتہ : ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر نقصان ہوا کرتا ہے یا انسان آفات میں ان کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : جس انسان کو ان اشیاء سے واسطہ پڑ جائے تو انہیں اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرے۔

سوال : حدیث شریف میں ہے کہ " لا طیرۃ الخ " یعنی اسلام میں بدفالی کا تصور حرام ہے؟

جواب : ابن قتیبہ نے فرمایا کہ یہ حدیث مخصوص عنہ البعض ہے۔ اب حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں بدفالی نہیں۔ اگر ہے تو صرف ان تینوں میں ہے۔

حکایت : ایک فلسفی نے دھیمی آواز سن کر کہا کہ سنا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اُلو کی آواز کسی کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ آواز بتاتی ہے کہ اُلو کی مادہ مرجائے گی ؎

زنبقم در گوش کن تا نشنوم ‏ ‏ ‏ ‏ یا دام بکشا تا بیروں روم

ترجمہ : میرے کان میں روئی ٹھونس دے تاکہ میں کچھ نہ سُن سکوں یا میرا پھندا کھول دے تاکہ باہر چلا جاؤں۔

حکایت : ایک بادشاہ کے زمانہ میں ستارے گرے تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ ممکن ہے کہ اسے کوئی آفت نازل ہو۔ اپنے ملک کے نجومیوں اور مولویوں کو بلایا تاکہ اسے اس کی حکمت سے آگاہ کر کے اس کے دفعیہ کا علاج بتائیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی اس گتھی کو نہ سلجھا سکا تو جمیل شاعر نے کہا ؎

ھذی النجوم تساقطت ‏ ‏ ‏ ‏ لرجوم اعداء الامیر

ترجمہ : یہ ستارے ہمارے بادشاہ کے دشمنوں کے سر توڑنے اور مٹانے کے لیے گرے ہیں۔

بادشاہ نے اس کے شعر کو نیک فال تصور کیا۔ اس کے صلہ میں شاعر کو بہت بڑے انعام و اکرام سے نوازا۔

مسئلہ : نیک فالی شرعاً جائز ہے (جیسے بادشاہ مذکور نے کہا)

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نیک فال سے خوش ہوتے۔ البتہ بدفالی سے

کراہت فرماتے۔

فائدہ: نیک فالی یہ ہے کہ کسی سے اچھا کلمہ سن کر اپنے لیے بہتری تصور کرے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کام کی طلب میں ہے تو اسے اچانک کسی نے کہا "یا واجد یا نجیح" اسی طرح کوئی سفر میں ہے تو کسی سے اچانک سنے یا سالم۔

مسئلہ: نیک کاموں میں نیک فالی جائز ہے۔ لیکن بد فالی ہر حال حرام ہے۔

سوال: یہ عجیب معاملہ ہے کہ نیک فالی جائز ہے اور بد فالی ناجائز۔ حالانکہ ہر دونوں کا طریقہ ایک ہے اس لیے کہ نیک فالی میں بھی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے انجام کار پر دلیل لی جاتی ہے اور بد فالی میں بھی حیوان یا پرندے کو بدانجامی کی دلیل بنایا جاتا ہے۔

جواب: انسانی ارواح میں قوت و طاقت بہت زیادہ اور یہ روشن ترین اور صاف و شفاف ہوتی ہیں بنا بریں انہیں نیک فالی کی دلیل بنانا ممکن ہے اور حیوانات اور پرندوں کے ارواح صاف و شفاف نہیں اور حد درجہ کے ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ بنا بریں انہیں انجام کار کی دلیل بنانا بیکار ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے استسقاء کے موقعہ پر چادر مبارک کو الٹا۔ اس سے صاحب ہدایہ نے استدلال فرمایا کہ آپ نے چادر مبارک کو نیک فالی کے طور الٹایا اس لیے کہ گویا اللہ تعالٰے سے عرض کر رہے تھے کہ یا اللہ تعالٰے جس طرح ہم نے چادر کو الٹا ہے تو ہمارے حال کو خوشحالی سے بدل دے۔

مختار کل نبی: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سن کر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر کو پھیلایا۔ تو آپ نے میری چادر کو اپنے ہاتھ مبارک میں لیا اور اسے منفرق طور ادھر ادھر کر کے پھر مجھے فرمایا اسے جمع کر لے۔ میں نے اسے جمع کر کے ملایا تو اس کے بعد مجھے کوئی بات نہ بھولتی۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے بھی نیک فالی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے کہ چادر کو پھیلانے اور منفرق کرنے سے علم کو چادر پر گرایا نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس فرق وضم میں اس نیک فالی کی طرف اشارہ تھا کہ جیسے چادر کو پھیلا دیا ہے کہ اس سے کوئی شئے گر نہ جائے۔ اسی طرح میں نے سنی ہوئی شئے کی طرف کان لگایا ہے، پھر جیسے تو اسے الہ العلمین کسی بندے کو رزق واسع عطا فرماتا ہے تو گویا دونوں ہاتھوں سے ہی عطا فرماتا ہے۔ ایسے

ہی اے الہٰ العلمین اس بندے کو علم کی وسعتوں سے نواز دے اسی طرح جیسے کسی شئے سے ملنے سے احوال بدل جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اسماء بعض امور پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کسی سے پوچھا تیرا نام کیا ہے تو اس نے کہا "جمرہ" (انگارہ) آپ نے پھر پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کی شہاب۔ آپ نے فرمایا تیرے قبیلہ کا نام کیا ہے کہا "حرقہ" آپ نے فرمایا کہاں رہتے ہو اس نے کہا حرہ میں۔ حرہ سیاہ پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے جسے دور سے دیکھ کر محسوس کیا جائے کہ گویا وہ جل گئی ہے۔ آپ نے اسے فرمایا اپنے گھر جلد پہنچ وہ جل رہا ہے۔ واپس لوٹا دیکھا تو تمام گھر والے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسی کام کے لیے کسی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے اس سے نام پوچھا تو اس نے جواباً کہا "ظالم بن سراق" آپ نے فرمایا میں تجھ سے مدد نہیں لیتا اس لیے کہ تو ظالم اور تیرا باپ چور۔

فائدہ: تقریر مذکور اور احکامات سے معلوم ہوا کہ قبیح اسماء کو نیک اسماء سے تبدیل کرنا بھی نیک فالی ہے مسئلہ مذکور کی نظیر حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تمارضوا فتمرضوا" اپنے آپ کو مریض مت ٹھہراؤ کہ کہیں واقعی تم مریض نہ ہو جاؤ۔ یعنی جو شخص اپنے لیے مریض ہونا ظاہر کرے اور کہے کہ میں مریض ہوں اور اس کے اس فعل و قول سے مرض پیدا ہو جائے تو اس کا اس قول و فعل پر مواخذہ ہو گا۔

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ　　　رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مذاق سے بیماری ظاہر کرنے سے تجھے بیماری آکر دیئے کی طرح بجھا دے گی یعنے تجھ پر موت آجائے گی۔

اللہ تعالےٰ ہی حسنات کا ہادی اور برائیوں کا دافع ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَقَالُوْا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات عصا مبارک اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو فرعون اور اس کی برادری نے جب ملاحظہ کیا تو کہا مَهْمَا۔ یہ اسم شرط دو فعلوں کو مجزوم کرتا ہے مثلاً "مہما تفعل فعل" میں دونوں فعل مجزوم ہیں۔ یہ کسی کے سوال پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی سوال کرے کہ تم اس فعل کو عمل میں لانے کی قدرت نہ رکھو تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تو پھر اس کے جواب میں کہا جاتا ہے مَهْمَا تَفْعَلْ۔ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے اس کی خبر (فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام تم جو

بھی تَاْتِنَا بِہٖ (ہمارے ہاں لاؤ گے) یعنی ہمارے سامنے ظاہر کرو گے) اور بڑی مشکل سے مشکل بات کو حاضر کرو گے۔ بِہٖ کی ضمیر مہما کی طرف لوٹتی ہے مِنْ اٰیَۃٍ یہ مِنْ بیانیہ ہے اور مہما کا بیان ہے۔ یعنی جس طرح کا معجزہ لاؤ گے۔

سوال : فرعونی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے پر اعتماد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ تو اسے جادو سے تعبیر کرتے پھر اسے "مِنْ اٰیَۃٍ" کیوں کہا گیا ہے؟

جواب : یہ مخالف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اعتقاد کے مطابق کہا نہ کہ اپنے اعتقاد کے مطابق۔ جیسے مخالف سے گفتگو کا طریقہ ہے کہ اس کے اعتقادیات یا تصوّرات کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے۔
لِتَسْحَرَنَا بِهَا لا تاکہ تم اس کے ذریعے ہماری آنکھوں پر جادو چلا کر انہیں مخمور کر دیں۔ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ بہرحال ہم تمہاری نبوّت کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہی تمہارے اوپر ایمان لائیں گے۔

فارسلنا علیھم ۔ مروی ہے کہ فرعونیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا[1]۔ ید بیضا[2]۔ قحط سالی[3]۔ نقص ثمرات[4] چاروں معجزات دکھائے تو آپ نے دعا مانگی کہ یا اللہ فرعون نے تیری زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور باغی و سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم بھی تیرے معاہدے توڑ چکی ہے۔ اب ایسا معاملہ فرما کہ ان کے لیے عذاب بھیج تاکہ میری قوم کے لیے نصیحت اور آنے والوں کے لیے عبرت ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی تو فرعونیوں کو مندرجہ ذیل امور میں مبتلا فرمایا (چنانچہ فرمایا) ہم نے ان پر بھیجا۔

اَلطُّوْفَانَ ۔ ایسا پانی جو ان کے ہاں پہنچ کر تمام کو محیط ہو گیا۔ بلکہ ان کے مکانات اور کھیتوں کو گھیر لیا۔ آسمان سے سخت بارش ہوئی یا سیلاب کا زور ہوا۔

والجراد (ٹڈی) جسے فارسی میں "ملخ" اردو میں ٹڈی کہتے ہیں۔

ٹڈی کے متعلق تحقیق : حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ جنگلی ٹڈی جب انڈے سے نکلے تو اسے "الدبا" کہا جاتا ہے۔ جب اسے پر رنگ چڑھتا ہے اور بڑی ہو جاتی ہے تو اگر پیلا رنگ اختیار کرے تو وہ نر ہوتا ہے۔ اگر سیاہ رنگ ہو تو وہ مادہ ہوتی ہے۔ اس سن والی کو عربی میں الجراد کہتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ ٹڈیوں کو قتل مت کرو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا بڑا لشکر ہے۔

فائدہ و مسئلہ: اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری کھیتی کا نقصان نہ کریں تو تم بھی انہیں نہ مارو۔ ہاں اگر کھیتی کا نقصان کریں تو انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

اعجوبہ و حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر ایک ٹڈی آکر بیٹھی اس پر عبرانی زبان میں لکھا تھا کہ ہم اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا لشکر ہیں اور ہماری ایک ٹڈی ننانوے انڈے دیتی ہے اگر پورا مکمل نشو ہو جاتا تو ہم تمام دنیا و مافیہا کو کھا جاتے۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ ٹڈی کو ہلاک و تباہ کر دے اور ان کی بڑی بڑی ٹڈیوں کو قتل کر دے اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹڈیوں کو مار دے اور ان کے انڈے خراب کر دے اور مسلمانوں کی کھیتیوں اور ان کی معاش سے انکے منہ بند کر دے۔ تو دعاؤں کو سننے والا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو عرض کی کہ آپ کی دعا بعض ٹڈیوں کے لیے قبول ہو گئی ہے۔

حکایت: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک دسترخوان پر جمع تھے۔ اس پر میرا بھائی محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور میرے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ و قثم و فضل ابنائے عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی موجود تھے اچانک ہمارے دسترخوان پر ایک ٹڈی آپڑی۔ جسے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پکڑ لیا اور مجھ سے پوچھا اس پر کیا لکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر لکھا ہوا ہے "انا اللہ لا الٰہ الا انا رب الجراد و رازقہا الخ (میں اللہ ہوں میرے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں۔ میں ٹڈی کا رب ہوں اگر چاہوں تو زمین پر پھیلا کر اپنی مخلوق کا رزق بناؤں اگر چاہوں تو اسے اپنی مخلوق پر بلا بنا کر بھیجوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ یہی پوشیدہ علوم میں سے ایک ہے۔

اعجوبہ: انسانی غذا میں زیادہ شرارت و فساد ڈالنے کے لحاظ سے ٹڈی سے بڑھ کر اور کوئی جانور نہیں۔

مسئلہ: تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ ٹڈی حلال ہے۔

مسئلہ: ائمہ اربعہ کا فتویٰ ہے کہ ٹڈی کا ہر حال میں کھانا حلال ہے وہ مردہ ہو یا زندہ یعنی خواہ خود بخود مری ہو یا ذبح کرنے سے اسے مسلمان نے شکار کیا ہو یا مجوسی نے اس کی کوئی شئے کاٹ دی ہو۔ اس کی حلت کے عموم پر حضور علیہ السلام کا یہ ارشادِ گرامی دلالت کرتا ہے "ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ دو خون سے جگر اور طحال (تلی)، اور دو مردار سے مچھلی اور ٹڈی مراد ہے۔

طبی چٹکلہ ۱ : جسے سلسل بول ہو وہ جنگلی ٹڈی کی دھونی دے تو آرام ہو جائے گا۔
طبی چٹکلہ ۲ : ابن سینا نے فرمایا کہ استسقاء کی بیماری کے لیے مجرّب ہے کہ بارہ عدد ٹڈی پکڑ کر ان کے سر اور پاؤں کاٹ کر اس میں مُورد خشک (ایک دوائی کا نام ہے) ملا کر پیا جائے تو شفا ہوگی۔

فائدہ : بحری ٹڈی وہ صدف (سیپ) کی ایک قسم ہے وہ عموماً بلاد عرب میں دریا کے ساحل پر پائی جاتی ہے۔ اسے عموماً بھون کر اور پکا کر بھی کھاتے ہیں اور وہ اس کا گوشت (جذام) کوڑھ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(وَالْقُمَّلَ) تفسیر فارسی میں اس کا ترجمہ "ملخ پیادہ" لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کبار القردان مراد ہیں اور قردان قراد کی جمع ہے جسے ترکی زبان میں کنہ کہتے ہیں وہ اونٹ پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ امثال میں کہا جاتا ہے فلان اسمع من قراد۔ فلاں قراد سے بھی زیادہ سنتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اونٹوں کے پاؤں کی آواز ایک دن کے سفر کی مسافت سن کر حرکت میں آجاتا ہے۔ یعنی اس کی آمد کی خوشی سے کہ وہ اس پر مسلّط ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں قمل سے وہ کیڑا مراد ہے جو گندم سے خارج ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں قمل ایک پرندہ ہے جو گندم پر پڑتا ہے جو ٹڈی کے علاوہ ہے۔ اس کا کام ہے کہ وہ گندم کی کچی بالی کو کھا جاتا ہے پھر وہ کھیتی بالی کے بغیر بڑی ہوتی ہے۔

فائدہ : حضرت حسن نے (الفتح القاف وسکون المیم) سے پڑھا ہے اور اس سے وہ جوئیں مراد لی ہیں جو انسان کے بدن اور کپڑوں میں پڑتی ہیں۔

اعجوبہ ۱ : زندہ جوئیں پھینکنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے یعنی جوئیں مار ڈالنی چاہئیں ورنہ نسیان کی بیماری ہوتی ہے

نسیان کی بیماری : کھٹی اشیاء اور چوہے کا پس خوردہ کھانے اور جوئیں زندہ چھوڑنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

اعجوبہ ۲ : عورت کے حمل کو معلوم کرنا چاہیں کہ اس میں لڑکا ہے یا لڑکی تو ایک جوں پکڑ کر کسی کی ہتھیلی پر رکھ کر اس عورت کا دودھ اس پر ڈالا جائے۔ اگر وہ جوں مر جائے تو سمجھو اس کے حمل میں لڑکا ہے۔ اگر زندہ نکل جائے تو سمجھو کہ اس کے حمل میں لڑکی ہے۔

ادرار بول کا بہترین نسخہ : کسی کا پیشاب رک جائے تو اسی کے جسم کی جوں پکڑ کر اس کے ذکر کے سوراخ میں رکھی جائے تو اس کا پیشاب کھل جائے گا۔

فائدہ : جوں انسان کے پسینہ اور جسم کی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے وہ پسینہ اور میل کچیل مراد ہے جو زائد ہو کر جسم سے نکل کر کپڑے اور موٹے کپڑوں اور بالوں کو لگ جائے اور اس سے بدبو پیدا ہو جائے

فائدہ: بعض انسان جُوئی طبیعت ہوتے ہیں۔ اگرچہ صاف ستھرے رہتے ہوں اور جسم پر خوشبو بھی لگاتے ہوں اور بار بار کپڑے بھی بدلتے ہیں تب بھی ان میں جوئیں بہت پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالےٰ عنہما جوئی طبع واقع ہوئے۔ یہاں تک کہ انہیں رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت طلب کرنی پڑی اور آپ نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت بخش دی۔

فائدہ: اگر ان کے لیے ریشم پہننا ضروری نہ ہوتا تو حضور علیہ السلام انہیں کبھی اجازت نہ بخشتے۔ اس لیے کہ ریشمی کپڑے کے استعمال کی سخت مخالفت ہے۔

مسئلہ: جوئیں دفع کرنے کے لیے ریشم کا استعمال جائز اس لیے ہے کہ ریشم میں جوں دفع کرنے کی خاصیت رکھی ہوتی ہے۔

فائدہ: ریشم کا استعمال جوئیں والے کے لیے صرف سفر میں مخصوص نہیں۔ بلکہ حضر میں بھی جائز ہے

فائدہ: جوئیں ٹھنڈی طبیعت رکھتی ہیں اس لیے سردیوں میں زیادہ ہوتی ہیں اور گرمیوں میں نہیں ہوتیں

خصوصیت نبوّت: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھتی اور نہ ہی آپ کے جسم مبارک میں جوئیں پیدا ہوئیں۔

وَالضَّفَادِعُ۔ ضفادع بروزن ضفدع کی جمع ہے لغت کے لحاظ سے یہی زیادہ مشہور اور صحیح تر ہے اس کی مؤنث ضفدعۃ آتی ہے۔ عوام ضفدع کی دال پر (درہم کی طرح) فتح پڑھتے ہیں لیکن خلیل نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کلام عرب میں اس وزن کے صرف چار اسماء آتے ہیں (۱) درہم (۲) ہجدم (۳) ہبلع (۴) بلعم اور یہ بھی ایک اسم ہے اسی لیے یہ ان چاروں سے نہیں فلہٰذا درہم کی طرح بفتح الدال نہ ہوگا۔

مینڈکوں کی اقسام: مینڈک کئی ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا ہوتے ہیں یہ جنگلوں میں بچے دیتے ہیں اور پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے وہ جو نر و مادہ کے جمع ہونے کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ضعیف چلنے والے پانی اور کھڑے پانی میں اور بدبودار پانی اور نیز کثیر اور زور دار بارش سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ بادل سے گرتے ہیں۔ اس لیے بارش اور ہوا کے بعد یہ گھروں کی چھتوں پر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس مٹی کی تاثیر سے ایسے ہی اپنی قدرت کاملہ سے اسی وقت پیدا فرمائے ہیں۔

اعجوبہ: مینڈک ایک ایسا جانور ہے جس میں ہڈی نہیں ہوتی۔ ان میں بعض وہ ہیں جو ٹرٹر کرتے ہیں اور بعض بالکل گونگے ہوتے ہیں اور ٹرٹر کرنے والوں کی آواز بھی کان کے قریب سے نکلتی ہے اور اس میں قوت سامعہ بھی بہت تیز ہوتی ہے لیکن یہ اسوقت ہوتا ہے جب ٹرٹر نہ کریں اور ہوں بھی پانی سے باہر۔

اعجوبہ: جب اس کی نچلی باچھ پانی میں ڈبو دی جائے اور پانی اس کے منہ کے اندر چلا جائے تو ٹرٹر نہیں کرسکتا۔ کسی ایک شاعر نے اس پر ایک عجیب شعر کہا اور خوب کہا۔ اس پر اسے سزا بھگتنی پڑی وہ شعر یہ ہے

قالت الضفدع قولا۔ فسرتہ الحکماء ۔ فی فمی ماء وھل ینطق من فیہ ماء

ترجمہ: مینڈک نے کوئی بات کہی تو حکماء نے اس کی تفسیر کی کہ میرے منہ میں پانی ہے اور جس کے منہ میں پانی ہو وہ کیا بات کرے۔

فائدہ: حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مینڈک سے کوئی زیادہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے والا نہیں۔

فائدہ: زمحشری نے کہا کہ اس کی تسبیح یہ ہے سبحان الملك القدّوس

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات اتنا تسبیح پڑھوں گا کہ اس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کرسکے گا۔ یہ سن کر ایک گوشہ سے مینڈک بولا کہ حضرت جی! خدمت کیجئے مجھے ستر سال ہوئے اللہ تعالےٰ کی تسبیح پڑھ رہا ہوں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی ذکر الٰہی سے میری زبان نہیں رکی اور دس راتوں سے نہ تو میں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ اس لیے کہ نہ ان دو کلمات کے پڑھنے سے فراغت ملی ہے نہ کھا پی سکا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کونسے ہیں۔ عرض کی یہ ہیں " یاسُبحانی بکل لسان و مذکور بکل مکان (اے وہ ذات کہ جس کی ہر زبان میں تسبیح اور ہر مکان میں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں اس سے بلیغ تر ہوتا۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ سے مروی ہے کہ مینڈک کو مت مارو اس لیے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کے لیے منہ میں پانی رکھ کر آتش نمرود پر پانی ڈالا تھا۔

فائدہ: ابن سینا نے کہا کہ جس سال مینڈکوں کی کثرت ہو (عادت سے زائد ہوں) تو سمجھ لو کہ ان کے مرنے کے بعد وبا پھیلے گی۔

خواب کی تعبیر: جو شخص خواب میں مینڈک دیکھے تو اسے پوشیدہ طور کوئی نقصان اٹھانا ہوگا۔ اس

لیے کہ واقعات محمودیہ میں لکھا ہے کہ یہ دراصل اناج بھرنے والا تھا اور اناج کو کم کر کے کھاتا۔ اس نقصان کی وجہ سے تعبیر وہی ہوگی جو مذکور ہوئی۔

خواص مینڈک : (۱) جو عورت چاہے کہ اسے حمل نہ ہو تو وہ بحری مینڈک پکڑ کر اس کا منہ کھول کر اس کے منہ میں اپنی تھوک ڈال دے پھر اس مینڈک کو جلدی سے پانی میں پھینک دے وہ زندگی بھر حاملہ نہیں ہوگی۔

(۲) بال اکھیڑ کر مینڈک کا خون اس جگہ پر مل دیا جائے تو پھر وہاں پر بال نہیں اُگتے۔

(۳) مینڈک کی چربی جس دانت پر رکھ دی جائے تو وہ درد کے بغیر اکھڑ جائے گا۔

حکایت : امام قزوینی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم موصل میں تھے کہ ایک دوست نے باغ لگایا اس میں بیٹھنے کا ایک مکان بنایا اور ساتھ ہی اس کے ایک پانی کا گڑھا کھودا۔ اس گڑھے میں بہت سے مینڈک پیدا ہوگئے۔ لیکن جب وہ جمع ہو کر ٹر ٹر کرتے تو وہاں کے رہنے والے ان کے شور سے پریشان ہو جاتے اور نہ ہی انہیں کسی طرح بھگا سکتے تھے۔ اتفاقاً وہاں ایک آدمی کہیں سے آیا۔ اس نے کہا کہ اس حوض کے اوپر الٹا تھال رکھ دو۔ جونہی انہوں نے اس گڑھے پر الٹا تھال رکھا تو مینڈک ایسے خاموش ہوئے کہ اس کے بعد ان کی کبھی آواز نہ سنی گئی۔

وَالدَّمَ - مروی ہے کہ فرعونیوں پر آٹھ دن مسلسل بارش ہوتی رہی اور وہ آٹھ دن سخت تاریک بھی تھے۔ ان دنوں کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہیں جا سکتا تھا اور اتنی بڑی زوردار بارش تھی کہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئی اور بیٹھنے سونے کا موقعہ نہ ملتا تھا تو وہ کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہونے میں بھی ان کو پانی گلوگیر ہوگیا۔

فائدہ : تراقی ترقوۃ کی جمع ہے وہ ہڈی جو سینہ کے انتہائی حصہ اور کاندھوں کے درمیان واقع ہے سر سے نیچے گردن پر چادر لٹکنے کی جگہ کو ترقوہ کہا جاتا ہے۔

قبطیوں کے عذاب کی تفصیل : اتنی بہت بڑی بارش جہاں فرعونیوں کو غرق کر رہی تھی تو بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ حالانکہ قبطیوں (فرعونیوں) اور بنی اسرائیل کے گھر دیوار بدیوار تھے۔ لیکن پانی بنی اسرائیل پر برستا ہوا کھیتوں۔ باغوں اور جنگلوں میں نکل کر فوراً خشک ہو جاتا۔ سات دن مسلسل جب بارش نے قبطیوں کو ستایا کہ وہ نہ گھروں میں رہنے کے رہے اور نہ کھیتوں میں جا سکتے تھے تو مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دعا مانگئے ہمارے سے یہ عذاب ٹل جائے ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے ان کے لیے دعا مانگی تو ان سے بارش کا عذاب دفع ہوگیا۔ پانی خشک ہوتے ہی زمین سے

بہترین انگوریاں اور گھاس پیدا ہوا۔ جسے دیکھ کر جی خوش ہوتا تھا۔ ایسا خوش منظر کبھی نہ دیکھا گیا۔ قبطی کہنے لگے یہی ہم چاہتے تھے اور ہمارے لیے یہ نعمت نازل ہوئی اور خوش حالی بھی نصیب ہوئی اور ہم اس کے مستحق بھی تھے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احسان کیسا۔ فلہٰذا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے۔

اس طرح سے انہوں نے معاہدہ توڑا اور اس حالتِ کفر پر صرف ایک مہینہ گزرا تو ان پر اللہ تعالےٰ نے ٹڈی بھیج دی اور ان کے سارے کھیتوں کو گھیر لیا اور اتنی کثیر کہ ایک دوسری پر ایک ایک گز تہ بہ تہ تھی اور آتے ہی ان کے تمام کھیت اور باغات اور ان کے جنگلات اور تمام لکڑیاں یہاں تک کہ ان کے گھروں کے دروازے اور چھتیں اور ان کے کپڑے تمام کھا گئیں۔ لیکن بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہے۔

ایک ٹڈی بھی ان کے گھروں میں داخل نہ ہوئی۔ قبطی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے دفیعہ کے لیے استدعا کی۔ آپ نے جنگل میں جاکر ٹڈیوں کو اپنے عصا مبارک سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو تمام ٹڈیاں جہاں سے آئیں واپس لوٹ گئیں حالانکہ سات دن تک قبطیوں کے گھروں کو گھیرا ڈال رکھا تھا لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے ایک بھی باقی نہ رہی۔ قبطیوں نے جونہی دیکھا کہ بعض بعض مقامات پر کھیتی اور گھاس وغیرہ ٹڈیوں کی تباہی سے محفوظ ہیں۔ تو آپس میں مشورہ کیا کہ سال تک ہمارے اور ہمارے جانوراں کے لیے اناج اور گھاس کی کفایت کرے گا۔ سال کے بعد پھر ہم کاروبار کو سنبھال لیں گے فلہٰذا کیا ضرورت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے سر جھکائیں اور ان پر ایمان لائیں۔ یہ طے کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم آپ کو نہیں مانتے۔ ان کی اس سرکشی پر اللہ تعالےٰ نے ان پر جوئیں اور کیڑے اور دیمک بھیج دی۔ انہوں نے آکر قبطیوں کی تمام سبزیاں ہضم کر لیں اور زمین پر پڑا ہوا اناج وغیرہ تمام چٹ کر گئیں ٹڈیاں جو کچھ چھوڑ گئیں تھیں۔ جوئیں نے آکر سب پر ہاتھ صاف کیا۔ بلکہ ان کے پکے ہوئے طعاموں میں اور ان کے کپڑوں اور چمڑوں میں گھس کر انہیں چوستیں بلکہ ڈنگ لگاتیں اور ان کے سر اور ابرو اور بھووں کے بال کھا گئیں ان پر زندگی دوبھر ہوگئی۔ نیند حرام ہوگئی اور قرار کھو بیٹھے ان پر چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور یہ جب سے چھوٹی تا حال ہمارے اوپر مسلّط ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر قبطی گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب سے نجات کی استدعا کی۔

آپ نے اس وقت بھی دعا فرمائی اور ان سے عذاب دفع ہوگیا۔ لیکن بدبختوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اب ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ بہت بڑے جادوگر ہیں اور تمہارے رب کا معاملہ عجیب ہے کہ اس نے ہماری کھیتی تباہ و برباد کر ڈالی اور ہمارے اناج ضائع کر دیے۔ اب تم جو چاہو کر لو ہم کسی قیمت پر تمہارے اوپر

ایمان نہیں لاتے اللہ تعالےٰ نے اس کی سرکشی پر مینڈک بھیج دیے۔ یہاں تک کہ ان کے پہنے ہوئے کپڑوں اور پکائے طعاموں میں مینڈک ہی مینڈک پھیل گئے۔ بلکہ ان کے بستروں اور پکتی ہوئی ہانڈیوں میں مینڈک اچھلتے کودتے نظر آتے اور جب کلام کرتے تو ان کے منہ سے مینڈک نکل آتے۔ مینڈکوں کی بہت زیادہ ٹرٹر کرنے سے ایک دوسرے کی بات سن سمجھ نہیں سکتے تھے۔ جب انہیں مارتے تو گندگی کا انبار لگ جاتا کہ جہاں انہیں بیٹھنے کے لیے ایک اِنچ بھی جگہ نہ ملتی۔ اس سے گھبرا کر حضرت موسٰی علیہ السلام سے عجز و الحاح کی۔ آپ نے اب بھی ان کے لیے دعا فرمائی تو انہیں اس عذاب سے نجات ملی کہ ایک ایسی تیز ہوا چلی جس نے مینڈکوں کو اٹھا کر دریا میں پھینک مارا لیکن انَ بدبختوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے معاہدہ توڑ دیا پھر اللہ تعالےٰ نے ان پر خون کی بارش برسادی کہ ان کے پانی یہاں تک کہ کنوئیں اور نہریں اور چشمے خون آلود ہو گئے اور عذاب اتنا واضح کہ بنی اسرائیل اور قبطی ایک برتن سے پانی پیتے تو بنی اسرائیل کی جانب سے بہترین پانی لیکن قبطی کی جانب سے خون ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل کے منہ سے قبطی پانی چوستا تو وہ بھی قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔

؎ قوم موسٰی شو بخور ایں آب را   صلح کن با من ببیں مہتاب را

حضرت موسٰی علیہ السلام کی قوم ہو کر یہ پانی پی میرے ساتھ صلح کر پھر مہتاب نظر آئے گا۔

فرعون کی حالتِ زار : فرعون کو جب پیاس نے ستایا تو اس کے لیے جنگلوں سے درختوں کے پتے توڑ کر لائے جاتے جنہیں نچوڑا جاتا۔ لیکن جب فرعون پینے کا ارادہ کرتا تو وہ خالص خون ہوتا یا نہایت کڑوا۔ اسی طرح سات دن تک قبطیوں نے نہ کھایا نہ پیا۔ اگر کچھ پیٹ کی آگ بجھاتے تو وہ بھی خون ہی خون ہوتا۔ فرعون نے کہا اے حضرت موسٰی علیہ السلام یقین کیجئے مجھے تمہارے معبود کی قسم اب اگر آپ نے ہمارے سے عذاب ٹال دیا تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے دعا کی تو وہی پانی میٹھا اور لذیذ بن گیا۔ لیکن فرعون اور اس کے ساتھی کفر پر پہلے کی طرح ڈٹ گئے یہاں تک کہ دریا میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔ •

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ یہ (اَرْسَلْنَا) کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ہم نے ان پر مذکورہ بالا اشیاء کو بھیجا درآنحالیکہ وہ ایسی واضح آیات وعلامات تھیں کہ جس کے سمجھنے پر کسی عاقل کو کسی قسم کا اشکال نہیں تھا اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ تعالےٰ کی آیات اور اس کا عذاب ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا مفصلات بمعنے متفرقات و مفصلات ہے اس لیے کہ وہ ایک زمانہ کی مہلت کے بعد دوسری کا وقوع ہوتا تھا۔ تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو کر کیا وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں یا مخالفت وعناد پر بدستور سرکش رہتے ہیں۔ ان میں ہر

ایک کو ایک ماہ کے بعد نازل کیا جاتا اور ہر ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتی۔

فَاسْتَكْبَرُوْا۔ اس کے بعد پھر بھی وہ متکبر رہے اور ایمان سے نفرت اختیار کی۔

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ۔ اور وہ مجرم قوم تھی۔ یعنی کفر میں ایسے سرکش کہ باوجود آیات کے ظہور اور مسلسل عذاب میں مبتلا رہنے کے ایمان نہ لائے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ۔ اور جب عذاب مذکور یعنی طوفان وغیرہ بطور سزا کے ان پر نازل ہوا۔ قَالُوْا۔ تو ہر بار کہا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ۔ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے ہمارے لیے دعا کیجئے۔ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کی باء اُدْعُ کا صلہ اور ما مصدریہ ہے اور اس عہد سے نبوّت مراد ہے۔ یعنی دعا کیجئے تاکہ ہم سے عذاب وغیرہ ٹل جائے اور معاہدہ کا وسیلہ پیش کرو۔ جس کا تمہارے ساتھ رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے یعنی نبوّت کا وسیلہ اس لیے نبوّت کے حقوق اور اس کے مقتضیٰ سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی امّت کے مصائب و شدائد کو دفع کرنے کے لیے نبوّت کو وسیلہ بنائیں۔

فائدہ : نبوّت کو عہد سے تعبیر کرنے میں مبالغہ ہے۔ بایں معنی کہ جب اللہ تعالےٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو نبوّت عطا فرمائی تو گویا اس پر ایک بوجھ ڈالا کہ جس سے وہ اپنے رب تعالےٰ کے پیغامات پہنچائیں اور وہ اس کے صلہ میں ان کی ہر مشکل کے وقت دعا مستجاب فرمائے۔ یہاں عہد بمعنے معہود ہے۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ وہ وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا ہے وہ یہی کہ جب تم دعا مانگو گے وہ قبول کرے گا۔ اس معنے پر یہ ما موصولہ ہے اور اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جو دعا مانگنے والا اپنی طلب حاجت کے وقت اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کرے اور اس معنے پر بھی باء اُدْعُ کا صلہ ہوگی۔

لَئِنْ كَشَفْتَ۔ البتہ اگر وہ ٹال دیں گے عَنَّا الرِّجْزَ۔ ہمارے سے وہ جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے عذاب لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ تو البتہ ضرور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کے آبائی وطن یعنی بیت المقدس جانے کے لیے اجازت دیں گے) اور انہیں اپنی خدمات سے آزاد کر دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ پس جس وقت ہم نے ان سے عذاب کو ایک مدت تک چھوڑ رکھا۔ یعنی اس مدت تک کہ جس کے عذاب میں مبتلا ہو کر فنا و برباد ہوئے یعنی پانی میں ڈوب کر مرجانے تک اِلٰٓى اَجَلٍ كَشَفْنَا سے متعلق ہے اور هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ اجل کی صفت

ہے۔ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ یہ لما کا جواب ہے یعنی ہم نے انہیں نجات دی تو وہ اچانک تامّل و توقف کے بغیر وعدہ توڑنے پہ آ گئے۔

نکث فارسی میں بمعنے عہد شکستن (وعدہ توڑنا) ہے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ۔ یہ فاء انتقام وعذاب کے عہد شکنی کی سببیت کے لیے ہے اور انتقام سے یہاں نتیجہ مراد ہے۔ یعنی تباہی وبربادی اسی طرح غضب سے بھی یہی مراد ہے اس لیے کہ ان کا حقیقی معنے اللہ تعالےٰ کے لیے مراد لینا محال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ برائی کی سزا برائی سے دینے کو مجازاً انتقام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: انتقام اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیوں ہے حالانکہ یہ کام تو انبیاء واولیاء کا ہے۔

جواب: چونکہ انبیاء و اولیاء فانی فی اللہ و باقی باللہ ہوتے ہیں ان کا مطمح نظر سوائے ذاتِ حق کے اور کچھ نہیں ہوتا اسی لیے اللہ تعالےٰ ان کی جانب سے یہ کام سرانجام دیتا ہے کہ ان کے دشمنوں کو بدلہ کے طور عذاب میں مبتلا کرتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا جبکہ وہ معاصی وجرائم میں مبتلا ہوئے۔ اس معنے پر فَاَغْرَقْنٰهُمْ انتقام کا عین ہے یعنی لفظ دو ہیں معنے ان کا ایک ہے۔

سوال: اگر یہ انتقام کا ہم معنی ہے تو پھر اس پر فاء کا دخول کیوں؟

جواب (۱): لفظاً عین نہیں بلکہ معنیً ہے اور معنیً بھی بایں طور ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ ایسے لوگوں کا انتقام اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے غیر منفک نہیں ہوتا۔

جواب (۲): یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مطلق انتقام مراد ہو۔ اس معنے پر فاء تفسیریہ ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ونادی نوح ربہ فقال رب الخ

فِی الْیَمِّ۔ ایسے دریا میں کہ جس کی گہرائی کا ادراک ناممکن ہو یا یم سے مراد دریا کی بہت بڑی گہرائی مراد ہے اہلِ عرب (لُجَّۃُ الْبَحْرِ) دریا کی بہت بڑی گہرائی کو کہتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ یم عبرانی لغت میں دریا کو کہا جاتا ہے اور عبرانی یہودیوں کی لغت ہے۔

فرعون کے غرق ہونے کا بیان

تفسیر فارسی میں ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر دریائے قلزم میں غرق ہوا اور دریائے قلزم مصر کے نزدیک ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے جائیں اس سے قبل بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے زیور عاریتاً لے رکھے تھے۔ ان سے کہا کہ ہم نے ایک (عید) خوشی میں شمولیت کرنی ہے۔ انہوں نے انہیں اپنے زیور دے دیئے اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو مصر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو رات کے پہلے حصے میں لے کر چلے تھے۔ اس وقت بنو اسرائیل (مرد و عورت اور بچے ملا کر) کل میزان چھ ہزار تھے۔

فرعون کو معلوم ہوا تو ایک لاکھ دو ہزار لشکر لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالیا۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا لشکر دریا میں پہنچ چکے تھے اور دریا میں عصا مبارک مارا تو اس میں بارہ سڑکیں بن گئیں (اس لیے کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے)، ہر قبیلہ دریا کی اپنی سڑک پر گزرا۔ فرعون اور اس کا لشکر انہی راستوں سے دریا میں داخل ہوئے جہاں سے بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ دریا کے درمیان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تو جوش میں آکر اس نے فرعون اور اس کے تمام لشکر کو ڈبو دیا۔

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، اور ان سے وہ غافل تھے)، یہ غرق ہونے کی تعلیل ہے یعنی انہیں اس لیے غرق کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے معجزوں کی تکذیب کی اور ان سے روگردانی کر کے ان میں پورے طور غور و فکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان معجزات سے گویا غافلوں جیسے ہو گئے۔

فائدہ: اگرچہ فاء کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اغراق نکث عہد کے بعد ہو لیکن تعلیل کی تصریح سے ثابت ہوا کہ اس سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان سب کا دار و مدار آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب اور ان سے روگردانی پر ہے تاکہ سامعین کے لیے زجر و توبیخ ہو کہ تم بھی اگر حضور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے آیات و معجزات کا انکار یا اعراض کرو گے تو تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ (اور ہم نے انہیں وراثت بخشی ایسی قوم کی)، اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور اَلْقَوْمَ اَوْرَثْنَا کا مفعولِ اول ہے كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ جنہیں قبطیوں نے کمزور کر ڈالا تھا اور ان پر جبر و تشدد اور قہر و استبداد کرتے یعنی ان کے لڑکوں کو ذبح کر کے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ کر ان سے خدمت کرا کر اور خود انہیں اپنے نوکر اور غلام بنا کر ذلیل کرتے۔

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ یہ اَوْرَثْنَا کا مفعول ثانی ہے اس سے شام کا ملک مراد ہے۔ یعنی اس علاقہ کے مشارق و مغارب۔ یعنی شرقی و غربی جہات کا انہیں وارث بنایا۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کے بعد اس ملک پر بنو اسرائیل کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کے مستقل طور مالک بن گئے۔

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ ایسا کہ ہم نے ان میں برکتیں نازل فرمائیں کہ وہ ملک خوشحال بن گیا اور بنی اسرائیل کو رزق

کی فراوانی نصیب ہوئی۔ یہ جملہ مشارق و مغارب کی صفت ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى۔ اور تیرے رب تعالےٰ کا اچھا کلمہ مکمل ہو گیا۔

فائدہ: کلمہ سے یہاں اللہ تعالےٰ کا ان سے فتح ونصرت کا وعدہ مراد ہے جو انہیں اللہ تعالےٰ نے ملک شام پر قبضہ بخشا۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا " ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون و ھامان وجنودھا و منھم ما کانوا یحذرون " اور اس سے قبل کا ارشاد کہ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمہ ونجعلھم الوارثین " اور کلمہ کے اتمام سے اپنے وعدہ کا ایفاء اور اس کی تکمیل مراد ہے اس لیے کہ شئے کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مکمل کرنے والے سے وقوع پذیر ہو از بان سے یا لکھنے سے اور عیان و خارج ہیں، اتمام وتکمیل کا یہی مقصد ہے کہ وہ شئے واقع ہو جائے۔

علی بنی اسرائیل بما صبروا۔ (بنی اسرائیل بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا) یعنی ان شدائد و مصائب پر صبر کرنے کا صلہ ہے جو انہیں فرعون اور اس کی قوم سے پہنچے۔ وَدَمَّرْنَا۔ (اور ہم نے خراب و برباد اور ہلاک کر ڈالا)

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ (وہ جو فرعون اور اس کی قوم کرتی تھی) یعنی فرعون اور اس کی قوم کی تعمیرات اور ان کی بلڈنگیں اور مکانات و محلات یعنی ہم نے فرعون کی تمام عمارتیں ڈھادیں۔

(ترکیب) فرعون کان کا اسم اور یصنع اس کی خبر اسم پر مقدم ہے اور یہ تمام جملہ ناقصہ ماموصولہ کا صلہ ہے اور اس میں عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی " ودمرنا الذی کان یصنع فرعون وما کانوا اور وہ تھے یعرشون بلند کرتے یعنی ان کے باغات انگوروں کے یا کھجوروں کے اور درخت وغیرہ۔

فائدہ: زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ عرش کے انگوروں اور درختوں کے اوپر کے حصے (جو چھت نما ہوتے ہیں) مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ عزیز وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ عزت دے اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ ذلیل کرے اور جو شخص بھی مصائب و شدائد میں اللہ تعالےٰ کی رضا میں صبر کرے تو اسے ضرور عزت نصیب ہوگی ورنہ انجام بخیر تو نصیب ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وعدہ پورا کر کے دکھایا کہ انہیں مشارق و مغارب کی سلطنتیں قبضہ میں دیدیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بھی سورہ نور میں وعدہ بخشا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

فائدہ اَلْاَرْضِ سے عرب و عجم کے کفار کی زمین اور اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے بنو اسرائیل مراد ہیں۔

مختارِ کل نبی علیہ السلام ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹا تو میں نے تمام مشارق و مغارب کا معائنہ فرمایا۔ یاد رکھو کہ میری اُمّت کی ملکیت مملکت وہاں تک محیط ہو گی جہاں تک میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا (مشکوٰۃ شریف وغیرہ)۔

② ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اس تمام زمین کو جمع کر کے میرے سامنے رکھا (اس سے شبِ معراج کے علاوہ کوئی دوسرا وقت مراد ہے بہرحال) میں نے مشارق و مغارب کی تمام زمین کے گوشے گوشے کو دیکھا۔ پھر وعدہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کو اس تمام روئے زمین سے بھر دے گا اور وہ اس دھرتی کو عدل سے پُر کر دیں گے۔ جیسے اس سے قبل وہ دھرتی جور و ستم سے پُر ہو جائے گی اور مؤمنین کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے گا (یہ اس صورت میں ہے جب الارض کی الف و لام کو استغراق پر محمول کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ الف لام عہد خارجی کی ہے جیسے کہا جاتا ہے اغلق الباب۔ جبکہ اس سے مخصوص دروازہ مراد ہو اور اس میں مِنْ تبلیغیہ ہے۔

فائدہ اس سے یہ ضروری نہیں کہ زمین کا چپہ چپہ مراد ہو اور نہ ہی آپ کی اُمت کا زمین کے چپے چپے کا مالک ہونا ضروری ہے۔

اعجوبہ زمین کے جس ٹکڑے پر حضور علیہ السلام کی نگاہ کرم ہوئی کہ وہ دارالاسلام ہوئی اور جو زمین آپ سے محجوب رہی وہ دارالکفر ٹھہری۔ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اسی سے کرم و نعمت اور اسی کی طرف رجوع اور اچھا انجام ہے۔ وَاللّٰهُ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال و منه الکرم والنوال والیه الرجوع والمآل۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے عبور کرایا۔ فاعل بمعنے فعل یعنے جاوز بمعنے جاز ہے۔ ایسے ہی اہل عرب کہتے ہیں جاوز الوادی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس اس وادی کو طے کر جائے۔ ایسے ہی کہتے ہیں جاوزہ بغیرہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی اس دریا کو عبور کر لے۔ یہاں پر با تعدیہ کی ہے جیسے ہمزہ اور تشدید بھی تعدیہ کے لئے ہوتے ہیں اس تقریر پر اب آیت کا معنے ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرایا۔ یعنی جاوزنا بمعنے اجزنا یا جوزنا ہے اس کا معنیٰ فارسی میں بگذرانیدیم (ہم نے عبور کرایا) اور اس سے دریائے قلزم مراد ہے لیکن جس نے اس سے دریائے نیل مراد لی

ہے اس سے غلطی ہوئی۔ قاموس میں ہے قلزم بروزن قنفد ایک شہر کا نام ہے جو مصر و مکہ کے درمیان کوہ طور کے قریب واقع ہے۔ اس کی طرف بحر کی اضافت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے بحر القلزم اس لئے کہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس لئے کہ وہ دریا اتنا زوردار ہے کہ جو بھی اس سے گذرے تو وہ اُسے لقمہ بنالیتا ہے قلزمتہ سے ماخوذ ہے بمعنی الابتلاع یعنی نگلنا۔

فائدہ مروی ہے کہ اس دریا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عاشورہ کے دن عبور فرمایا اسی لئے اس دن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لئے روزہ رکھا۔

فَاَتَوْا پس آئے یعنی گذرے۔ **عَلٰی قَوْمٍ** (ایک قوم سے) اس سے کنعان کے عمالقہ مراد ہیں جن کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے جنگ کا حکم فرمایا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ لخم قوم تھی (وہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے) اور بعض اُن میں جاہلیت کے دور میں بادشاہ بھی تھے۔ زمخشری نے کہا کہ وہ مصر کا قبیلہ تھا۔

یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ اپنے بتوں کے اِردگرد بیٹھے تھے یعنی ان کی عبادت پر مواظبت و مداومت رکھتے تھے۔

حل لغات العکوف تاج المصادر میں ہے کہ کسی شے کے گرداگرد پھرنا یا کسی جگہ مقیم ہونا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عکفای جلسہ اور عکف علیہ یعنی فلاں شئے پر مواظبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا اس قوم کا حال دیکھ کر کہنے لگے۔ **یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا** اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی مجسمے بنایئے تاکہ ہم اُن کی پرستش کریں **كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ** جیسے ان کے معبودوں کے مجسمے ہیں اور وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کاف کا متعلق محذوف ہے جو اِلٰهًا کی صفت ہے اور ما موصولہ ہے اور لہم اس کا صلہ ہے اور آلہتہ ما سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی اجعل لنا آلہا کائنا کالذی استقرولہم الخ اس تقریر پر عائد محذوف ماننا پڑے گا۔

فائدہ اس قوم کے بت گائے کی شکل کے تھے۔ یہی واقعہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا پیش خیمہ بنا۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ؀ فرمایا تم جاہل قوم ہو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مطلق جہالت سے کیوں موصوف فرمایا؟ (اس لئے کہ تجہلون کا مفعول مذکور نہیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں فعل متعدی کا مفعول محذوف ہو وہاں مطلق مراد ہوتا ہے)۔

جواب اُن کی شان سے بعید تھا باوجودیکہ وہ بہت بڑے معجزات اور آیات مفصّلات کا مشاہدہ کر چکے تھے لیکن پھر بھی غیر دانشمندانہ سوال کر دیا۔ اسی لئے وہ مطلق جہالت کی صفت سے موصوف ہونے کے لائق ہوئے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ باب تفعیل کا مفعول ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تبّرہ تتبیراً ای کسرہ واہلکہ یعنی اس شے

کو توڑ کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ متبرہ بمعنے متکسر و مہلک یعنی بے شک وہ قوم جو مجسموں کی پرستش کر رہے ہیں اُن کا حال بربادی کا ہے۔ مَّا هُمْ فِيهِ جسمیں وہ ہیں یعنی جس دین باطل کے مطابق ہو کر جو کچھ کر رہے ہیں اُنکو وہ ایسا دین ہے جسے اللہ تعالیٰ عنقریب تباہ و برباد کر دے گا۔ اور اُن کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے بلکہ ملیا میٹ کر دے گا مَا هُمْ فِيهِ متبرؔ کے ان کی خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ماھم فیہ متبرؔ کا فاعل ہو اس لئے کہ متبرؔ کا معتمد علیہ یعنی مسند اللہ موجود ہے اسی لئے وہ اب اپنے فعل کا عمل کرے گا وَبَاطِلٌ اور نرا باطل ہے۔ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وہ عمل یعنی وہ جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی پرستش تقرب الی اللہ کے ارادہ پر ہے لیکن چونکہ بلا اجازت شرعیہ ہے اسی لئے یہ تقرب وسیلہ بھی کفر ہے[1]

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَغَيْرَ اللّٰهِ کیا عبادت کے غیر مستحق کو اَبْغِيكُمْ یہاں لام محذوف ہے دراصل "ابغی لکم" تھا۔ تمہارے لئے تلاش کروں اِلٰهًا معبود یہ لفظ غیر سے تمیز یا حال ہے اور وہ غیر ابغی کا مفعول ہے۔ اور یہ ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی وہ شے جو اللہ تعالیٰ کا غیر ہے وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازا۔ جو تمہارے سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ یعنی مذکورہ آیات باہرہ معجزات شریفہ صرف تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت ہوئے تمہارے سے پہلے کسی ایک کو ایسے آیات مفصلات نصیب نہیں ہوئے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس سے ان کے ہمزمان قبطی مراد ہے۔ اس لئے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل قبطیوں کے نوکر تھے اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے جیسی انہیں تنبیہہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے بعد شکر گذاری کے بجائے برائی کا مظاہرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ٹھہرایا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا استحقاق ذلیل ترین مخلوق کے لئے ظاہر کیا بلکہ ذلیل ترین مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرایا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخواں حیفست

دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگند

ترجمہ: تُو تو ہُما ہے تو کتنا عالی قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ تو ہڈیوں کا حریص ہے تجھ پر افسوس کہ تو نے اپنی عالی ہمتی نا اہل کو دیدی ہے۔

---

[1] اس سے انبیاء و اولیاء کو تقرب الی اللہ یعنی وسیلہ سمجھنا کا عقیدہ صحیح ٹھہرا اس لئے کہ انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا اجازت شرلعیت محمدیہ ہے علی الصاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

سبق اس شخص پر بڑا افسوس ہے کہ جو نا قدر شناس ہے اور اپنی عالی ہمتی کا تعلق نا اہل سے وابستہ کرتا ہے۔

خلق را نیست سیرت پدراں

ہمہ برسیرت زمانہ روند

ترجمہ: خلق خدا کی سیرت باپ کی وراثت نہیں ہر ایک اپنی سیرت پر چلتا ہے۔

ربط اب نجات پانے اور اس کے متعلقات نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور اے بنی اسرائیلو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی وہ کرم نوازی جو تمہارے ساتھ کی گئی وہ یہ کہ تمہیں فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی و بربادی سے پوری پوری نجات بخشی۔

ربط اب بتایا جاتا ہے کہ اُن کو کس مصیبت سے نجات بخشی گئی وہ یہ کہ

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں سخت ترین اور نہایت ہی ہولناک مصائب میں دوچار کرتے تھے یہ سأ السلعۃ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب سامان کی طلب کی جائے۔ اس جملہ سے بدل بنا کر اس کی مزید تشریح فرمائی کہ **يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ** وہ تمہارے بچوں کو ذبح کرتے۔ **وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ** اور تمہاری بیٹیوں کو خدمت کے ارادہ پر باقی رکھتے۔ **وَفِيْ ذٰلِكُمْ** اور اس نجات دینے اور بری سزائیں **بَلَآءٌ** نعمت یا محنت (آزمائش) ہے اس لئے کہ لفظ "بَلَآءٌ" ہر دونوں معنوں پر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ**) **مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے امور کے مالک سے اس لئے کہ نعمت و محنت ہر دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ **عَظِيْمٌ** ایسی بڑی کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ (انجاء اور عاشورہ کے فضائل کا بیان سورہ لقرہ میں گذرا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں بنی اسرائیل سے قلب کے صفات اور نفس سے قالب اور اس کے صفات مراد ہیں اور بحر سے دنیا اور فرعون سے نفس مراد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ قلب و قالب اور اس کے صفات کے عذاب میں مبتلا تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں (نفس) اور دنیا سے نجات بخشی تو ان کا ایک قوم پر گذر ہوا ایسا قوم سے صفات رُوح مُراد ہیں جو کہ وہ اپنے بتوں کی پرستش میں سرمست تھیں یہاں بتوں سے معانی معقولہ و معارف روحانیہ مراد ہیں تو انہوں نے انہیں بہتر اور اعلیٰ سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا یعنی صفات روح نے عالم ارواح عقبہ پر اقامت کا پروگرام بنانے کا ارادہ کیا تو موسیٰ کو کہا۔ یہاں پر موسیٰ سے وہ وارد ربانی مراد ہے جس نے انہیں بحر دنیا سے عبور کرایا۔ **يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ** اس میں اشارہ ہے کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا کہ اسی کے فضل و کرم سے قدم عبودیت وصدق طلب پر ثابت قدم رکھ کر مقصد اعلیٰ تک

پہنچانا ہے، تو بندہ نفائس عقلی توڑ سے قسمت خسائس دنیا کی طرف جھک جانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خطاب فرماکر اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ٥ (اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف تھوڑے سے جھک جاتے)۔ تو موسیٰ یعنی وارد ربانی نے ان صفات روحانیہ کی طرف جھکتا دیکھ کر فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ٥ تم اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں اُن کی عنایات بے غایات کا علم ہے اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ بے شک یہ صفات روح مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ سراسر تباہی ہے وہ جو اس میں ہیں فیہ کی ضمیر کا مرجع رُکون وعکوف ہے۔ یعنی صفات کا صرف معانی معقولہ و معارف روحانیہ کے معلومات کی طرف جھکنا اور انہیں پہ مداومت کا پروگرام بنانا رُوح کے لئے سراسر تباہی بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ سب باطل اور ضائع ہے قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ کہا کیا تمہیں ایسی منزل پر اُتاروں جو وصال و وصول سے تعلق نہیں رکھتا۔ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمیع حیوانات وجنّات اور ملائکہ پر فضیلت بخشی ہے وہ اس طرح کہ انسان حب جسمانیات اور روحانیات کو عبور کر کے معارف وحقائق الٰہیہ تک پہنچ جائے وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نفس اور اُس کی صفات سے نجات بخشی يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں بُعد وفراق کے بہت بڑے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ اور تمہارے اعمال صالحہ کو باطل کرتے بایں طور کہ اعمال صالحہ قلب سے متولد ہوتے ہیں۔ لیکن نفس اور اس کے صفات ریا وعجب نفسانی و دیگر خرابیوں کو قلب پر مسلّط کر کے تمام اعمال صالحہ ضائع کر دیتے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور باقی رکھتے نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات بایں طور کہ قلب سے جو عمل صالح صادر ہوتا ہے وہ سمعۃ وعجب سے ملوث ہوتا تاکہ نفس اور اُس کے صفات کی خدمت ہوتی رہے وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ٥ اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش یا نعمت ہے یعنی نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات کی خدمت کرنے میں بایں طور کہ قلب اور اُس کے صفات کے تمام صالحہ میں ریا و سمعۃ ہو تاکہ نفس کو منافع دنیوی کے حصول میں حظ وافر نصیب ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمہیں نفس اور اس کے صفات کی قیود سے نجات بخشی تاکہ تم غیر اللہ کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مبتلا نہ ہو اور نہ ہی صرف روحانیات اور معقولات کی طرف جھکو۔ اُن خرابیوں سے بچ جاؤ گے تو تمہیں مراتبِ وصول اور درجاتِ وصال نصیب ہوں گے (التاویلات النجمیہ)۔

صُوفیانہ چٹکلے ① وصالِ حق کی پہلی منزل نفس کو یکلخت چھوڑ دینا ہے اسی طرح وصالِ حق سے محرومی منزل نفس کو اوّلیت کا درجہ دینا ہے۔

(۲) درجاتِ قرب کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نفس کے تمام شواہد مٹا کر حق کو جگہ دی جائے ۔

(۳) دلالت الی اللہ کی طلب کی کوئی انتہا نہیں ۔

(۴) یہ اصول مسلم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہتا ہے اسے ضرور اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا۔ اس گھڑی کا اگرچہ تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن جب نصیب ہوتا ہے تو پھر آنکھ جھپکنے سے بھی پیشتر۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

غرض زمسجد و میخانہ ام وصال شماست

جز ایں خیال ندارم خدا گواہ منست

ترجمہ: مجھے مسجد اور میخانہ سے تیرا وصال مقصود ہے میری اس غرض کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے ۔

ایک صوفی کی آپ بیتی

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا اپنی پوری زیبائش و آرائش سے دکھائی گئی لیکن میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر مجھے عقبیٰ اور حور و قصور اور اُن کے حسین و رنگین نقوش سامنے لائے گئے لیکن میں نے بے رغبتی دکھائی تو آواز آئی اگر تو دنیا کو پسند کر لیتا تو تجھے عقبیٰ کی نعمتوں سے محروم رکھا جاتا پھر اگر تُو عقبیٰ کو دیکھ کر مست ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب رہتا۔ اب ہم نے تیرے حجابات ہٹا لئے ہیں دونوں جہانوں میں ہم تیرے تو ہمارا۔

حضرت بایزید بسطامی کی کہانی

حضرت احمد بن حضرویہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ رب العزۃ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے احمد سارے لوگ مجھ سے دنیا و آخرت کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن صرف بایزید کو میری طلب ہے ۔

حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ

نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں سفید کاغذ ہے میں نے پوچھا حضرت اسے کیا کرو گے فرمایا کہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کے دوستوں (محبوں) کے نام درج کروں گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے عرض کی تو اس فقیر کا نام ان سب کے نیچے لکھ دینا۔ غیب سے ندا آئی کہ اے جبریل ابراہیم کا نام سب سے اوپر لکھ دیجئے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ
رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ
فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى
لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۗ قَالَ
لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ
تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى
صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○
وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ
دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ○ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ع

ترجمہ: اور ہم نے موسٰی سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا اور موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا اور جب موسٰی ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسٰی گرا بے ہوش پھر جب ہوش ہوا بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں فرمایا اے موسٰی میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو اور ہم نے اس کے لئے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور فرمایا اے موسٰی اسے مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں عنقریب میں تمہیں دکھا دوں گا بے حکموں کا گھر اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں اس میں چلنا پسند نہ کریں اور اگر گمراہی کا راستہ نظر پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے بے فکر بنے اور جنہوں نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو جھٹلایا ان سب کا کیا دھرا اکارت گیا انہیں کیا بدلے ملے گا مگر وہی جو کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ وَٰعَدۡنَا کسی نفع کے پہنچنے سے پہلے خبر دینے کا نام وَعۡدٌ ہے یعنی ہم نے وعدہ کیا **مُوسٰى** موسٰی علیہ السلام سے یہ عجمی اسم ہے اس کا کوئی اشتقاق نہیں یا یہ موسَی الحدید سے مشتق ہے اس کا وزن مفعل ہے اَوۡسَيۡتُ لاسَنَر یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر منڈائے یا اس کا وزن فعلیٰ ہے ماس یماسُ اس کا اصل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص چلنے میں نازو نزاکت کا مظاہرہ کرے اور موسٰی (سر مونڈنے کا استرہ) کو اس لئے موسٰی کہتے ہیں کہ وہ سر مونڈتے وقت سر پر چلتا پھرتا رہتا ہے۔ ثَلَٰثِينَ لَيۡلَةً تیس شبا روز کا۔

سوال آیت میں تو لفظ لیلۃ ہے تم نے دنوں کو کیسے شامل کر لیا؟

جواب چونکہ اہل عرب کے مہینوں کا دارومدار رُویت ہلال پر ہے اور وہ رات کو نظر آتا ہے بنا بریں آیت میں لیلۃً کا لفظ بول کر مطلق شب و روز مراد لیا گیا ہے اور ثَلَٰثِينَ وَٰعَدۡنَا کا مفعول ثانی ہے اس سے پہلے مضاف محذوف ہے وہ لفظ تمام ہو یا مکث۔

سوال ابن الشیخ نے فرمایا کہ موعود کا ایفاء واعد (وعدہ کرنے والے) سے ہوتا ہے اور یہاں یہ معنٰے اللہ تعالٰی کے لئے صحیح نہیں ہو سکتا؟

جواب یہ مفاعد یعنی واعدنا اپنے معنیٰ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کا ایفاء کا یہ معنے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں کوہِ طور پر ٹھہر کر تیس روزے مکمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں موعودہ کتاب تورات عنایت فرمائے گا اور موسیٰ علیہ السلام سے ایفائے عہد کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ یہاں ٹھہر کر کوہِ طور پر تشریف لا کر روزے مکمل فرمائیں۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ واعدنا بمعنے وعدنا نہیں بلکہ (اپنے حقیقی (مفاعلہ) معنیٰ پر ہے جبکہ اس کی یہ تاویل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صراحتًہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ضمنًا ہے جس پر اُن کا اس حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا دلالت کرتا ہے۔

وَاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ اور ہم نے ان تیس دنوں کو دس سے مکمل کیا۔ یعنی ان تیس دنوں پر ہم نے دس دن اور بڑھا دیئے۔ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ پس اس کے رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت مکمل ہوا۔

وقت اور میقات میں فرق میقات ہر اُس وقت کا نام ہے کہ مقرر کردہ وقت میں کوئی عمل بجالایا جائے اور وقت وہ ہے جس میں کسی شئے کا وقوع ہو۔ اس وقوع کے لئے مقدر کرنے والا فعل کو مقدر کرے یا نہ۔

اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ۚ یہ میقات ربہ سے حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت چالیس راتوں میں مکمل ہوا۔ بعض نے کہا کہ اربعین لیلۃ تمّ کا مفعول ہے اور وہ بمعنے بلغ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پہ قیام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعدہ دے رکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین فرعون وغیرہ کو تباہ و برباد کرے گا تو اس کے بعد انہیں ایک کتاب منجانب اللہ نصیب ہوگی جس میں اُن کی زندگی کا دستور العمل ہوگا کہ کونسے اُمور سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور کن اُمور سے وہ ناراض ہوتا ہے جب فرعون اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہوگیا تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ لائیے اپنے رب تعالیٰ سے کتاب موعود۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیس روزے رکھئے ماہ ذی قعدہ شریف کی پہلی تاریخ سے تا آخر شب و روز کا روزہ تھا۔ اس کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوا اور وحی بھیجنے اور نبوت کی تکمیل بات فرمائی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن اور راتیں کھانا پینا بند رکھ کر ان تمام روزوں کو مکمل فرمالیا۔

سوال ان تیس دن اور راتوں میں انہیں بھوک نے نہ ستایا ہوگا یا ستایا تو صبر سے کام لیا کہ کبھی بھی کھانے کا نام تک نہ لیا لیکن جب خضر علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے تھے تو وہاں دوپہر تک صبر نہ کر سکے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ آتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا لائیے ہمارے ہاں صبح کا کھانا کہ ہم

اس سفر میں خوب تھک گئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب خضر علیہ السلام کے ہاں سفر میں تھے وہ بھی امتحان وابتلاءٌ وتادیب کا سفر تھا اور صحبت بھی ایک مخلوق کی تھی کہ صرف آدھے دن میں بھوک سے نڈھال ہو گئے خلاصہ یہ کہ وہاں بلاءٌ وابتلا کے علاوہ مخلوق کی صحبت میں تھے جس میں بھوک کا تصور سامنے رہا اور یہاں کوہ طور کی حاضری دیدار الٰہی کے شوق کے لئے تھی اور ذاتِ حق کی قربت وصحبت کی ہیئت بھی شامل تھی جس سے بھوک کا تصور ذہن سے اتر گیا۔ بلکہ یوں کہو کہ ان وجوہ کی بدولت انہیں کھانے پینے کی حاجت ہی نہ رہی[1]

دس راتوں کے اضافہ کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تیس شب و روز کھانا پینا چھوڑا اور اب وعدۂ وصل نزدیک ہوا تو شوق دیدار سے متوجہ الی اللہ ہوئے تو اپنے مُنہ سے بو محسوس فرمائی اور خیال فرمایا کہ اس حالت سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ناموزوں ہے چونکہ اس وقت ان کے مُنہ سے اس طرح بو محسوس ہوئی جیسے عموماً روزہ دار کو افطار سے پہلے محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اسی حالت میں خرنوب (ایک قسم کا درخت ہے) کی لکڑی سے مسواک فرمایا اور زمین سے کوئی سبز پتہ لے کر چبایا تاکہ منہ کی مکروہ بُو خوشبو سے تبدیل ہو۔ آپ کی اس کاروائی کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے آپ سے فرمایا کہ ہم آپ کے مُنہ مبارک سے مُشک سے خوشبو سونگھتے تھے لیکن آپ نے اسے مسواک سے ضائع کر دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزے دار کے منہ کی خوشبو مجھے مشک سے بھی زیادہ مرغوب ہے تو پھر تم نے مسواک کیوں کیا۔ اس حکمت کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حالت میں شام کے وقت مسواک کرنا کراہت کا فتویٰ دیا۔ اس لئے کہ مسواک روزہ سے پیدا شدہ بو کو ختم کرتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پھر حکم نازل فرمایا کہ دس دن ذوالحج شریف کے اور روزے رکھئے تاکہ انہیں روزوں سے مُنہ کی بُو واپس لوٹے پھر ہم کلامی کا شرف نصیب ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ذوالحج شریف کے دس دن مکمل فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دسویں دن کو ہمکلامی اور وحی سے نوازا (کذا قال اہل التفسیر)۔

سوال ہمکلامی اور وحی دسویں ذوالحج مقرر ہو تو پھر چالیس دن مکمل نہیں ٹھہرتے۔ اس لئے کہ دسویں ذوالحج کا روزہ شرعاً مکروہ ہے؟

جواب ① یہ تکمیل راتوں کے لحاظ سے ہے کہ دسویں شب کے اختتام تک روزہ مکمل کر کے دن کو شرع کے قانون پر روزہ نہ رکھا ہو۔

---

[1] جیسے یوسف علیہ السلام کی زیارت سے بھوک ختم ہو جاتی اور یہاں تو خود ذاتِ حق ہے۔

جواب ② دسویں کا روزہ کی مالغت ہماری شریعت میں ہوا اور اُن کی شریعت میں مشروع ہو۔ مؤخرالذکر جواب فقیر (صاحب روح البیان) کی رائے ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حاضری کا حکم دیا تو فرمایا کہ اپنی قوم کے دانشمندوں اور برادری کے سرداروں کو ساتھ لائیں تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر جو عنایات ہوں اُن کی اپنی برادری کو گواہی کے طور بیان کریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اُن کا انتخاب کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بناکر کوہِ طور روانہ ہوئے کَمَا قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ھٰارُوْنَ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے روانگی سے پہلے فرمایا (تفسیر الحدادی)۔

اور لفظ ہارون اخیہ کا عطفِ بیان پر ہے اُخْلُفْنِیْ میرا خلیفہ اور میرا قائم مقام رہ فِیْ قَوْمِیْ میری قوم میں اور اُن کے اوامر و نواہی پر انکی نگہداشت فرما وَ اَصْلِحْ اور اُن کے امور کی اصلاح فرمایئے جو قابل اصلاح ہوا اور اُن کے ساتھ وہ طریقہ اختیار فرمایئے جس میں اُن کا نقصان نہ ہو۔ بلکہ جن اُموریں تمہیں اپنا جانشین بناکر جا رہا ہوں اُن کو ثابت رکھنے یعنی ایمان اور اخلاص عبادت کی انہیں تلقین فرماتے رہیئے وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔ یعنی انہیں جو فساد پر مجبور کرے یا اس کی دعوت دے تو آپ اس کی اتباع نہ کرنا۔

سوال یہ قبل از وقت واویلا کے مترادف ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح کریں گے؟

جواب قطع نظر نبوت کی فراست کے آپ اپنی قوم کا تجربہ کر چکے تھے کہ مخالفت کے عادی ہیں بنابریں اتنا شدید تاکید فرمائیں۔

سوال ہارون علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شریک تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ۔ جب وہ بھی نبوت میں شریک تھے تو پھر انہیں اپنا خلیفہ بنانے کا کیا معنیٰ۔

جواب ① ایک امر کے دو مامور اپنے کسی امر میں منفرد نہیں ہو سکتے جبتک کہ ایک دوسرے سے متفق نہ ہوں اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اُخْلُفْنِیْ۔

جواب ② موسیٰ علیہ السلام اور نبوت میں اصل اور ہارون علیہ السلام اُن کے تابع اور معاون تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے اس طرح عرض کی "فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ یُصَدِّقُنِیْ اسے میرا مددی بناکر بھیج جو میری تصدیق کرے اسی لئے مناجات کے لئے بھی انہیں مخصوص فرمایا اور عطیہ الواح کے لئے بھی انہیں۔

جواب ③ موسیٰ علیہ السلام پر اس قسم کا اعتراض وہ کرے گا جسے شانِ کلیمی سے بے بہرگی ہے ورنہ ظاہر

ہے کہ فرعون کے پاس جانے کے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ اے اللہ العٰلمین فرعون کے پاس جانے سے انکار نہیں لیکن میرے ساتھ ہارون علیہ السلام کو بھی میرا شریک کار بنا دے اب جبکہ مناجات کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو بھی یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنے بھائی سے کہتے ہیں کہ آپ بجائے میرے ساتھ چلنے کے قوم کی نگہبانی کیجئے۔ اس آخری بات پر معترض کو اعتراض سوجھا اسے یہ نظر نہ آیا کہ یہ جملہ اُمور موسیٰ علیہ السلام جیسے پیارے اور ذو قدر نبی علیہ السلام اپنی مرضی سے نہیں کر رہے بلکہ تمام اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ اُن کے قلوبِ پُر واردات والہامات کا ورُود ہوتا ہے اور وہ از خود نہیں بناتے بلکہ ان کا ہر فعل اور قول امرِ الٰہی سے ہوتا ہے جسے یہ قول مسلم ہے اسے موسیٰ علیہ السلام کا مبنی بر صواب معلوم ہوگا اور اُن کے یہ دونوں معاملے مطابق وموافق محسوس ہوں گے بلکہ اہلِ تحقیق کے نزدیک تو سرے سے یہ اعتراض ہی لغو ہے کیونکہ نبوت کا معاملہ ہے۔

جواب ④ مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام درجات و کمالات پر ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ انہیں مناجات کے لئے بلایا جا رہا ہے تو پھر انہیں دیدار سے بھی منع کیا جا رہا ہے اسی طرح ہارون علیہ السلام کو ایک وقت نبوّت کا شریک کار بنایا گیا تو دوسرے وقت انہیں مناجات کی حاضری سے روکا گیا۔ یہ اعتراض موسیٰ علیہ السلام پر نہیں بلکہ ذات حق پر ہونا چاہیئے۔ وَهُوَ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

جواب ⑤ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے شریک کار تھے تو اُمور ظاہرہ میں امور باطنہ میں اُن کی شرکت کی بات نہیں اور ظاہر ہے کہ اُمور ظاہرہ کی شرکت امور باطنہ کی مقتضی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ارفع واعلیٰ اور جامع شریعت وطریقت تھے اگر انہیں مناجات کے لئے مخصوص کیا گیا یہ ایک باطنی امر ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی نگرانی سپرد ہوئی وہ ظاہری امر ہے انہیں اپنے مقام کی حیثیت بخشی گئی اور اپنی حیثیت کا مقام بخشا گیا۔ سچ ہے لِكُلِّ مقام رِجَالاً ہر مقام کے لئے اہل ہوتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رموز مصلحت ملک خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظ مخروش

ترجمہ: مصلحت کے رموز بادشاہ جانتے ہیں اے حافظ تو تو ایک گدا گوشہ نشین تجھے کیا خبر فلہٰذا چپ رہ۔

خلافت محمدی وخلافت موسوی کا فرق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین بھائی کو بنایا تو صرف دس دنوں میں تمام قوم گمراہ ہو گئی۔ لیکن ہمارے نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال شریف کے وقت اپنی اُمت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا تو صدیاں گذر جانے کے باوجود اُمتِ محمدیہ گمراہی سے محفوظ ہے۔

اشہر الحرام کے فضائل ذیقعدہ و ذوالحجہ دونوں ماہ اشہر الحرام سے ہیں اُن کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان دونوں مہینوں میں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر انہی مہینوں کو ان کی حاجات کی قبولیت اور مناجات کا مرکز بنایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اشہر الحرام کا ایک روزہ ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہے اور غیر اشہر الحرام کا ایک روزہ دس روزوں کے مساوی ہے۔

حدیث شریف جو شخص اشہر الحرام کے خمیس اور جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھتا ہے تو اُسے نوسو سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام زمانوں میں اشہر الحرام کے ایام محبوب تر ہیں۔

فائدہ ذوقعدہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ کے احترام کے پیشِ نظر اس ماہ میں اہل عرب ایک دوسرے کی جنگ سے بیٹھ جاتے تھے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اس ماہ میں ظاہری روزوں کی پابندی کرے اور باطنی طور پر اپنے ہر امر پر نگاہ رکھے کہ کہیں غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے اس لئے کہ سالک کی روح کو وصال کی تمنا اور رؤیت جمال کا اشتیاق ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دیدار کے لئے حقیقی وعدہ تو چالیس دنوں کا تھا لیکن سالک کی بشریت کے ضعف کے پیشِ نظر تیس دنوں کا وعدہ دیا جاتا ہے پھر نفس کی شرارت سے بچانے کے لئے بھی۔ پہلے تیس روزوں کا اظہار فرمایا تاکہ چالیس دنوں کو بہت زیادہ تیا کر نفس کو غالب ہونے کا موقعہ بھی نہ دیا۔

نکتہ چالیسویں عدد کو انبیائے علیہ السلام کے لئے استماعِ کلام کا استحقاق بتایا گیا ہے جیسا کہ چلہ کشیوں سے اولیائے کے قلوب سے حکمت کے چشمے ابلتے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت کی تو اس کے دل کی حکمتوں کے چشموں کا اظہار زبان سے ہوگا۔

نکتہ عارفین فرماتے ہیں کہ چار کے عدد میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ مثلاً عرش کے چار پائے ہیں تو عناصر بھی چار ہیں۔ اسی طرح ارکان بھی چار اور موسیٰ علیہ السلام کے اشاری چار ہیں۔ یہی راز ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور نفخ روح کا فاصلہ چار جمعات تھا۔ شکلوں میں بھی سورۃ تربیع اثر انداز ہوتی ہے وہ اعداد احاد ہوں یا

یا اعشار دہ مآت ہوں یا مألوف یعنے سو عدد والے یا ہزار والے ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین سرایا کے عدد چار سو ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر و متعین کردہ کے مطابق حاضر ہوئے یعنی وہ وقت انہیں بتا دیا گیا یعنی چالیسویں یوم مکمل کر کے حاضر ہوئے یعنی اُن کا آنا ہمارے مقرر کردہ میعاد سے مخصوص تھا ۔ یہ لام اَتَيْتُهٗ لِعَشْرٍ خَلُوْنَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ کی طرح اختصاص کی ہے اور یہ لام بمعنے عند نہیں اور میقات بمعنے وقت ہے میقات اور وقت کا فرق ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں ۔

سوال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ہمکلامی کا تعین جبل فوق العلی اور تحت الثریٰ (اگرچہ ان سب سے ایک مراد ہے) کے لئے کیوں کیا حالانکہ وہ توجہات سے منزہ ہے ؟

جواب چونکہ جبل میں ایسے اوصاف ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلام کا اور دیدار کے لئے اپنے جمال کا تعلق اور عرض امانت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر مبارک اور موسیٰ علیہ السلام کی مناجات جبال سے متعلق فرمائی اور وہ اوصاف یہ ہیں ۔

(۱) تثبت ۔
(۲) تمکن ۔
(۳) تفرد ۔
(۴) علو ۔

انہی وجوہ سے جب زمین کو استقرار نہیں ہوتا تھا تو پہاڑوں سے اسے مستقر فرمایا کہ پہاڑوں کی میخیں اس پر گاڑ دیں ۔ ویسے قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقامات کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے ۔

فائدہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔ خیر الجماعۃ جماعۃ الارواح (ارواح کی جماعت تمام جماعتوں سے افضل ہے) اور اُن کا اجتماع بھی پہاڑوں اور ویرانوں میں ہوتا ہے اُن کے اجتماع کی علامت یہ ہے کہ وہاں نہ سردیوں میں کھیتی ہو سکتی ہے اور نہ گرمیوں میں ۔ بلکہ وہ جگہ بظاہر بے رونق سی معلوم ہوتی ہے[۱] ۔ چنانچہ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم بھی پہاڑ کے اس گوشہ میں اس لئے

---

[۱] حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی فرمائی ہے ؎

اتھاں درد منداں دے دیرے
جتھاں لوئی کرڑ کنڈا ڈھیرے

درد مندوں کی قیام گاہ وہاں ہوتی ہے جہاں ویرانوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ (مفہوم) اویسی غفرلہٗ

حاضری دیتے ہیں کہ یہاں پر ارواح کا اجتماع ہوتا ہے فقیر(صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس گوشہ سے پہاڑ کا ایک کونہ مراد ہے اور وہ کونہ شہر بروسہ کے پہاڑ میں عوام میں مشہور ہے ۔ بفضلہٖ تعالیٰ مجھے بھی اس مقام مقدس کی زیارت اور حضرت آفندی بروسی کے مزار کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور ان کا مزار مبارک قلعہ کے اندر واقع ہے ۔

کلیم اللہ کی ہمکلامی کا خوش منظر

حضرت وہب نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لائے تو ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے تو علیہ السلام نے غسل فرمایا اور کپڑے بھی صاف کئے اس کے بعد تاریکی چھا گئی ۔ یہاں تک کہ سات فرسخ تک تاریکی تیار کی تھی ۔ اتنی مسافت تک شیاطین کو دور رکھا گیا اور موذی جانور بھی اس کے اندر نہیں جا سکتے تھے آپ کی نگرانی ملائکہ کرام کر رہے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آسمان میں کھڑے ہیں ۔ آپ نے عرش کو بھی دیکھا اور قضاؤ قدر کے فرشتوں کے قلم کی آواز بھی سنی ۔

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ اور بلا کیف گفتگو فرمائی جیسے ملائکہ کرام سے بلا واسطہ اور بلا کیف کلام فرماتا ہے اگرچہ جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے مگر وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سن سکے وہ کلام صرف موسیٰ علیہ السلام نے سنا اس لئے انہیں کلیم کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام (سوائے ہمارے حضور علیہ السلام کے) اور عوام بشر کو خصوصیت نصیب نہ ہوئی یہ شرف صرف موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا اس لئے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف بواسطہ کتاب یا وسیلہ ملائکہ نصیب ہوا ۔

سوال موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ۔

جواب ۱ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھے تو اُن کی سانس نہیں ٹوٹتی تھی جیسے عام مخلوق سے کلام کرتے کرتے وقت سانس کھینچنا پڑتا ہے بلکہ وہ کلام غیر منقطع طور و جدانی سے تھا اور وہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ اُن کی حالت بمنزلہ آلہ کے ہے جیسے صانع اپنے آلہ کو چلاتا ہے اور وہ آلہ اس صانع کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے چلائے اس لئے کہ آلہ کسی کام کو از خود نہیں کر سکتا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں ۔

جواب ۲ موسیٰ علیہ السلام کو یوں یقین ہوا کہ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کلام مخلوق کی نہیں اس لئے کہ وہ کلام شش جہات سے سنائی دیتا تھا اور وہ سننے کے لئے بھی کانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ تمام جوارح سامع ہوگئے چنانچہ اُن کے تمام جسم کو شنوائی کا شرف نصیب ہو رہا تھا اور اس کلام سے جسم کا ذرّہ ذرہ لذّت پا رہا تھا جیسے لذیذ کلام سے صرف کان محظوظ ہوتا ہے ۔ ایسے ہی اس کلام سے تمام جسم کا رونگٹا رونگٹا محظوظ ہو رہا تھا ۔

عقیدہ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا۔ کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے۔ جو حروف و اصوات کے جنس سے نہیں پھر جبکہ اس کی ذات کا دیدار قیامت میں جائز ہے حالانکہ وہ نہ جسم ہے نہ عرض تو پھر اس کا کلام کیونکر جائز نہ ہو۔ حل الرموز میں ہے کہ آخرت میں مومن سارے کا سارا منہ اور آنکھ اور کان محض ہو جائے گا کہ ہر جہت سے اپنی ہر جہت کے ساتھ اور ہر جہت پر دیکھے سُنے گا اس کے لئے کوئی خصوصی جہت نہیں ہوگی پھر جب حق کا مشاہدہ کرے گا تو اس کا ہر جہت سے مشاہدہ ہوگا اس وقت کوئی مخصوص جہت نہ ہوگی۔ ان جہات کو نہ سمع حاجب ہوگی نہ بصر۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ کنت سمعہ وبصرہٗ الخ

ولی کامل کی شان مذکورہ بالا تقریر قیامت میں عوام بہشتیوں کی ہے اور وہ ان کو آخرت میں یہ اوصاف نصیب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ولی کامل کو دنیا میں نصیب ہو جاتے ہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مُوتوا قبل اَنْ تَمُوْتُوْا۔ یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ اور فرمایا حاسِبُوْا قبل ان تحاسِبُوْ محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ ہو۔

ازالہ توہم مذکورہ بالا قاعدہ (یعنی عوام بہشتیوں کو جو کچھ آخرت میں نصیب ہوگا وہی ولی اللہ کو دنیا میں نصیب ہوتا ہے)۔ کا انکار یا اس پر اعتراض اُسے ہے جسے اولیاء اللہ سے ضد اور عناد ہو ورنہ اُن کا اعتراض کیسا۔ سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمع کے حاسہ کو سننے کے ادراک کے لئے پیدا فرمایا لیکن اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایک حاسہ سے دوسرے حاسہ کا کام لے اور متکلمین نے اپنے فن میں اس قاعدہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اسے عقل بھی مانتی ہے کہ ہر ادراک کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں حواس کی تاثیر کو کسی قسم کا دخل نہیں بنابریں جائز ہے کہ وہ کریم باصرہ کی حاسہ میں اصوات کا ادراک پیدا فرما دے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ قادر کریم کی قدرت سے بعید نہیں کہ انسان کے تمام اعضا میں تمام حواس کا ادراک پیدا فرما دے اور یہی حق بات ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام کے لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں مخصوص فرمایا؟

جواب تمام انبیاء علیہم السلام سے موسیٰ علیہ السلام کے بہت بڑے زبردست دشمن تھے مثلاً فرعون ہامان۔ قارون یہود بلکہ خود ان کی اپنی برادری سخت بے ادب اور گستاخ طبع اور ہٹ دھرم اور ضدی قوم تھی اس لئے بطور انعام ان سے بلا واسطہ کلام کی خصوصیت فرمائی۔ اور یہود کی اُن سے دشمنی حد سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے کہ بار بار معجزات دیکھنے کے باوجود انکار پہ ڈٹے رہے ورنہ جنہیں عقل سلیم نصیب تھی۔ انہوں نے پہلی بار عصا کا معجزہ دیکھتے ہی اسلام قبول کر لیا فرعون کے جادوگروں نے مذکورہ بالا دشمنوں کی دشمنی کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا۔

اعدائے محمدی و اعدائے موسوی کا موازنہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعداً کی اشدیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اعداً کے لئے ہے ورنہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداً تمام انبیاً علیہم السلام یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعدا سے بھی سخت تر تھے چنانچہ فرعون کتنا کرش تھا لیکن مرتے وقت ایمان قبول کر لیا (اگرچہ اس کا ایمان نامقبول ہوا) لیکن ابوجہل مرتے وقت بھی عداوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بلند قدری وعلو ہمتی کتنا ارفع و اعلیٰ ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ کو شب معراج بلاوسیلہ مکالمہ اور رویت نصیب ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار کلمات سے مشرف ہوئے اور یہ سلسلہ تین دن جاری رہا اور وہ کلمات وصایا پر مشتمل تھے (کذا فی الوسیط)

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ چالیس دن جاری رہا (واللہ اعلم) لیکن یاد رہے کہ یہ چالیس یوم پہلے چالیس ایام کے علاوہ تھے ان چالیس دنوں میں وحی وتعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے مشائخ سے یہ حکایت پہنچی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بہار تھے تو ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہونے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ابلیس سے ایک فرشتہ نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے اب بھی تجھے بہکانے کا موقعہ میسّر آئے گا اس نے کہا میں نے اس کے باپ کو بہشت میں بہکا لیا یہ تو بہشت سے باہر ہیں تو پھر میرے لئے کون سا مشکل ہے۔

حکایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے سرشار ہو رہے تھے تو زمین میں غوطہ لگا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگیا اور کہا تم خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو رہے ہو تمہیں کیا معلوم کہ جس سے تم کلام کر رہے ہو وہ شیطان ہو۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ حکایت مذکور کو مذکورہ بالا قول ٹھکراتا ہے یعنی یہ حکایت غلط ٹھہرتی ہے جبکہ پہلے بیان ہو چکا کہ سات فرسخ کوہ طور سے شیطان کو دور رکھا گیا جب وہ مسلّم ہے تو اب اس کا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پہنچ جانا کیسے صحیح ہے اس لئے کہ شیطان کا تسلط اہل ملک پر تو ممکن ہے لیکن اہل ملکوت میں اس کا تسلط کیسا اور پھر عین حضور ذات قدوس میں اس سے وہ وہم دور ہو گیا کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں کیسے بہکا لیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کا بہشت میں ہونا اہل ملکوت کی حیثیت سے نہیں تھا اور نہ ہی کوہ طور کی حاضری کی طرح عین حضور ذات خداوندی میں تھے۔

سوال سورہ حج میں ہے کہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ ولا نبیٍ الا اذا تمنیٰ القی الشیطان" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام شیطان کی حرکت میں مبتلا ہو جاتا ہے بالخصوص تلاوتِ کلام کے وقت

اور موسیٰ علیہ السلام کی مناجات بھی تلاوت جیسی تھی؟

جواب تلاوت ظاہری اور مناجات باطنی ہیں بہت بڑا فرق ہے مناجات باطنی ایک خصوصی راز و نیاز ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فیہ ملک مقرب ولا نبیٌّ مُرْسَلٌ جب خصوصی راز و نیاز میں ملک مقرب اور نبی مُرسل کے لئے بھی حاضری کی گنجائش نہیں تو پھر ابلیس لعین کی رسائی کیسی وہ راندۂ درگاہ ہے یہی جواب گویا الہامی طور میرے ذہن میں اُترا۔ جسے میں نے تفسیر ہذا میں قلمبند کر دیا ہے واللّٰہ اعلم حقیقۃ الحال۔

ربط ۱ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ ہوئے تو انہیں شوق دیدار غالب ہوا اور سمجھا کہ جس ذاتِ حق کے کلام میں اتنی لذت ہے تو پھر اس کے دیدار میں کتنا سُرور ہوگا اس لئے دیدار کی آرزو کی۔

ربط ۲ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی بہتر مرتبہ پر کامیاب ہو جاتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس سے اور بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرے اسی فطرت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ہمکلامی سے مشرف ہوئے تو انہیں شوق ہوا کہ اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ یعنی دیدار سے بھی سرشار ہوں۔ بنا بریں کہا ربِّ اَرِنِیْ۔

ربط ۳ تفسیر فارسی میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلام حق سے محظوظ ہوئے تو پھر انہیں ایسی محویت اور استغراق دامنگیر ہوا کہ اب اُن کے خیال سے بھی یہ بات اُتر گئی کہ وہ اس وقت دنیا میں ہیں یا فردوس اعلیٰ میں اس لئے عرض کر دیا۔

رَبِّ اَرِنِیْ اے میرے رب مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمایئے۔

اَنْظُرْ اِلَیْکَ تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ یہاں نظر بمعنے رؤیۃ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے اندر دیدار کی طاقت پیدا فرمائے پھر وہ دیدار سے سرشار ہوں اس طرح سے توشیٔ کا غایۃ لنفسہٖ لازم آتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنیٰ یوں ہوگا مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تمہیں دیکھوں۔ یہ معنیٰ فاسد ہے بلکہ اس سے مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیدار کی قوت عطا فرمائے اور دیدار کی قوت عطا فرمانا ذاتِ حق کے دیدار کا سبب ہے۔

خلاصہ یہ کہ سبب بولکر مسبب عنہ مراد لیا گیا ہے اسی لئے فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) نے اَرِنِیْ کو مکنّی مِن رؤیتک سے تعبیر فرمایا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہا تو آپ کے درمیانی حجابات اُٹھے تو انہیں ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اُنْظُرْ دیکھ۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احرام باندھ کر تکبیر پڑھتے ہوئے یہی عرض کر رہے

ہیں آرِنِی ، آرِنِی ۔

فائدہ جیسے اجسام اغذا سے نشوونما پاتے ہیں ایسے ہی احوال اوقات کی صفائی روشن و متجلّی ہوتے ہیں۔ چنانچہ برتنوں کو جتنا صاف اور ستھرا رکھا جائے تو اتنا ان کے اندر کی اشیاء روشن نظر آتی ہیں بنا بریں اجسام کو حلال غذائیں دی جاتی ہیں ایسی ہی ارواح کی طاعات سے تربیت کی جاتی ہے جس کی دل کی روشنی مٹ جاتے اور ہمت کے ارادے بے کار ہو جائیں تو اُسے کیا نصیب ہوگا۔ ان لوگوں کی منازل کی طرف بڑھنا چاہیئے جن کی دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور جن کے مخفی اسرار جذبہ غیب سے فیضیاب ہیں۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ اپنی حد سے بڑھ کر بڑے بڑے دعوے نہ کرے۔ ہر وقت اپنے اوپر کڑی نگرانی رکھے اور اس تصور میں رہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال کو خوب جانتا ہے یہ تصور اسے بہت بڑی منزلیں طے کرادے گا۔ اپنے آپ کو معمولی سے معمولی خیال کرے اور اپنے اندر آداب و اخلاق اکابر کے پیدا کرے۔ مثلاً دیکھئے حضرت موسٰی علیہ السلام جب ابتدائی منزل میں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خصوصی تربیت سے نوازتا تھا تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوئے۔ چنانچہ ان کا ابتدائی حال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ رَبِّ انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر جب تکمیل کو پہنچے تو انہیں ابتدائی منازل والی باتوں سے سیر نہ ہوئی بلکہ یوں کہہ دیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط۔

مسئلہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے سوال سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ رویۃ باری تعالیٰ فی الدنیا جائز" ورنہ اس کا ہرگز سوال نہ کرتے اس لئے کہ جواز بالا یجوز علی اللہ کفر ہے (التیسیر)

فائدہ حضرت شیخ کبیر صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فص داؤدی کے اختتام کی شرح میں لکھا ہے" ہر وہ شے جو عوام کے لئے متعذر ہو وہ خواص کے لئے غیر متعذر ہوتی ہے یہ ان کے کمال قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ ہی یہ محال ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ انہیں کسی فعل سے روک دے تو وہ اس قاعدے سے خارج ہے اور وہ اس روکنے پر بقصد نہیں ہوتے بلکہ سر تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ اسے عوام میں وہ محال کا اظہار کرتے ہیں مثلاً موسٰی علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مخصوص انداز میں دیدار کی التجا کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرمایا تو موسٰی علیہ السلام نے سر تسلیم خم کر کے اپنا سوال واپس لے لیا۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے لَنْ تَرٰنِیْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔

سوال یہاں پر لَنْ تَنْظُرُ اِلَیّ کیوں نہ فرمایا جبکہ سوال کے الفاظ کے جواب کا تقاضا ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے سوال میں کہا انظر الیک ؟

جواب موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف نظر نہیں بلکہ انہیں رؤیت مطلوب تھی۔ سوال کے الفاظ کا جواب دینا ملحوظ نہیں بلکہ اس کے حقیقی معنے کا لحاظ مدنظر تھا۔

رؤیۃ و نظر میں فرق رویت اس دیکھنے کو کہا جاتا ہے جس میں کنہ کا ادراک بھی شامل ہو اور نظر شے کو صرف آنکھوں سے دیکھ لینے کو کہتے ہیں اس میں ادراک ہو یا نہ ہو بلکہ لبا اوقات ادراک نہ ہو تب بھی نظر کا مفہوم حاصل ہو جاتا ہے بخلاف رؤیۃ کے کہ اسے ادراک لازمی اور ضروری ہے۔

تفسیر فارسی میں ہے لَنۡ تَرٰىنِیۡ یعنی تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے اس لئے کہ ہم نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص بھی مجھے دنیا میں دیکھے گا وہ شخص مر جائے گا۔

فائدہ تفسیر مدارک میں اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ مجھے دنیا کی فانی آنکھ سے نہیں البتہ میری مہربانی اور لطف و کرم سے بقا کی آنکھ سے دیکھو گے۔

نکتہ صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اَرِنِیۡ کے بجائے لَنۡ تَرٰىنِیۡ کے مقابلہ جو بلند مرتبہ میں تھے اس لئے کہ اَرِنِیۡ میں اپنی تمنا لئے ہوتے تھے۔ لَنۡ تَرٰىنِیۡ میں رعنائے حق سے سر تسلیم خم تھے یہ مقام اول سے بلند و بالا تر ہے۔

لَنۡ تَرٰىنِیۡ می رسد از طور موسیٰ را جواب

ہر چہ آں از دوست آید سر بند کردن متاب

ترجمہ: طور سے موسیٰ علیہ السلام کو لَنۡ تَرَانِیۡ کا جواب ملتا (اس سے انہیں پریشانی نہیں ہوتی تھی) اس لئے کہ جو بھی دوست سے جواب ملے اس سے سر اور گردن نہیں پھیرنی چاہیئے۔

مسئلہ اس سے اہلسنت کی تائید ہوئی کہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں جائز ہے اس لئے "لَنۡ تَرٰىنِیۡ" فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لَنۡ اُرٰی نہیں کہ میں نہیں دیدار کراتا یعنی اگر رؤیت باری تعالیٰ ممتنع ہوتی تو فرمایا جاتا کہ وہ ذات نہیں دیکھی جا سکتی اور نہ ہی عدم رؤیت بتائی جاتی اس لئے کہ علت اس کی بتائی جاتی ہے ممکن ہو اور جو ممتنع ہو اس کی علت کے بیان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ طالب دیدار میں رؤیت دیدار کی استعداد نہیں اور دیدار کا حصول استعداد پر موقوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں استعداد کی نفی ہے نہ کہ رؤیت کی۔ اور استعداد کی نفی سے رؤیت کا جواز ثابت نہ کہ امتناع۔ اس لئے کہ ان میں حصول رؤیت سے مانع کا انکا اپنا حجاب ہے جو ابھی ان سے نہ اٹھ سکا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اکثر اہل تفسیر کی یہ رائے ہے لیکن اس کا یہ کہنا نا موزوں ہے کہ ان کی یہ کیفیت ابتدائی تھی ان کی یہ کیفیت ابتدائی نہیں بلکہ بالائی تھی یعنی ان کا کوہ طور پر تشریف لے جانے کا وہی مقام ہے جو شب معراج حضور نبی

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تھا اور آپ کے اس مقام کو کوئی بھی ابتدائی مرتبہ نہیں کہہ سکتے بلکہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ کا یہ بالائی مرتبہ تھا اور تحقیق سے بھی بعید از قیاس ہے کہ ایک بلند مرتبہ نبی علیہ السلام کے لئے یہ مانا جائے کہ وہ بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے تھے۔ مشائخ کرام اور علمائے محققین کے دامن سے وابستگاں تو ماننے کے لئے تیار نہیں البتہ جو اُن کی تقلید سے محروم ہو وہ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔

نکتہ معراج اور تقریر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ کامل (قدس سرہٗ) سے لَنْ تَرَانِیْ کی تفسیر کے متعلق اہل تفاسیر کے حوالہ جات پیش کر کے تحقیق چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ سے مطلق رویت کا انکار نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنی بشریت اور اپنے وجود کو مدِ نظر رکھ کر مجھے نہیں دیکھ سکتے اس لئے کہ بشریت میرے دیدار کے لئے حجاب ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال بشریت کو مدِ نظر رکھ کر کیا تھا اور آپ نے وجود کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوا تھا اور یہ قاعدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بشریت و وجود کو رؤیت کے منافی ہے البتہ دیدار کا حصول اس وقت ہوتا ہے جبکہ بشریت و انائیت مٹ جائے اور فنائیت کلی نصیب ہو۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ شبِ معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ لازمۂ بشریت ہے۔

جواب ① وہ محبوب ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محبوبوں سے قواعد مستثنیٰ ہوتے ہیں اور ان پر دوسروں کا قیاس نہیں جاتا۔

جواب ② آپ سے سِرّ و روح سے جسم کے رنگ میں دیدار کیا تھا وہاں اس جسم کی حیثیت سے نہیں آپ نے اس جسم کے متعلقات کو عبور فرمایا یعنی آپ عالم اجسام کے تمام علائق سے متجاوز ہو کر عالم ارواح کو عبور فرماتے ہوئے عالم امر تک پہنچ چکے تھے۔

سوال تم نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے بصیرۃ کی نگاہ سے دیکھا پھر اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اس میں تو تمام انبیاء و اولیا علی نبینا علیہم السلام مشترک ہیں جبکہ فنا کلی انہیں بھی ہوتی ہے۔ بنابریں موسیٰ و سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا فرق رہا پھر وہاں لَنْ تَرَانِیْ اور یہاں اُدْنُ مِنِّیْ نیز اس معنے پر آپ کی خصوصیت ما فوق العروش کے عروج بھی غیر ممتاز ٹھہرتی ہے اس لئے کہ وہ رؤیت بھی تمام علیۃ جمعیۃ کی حیثیت سے تھی نہ کہ مقام غیریت فرقہ قالبیۃ کی حیثیت سے؟

جواب امرِ رؤیت اگرچہ انسلاخ عن الاکوان مطلقاً کا محتاج ہے لیکن قلب قالب سے بھی بالکل فارغ ہو جانا صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام اگرچہ

اپنے اقوال سے فارغ ہونے لیکن عالم عناصر میں موجود ہوتے ہیں بخلاف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ عالم عناصر و عالم طبیعت اسی طرح عالم قلب و قالب سے تجاوز کرنا صرف آپ کا خاصہ ہے اس سے واضح ہوگیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا الانبیا و امام المرسلین علی نبینا وعلیہم السلام کا کیسا امتیازی شان ہے کہ وہاں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی رسائی نصیب نہیں۔ !

فائدہ میرے اور میرے شیخ کریم کی یہ باہمی گفتگو اور سوال وجواب ایک مخصوص مجلس میں تھی۔ لیکن اجازت عام تھی کسی کو وہاں حاضری سے ممانعت نہیں تھی وہاں جہاں اپنوں کو حاضری کی اجازت تھی لیکن یہ گفتگو آپ کے علم کے بحر ذخار سے ایک قطرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام احباب (اہلسنت) کو اُن کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے ہم سب سرشار رہوں۔

نکتہ حضرت شیخ طریقت یعنی سلسلہ جلوتیہ (الفتح الجیم) مرجع طریقت الشہیر باقادہ البردسی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جیسے انسان کی دو آنکھیں ظاہری ہیں ایسے ہی اُس کے باطن میں دو آنکھیں رکھی گئی ہیں جب وہ کھلتی ہیں تو انہیں تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اُن کی دو باطنی آنکھیں رکھی گئی ہیں جو کہ لطیف ترین ہیں۔

سوال آپ نے تخصیص کیوں کی کہ اس باطنی آنکھ سے صرف تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے تجلی ذات کا کیوں نہیں ہوتا؟

جواب تجلی ذات کا مشاہدہ صرف معنوی آنکھ سے ہوتا ہے وہ معنوی آنکھ اس باطنی آنکھ کے علاوہ ہے اسے آنکھ کی حاجت بھی نہیں۔

جاہل صوفیا کا رد اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہوگیا جو اتحاد و حلول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ میں خدا حلول کر جاتا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ ممکن حقیقی و واجب حقیقی میں تضاد و اختلاف ہے علاوہ ازیں جب سالک اپنی منزلیں طے کرتا ہوا فنا کے مقام پر پہنچتا ہے تو مقام لقا میں گم ہو کر خود معدوم ہو جاتا ہے جب وہ معدوم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر احکام کا اجرا تو کجا حلول و اتحاد کا قول حماقت و جہالت ہے۔

سوال بہت بڑے صوفیا کرام کے ملفوظات میں اتحاد کا قول ملتا ہے اور تم اسے حماقت و جہالت سے تعبیر کرتے ہو؟

جواب بزرگوں کے اقوال میں جہاں اتحاد کا لفظ ملتا ہے وہ ان کا ایک اصطلاحی معنٰے ہے اور اس سے وہ تقرب تام مراد لیتے ہیں۔ جو بندے کو رضائے الٰہی کے بعد نصیب ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں متحد اور فلاں یہاں اتحاد کا یہ معنٰے نہیں کہ وہ ایک دوسرے میں حلول کئے ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی رضا و خوشنودی میں ایک اور آپس میں متفق ہیں۔ ان میں حلول کا مفہوم لینا حماقت و جہالت ہے اس لئے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل تشخص اور وجود کے مالک ہیں۔

محویت صوفیانہ کی تشریح بندے کے معدوم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بحرِ استغراق میں غوطہ لگا کر انوار و تجلیات میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف ما سوی اللہ سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ اپنے وجود سے بھی اوجھل ہو جاتا ہے پھر وہ نہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور نہ ہی ذات حق کی توجہ کے وقت اپنے میں نظر رکھتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اسے اس وقت ما سویٰ اللہ سے کُلّی طور بے التفاتی ہوتی ہے اس کی مثال آسمان کو دیکھنے والے کی ہوتی ہے کہ وہ آسمان کو دیکھنے کے وقت زمین کی طرف کوئی التفات نہیں رکھتا۔ اسی طرح جو مشرق کی طرف دیکھتا ہے مغرب سے ملتفت نہیں ہوتا۔ اس مثال سے واضح ہوگیا کہ ایک جانب دیکھنے والا اپنے وجود سے بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ غیر ملتفت ہوتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق میں محو ہونے والا اپنے وجود سے بالکل معدوم نہیں ہوتا بلکہ ذات حق کی طرف ایسی توجہ تام ہوتی ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف توجہ تا التفات کا ہوش تک نہیں رہتا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کا ایک نکتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی ذات حق کے تجلیّات سے نوازا گیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص تعین ہے جہاں کسی نبی علیہ السلام کی رسائی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کے (جسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین مخصوص

کی حیثیت سے سوال کر دیا چونکہ وہ تعین صرف محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا۔

بعض لوگوں نے لن ترانی کی توجیہ یونہی نہیں فرمائی ہے لیکن یہ توجیہہ لایعنی ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب و مقامات سے بے خبر نہیں تھے بلکہ انہیں شان و مقام رسالت کا پورا علم تھا جب انہیں مراتب و کمالاتِ نبوت کا علم تھا تو پھر سوال کیسا اس میں ایک نکتہ اور تھا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا دیدار اس ارادہ پر تھا کہ اُن سے قوم نے کہا ارنا اللہ جہرۃ۔ ہمیں اپنے رب کا کھلم کھلا دیدار کرا دیجئے آپ نے عملی طور سمجھایا کہ جب وہ ذات مجھے لَنْ تَرٰنِیْ کا جواب عنایت فرماتا ہے تو تم کون ہوتے ہو اس کے دیدار کو کھلم کھلا دیکھنے والے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی آرزو اور پھر انہیں لَنْ تَرٰنِیْ کا خطاب ان کی امت کے لئے تھا ورنہ وہ تو ذات کی تجلیوں سے متعدد بار مشرف ہو چکے تھے اور ان کے لئے یہ وہم غلط بھی تھا کہ انہیں تجلیات سے محروم رکھا گیا ہو۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا اور ہمکلامی کا شرف بخشا بالفعل بوجہ مصلحت کے انکا اسے ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں بالکلیہ تجلیّات کے مشاہدہ سے محروم رکھا گیا ہو۔ یہ صرف کسی وہمی کا خیال ہو سکتا ہے ورنہ نبوت عاشق اور شریعت کا نام لیوا ایسا تصور نہیں کر سکتا۔ یہاں تقریر افادہ آفندی کی

ختم ہوئی (الواقعات المحمودیہ)

سوال حضرت الشیخ علی دوہ قدس سرہٗ نے اسئلہ الحکم میں لکھا کہ عالم دنیوی میں دیدار الٰہی کیوں ممنوع ہے۔

جواب دیدار الٰہی دنیا کی تمام نعمتوں سے ایک مکرم و معظم تر نعمت ہے اور یہ نعمت صرف ان کے نصیب ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جملہ کائنات سے معظم و مکرم ترین ہوں اور وہ سوائے حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی نہیں اس لئے کہ آپ ہی صرف مقام محمود کے مالک ہیں۔ بنابریں شب معراج صرف آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر مبارک کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوال کے بغیر دیدار سے نوازا تاکہ بلا عوض آپ کو یہ دولت نصیب ہو ورنہ اگر آپ کو سوال کے بعد زیارت نصیب ہوتی تو یہ بدلہ ہوتا اور یہ ایک ایسا احسان عظیم ہے کہ نہ کسی کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا۔

سوال تم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں ممکن ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ لَنْ تَرٰنِیْ میں لفظ لن دلالت کرتا ہے کہ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ لن دائمی نفی کے لئے مستعمل ہوتا۔ کذا قال اہل اللغۃ۔

جواب اہل لغت کے دعاوی پر عقائد کا دارومدار نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل پر ہے اہل لغت کے ہاں اپنے اس دعویٰ پر کتاب و سنت کی کوئی سند معتبر نہیں اور نہ ہی ان کے ہاں کوئی نقل صحیح موجود ہے علاوہ ازیں ان کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے مضمون سے باطل ہے چنانچہ یہودیوں کی موت پر لن نافیہ کے علاوہ ابدا کا لفظ مؤکدًا بھی موجود ہے لیکن باوجود اس ہم یہودی موت کی تمنا کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یا مالک لیقض علینا ربک اور فرمایا یا لیتہا کانت القاضیۃ" یہاں پر القاضیہ سے موت مراد ہے نیز لن ترانی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دائمی طور دیدار سے روکا گیا بلکہ مطلق رویت کی نفی ہے اور مطلق رؤیت کی تقریر ہم نے پہلے لکھی ہے اس سے معتزلہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ بار بار ان کی تردید ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جہاں مرآت حسن شاہد ماست۔

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: جہان محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اسی لئے تم ہر ذرہ اسی کا مشاہدہ کرو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں مستعد نظر وصال مجو

کہ جام جم نکند سود بوقت بے بصری

ترجمہ: تیرے میں استعداد نہ ہو تو پھر وصال یار کی کوشش نہ کر اس لئے کہ جام جمشید کام نہ دے گا جب دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اور لیکن پہاڑ کو دیکھئے۔ یعنی ذات کے مشاہدہ کا مطالبہ نہ کیجئے اس لئے کہ آپ میرے مشاہدہ کی تاب نہیں رکھتے بلکہ کچھ دیکھنا ہے تو میرے اور اپنے درمیان پہاڑ کو وسیلہ بنایئے اگر یہ تاب لاسکا تو آپ بھی جلوہ بچا سکیں گے اگر وہ بھی ریزہ ریزہ ہوجائے تو پھر اس ارادہ سے باز آجایئے اس لئے کہ وہ آپ کی ظاہری جسمانیت سے مضبوط تر ہے جب اس کی حالت کمزور ہوجائے تو اپنے لئے خود سوچ لیجئے۔

فائدہ کلبی نے کہا کہ مدین میں سب سے بڑا پہاڑ یہی تھا زبیر نام تھا قاموس میں ہے کہ زبیر بروزن امیر اس پہاڑ کا نام ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف نصیب ہوا۔

اعجوبہ ابن الجوزی مرأۃ الزمان میں لکھتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ وہی پہاڑ ہے جو کوہ طور کے نام سے مشہور اور بحر قلزم کے قریب ہے جب پہاڑوں نے سنا کہ کوہ طور یا زبیر کو تجلیات ربانی کا مرکز بنایا جارہا ہے تو کہنے لگے یہ کبھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کوہ طور یا زبیران تمام پہاڑوں سے چھوٹے تھے لیکن کوہ طور یا زبیر نے سنتے ہی شرم کے مارے گردن جھکالی کہ ہم کہاں اور تجلیاتِ حق کی مرکزیت کہاں۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کی تواضع وانکسار سے پیار آگیا۔ بنا بریں اپنے فضل سے کوہ طور یا زبیر کو تجلیات کے لئے چن لیا۔ (عقد الدرر واللآلی)

مثنوی شریف میں ہے ؎

ای خنک آنرا کہ ذلت نفسہ

وای آں کز سرکشی شد چوں کہ او

ترجمہ: اسے مبارک ہو جس کا نفس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جس کا نفس اس کی طرح سرکش ہوا۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو اپنی قوم اور اپنے درمیان اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانشین (واسطہ) بنایا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اور اپنے دیدار کے درمیان پہاڑ کو واسطہ بنایا۔ اسمیں اشارہ ہے کہ تم نے میری زیارت سے پہلے میرے اوپر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اپنے بھائی پر اعتماد کیا اور مجھے اپنی امت کا کفیل نہ بنایا اسی طرح میں بھی آپ کو اپنی زیارت کا وسیلہ پہاڑ کو بناتا ہوں۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر وہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور ثابت قدم رہے فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ تو آپ بھی مجھے دیکھ لیں گے یعنی پھر آپ کو میری زیارت کی طاقت نصیب ہوجائے گی اگر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکے تو سمجھ لینا آپ کو بھی میری زیارت کی طاقت نہیں اس لئے کہ فطری امر ہے کہ پہاڑ باوجودیکہ بہت بڑا سخت ہے لیکن جب اس پر تجلی حق اثر انداز ہوئی تو ریزہ ریزہ ہوگیا۔ وہ تجلی حق برداشت نہ کرسکا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر مٹ گیا تو پھر انسان

ضعیف البُنیان کہ جس کی عادت ہے کہ ہولناک امور کو دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتا ہے اس کی پھر کیا کیفیت ہوگی جبکہ اس ذی عظمۃ و جلال کا مشاہدہ ہو کہ جس کے جلال و کبریائی کا کوئی کنارہ نہیں۔

اہل سنت کے دلائل اس سے بھی اہل سنت کا مذہب ثابت ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے کہ کسی شے کو معلق بالامکان کیا جائے تو وہ شے ممکن ہوتی ہے جیسے معلق بالامتناع ممتنع ہوتا ہے مثلاً کفار کا بہشت میں داخل ہونا ممتنع ہے تو اسے ممتنع سے معلق کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ۔ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط۔

اسی طرح جعلہٗ دکًّا سے بھی واضح ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے اس لئے کہ پہاڑ کا ٹکڑا ہونا اپنی طرف منسوب فرمایا ورنہ اندکّ کہنا موزوں تھا اور قاعدہ ہے کہ جس فعل کی ایجاد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ ممکن ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے فعل کا مختار ہے محتاج نہیں۔

اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو دیدار سے مطلقاً ممانعت فرماتا۔ یہاں ممانعت کے بجائے دیدار کرانے کو معلق فرمایا اس سے انہیں مایوس کرنے یا جھڑک دینے کی بجائے پُرامید فرمایا ورنہ ممتنع فعل کی استدعا پر موسیٰ علیہ السلام کو عتاب ہوتا۔ جیسے نوح علیہ السلام سے محبوبی عتاب فرمایا انی اعظك ان تكون من الجاهلین جبکہ انہوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے نجات کی استدعا کی۔

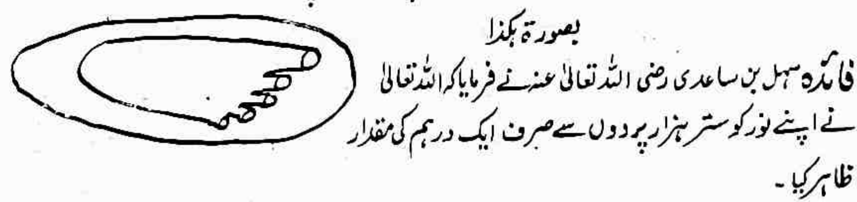
فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی قدرت کا مظاہرہ پہاڑ سے معلق ہونے کا یہ معنے ہے کہ عظمت واقتدار کا پہاڑ سے تعلق ہوا۔ اور ان کا ظہور اس میں سے ہوا۔

سوال تم نے عظمت واقتدار کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب اس لئے کہ ذات کا تعلق پہاڑ (جماد) سے غیر معقول ہے۔

فائدہ تفسیر العیون میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جوابات سے اپنا نُور خنصر و ابہام کے درمیانی فاصلہ کے قدر ظاہر فرمایا تھا جبکہ انہیں آپس میں ملایا جائے اور انگوٹھے کو اوپر والے جوڑ پر رکھا جائے۔

بصورۃ ہکذا



فائدہ سہل بن ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو ستر ہزار پردوں سے صرف ایک درہم کی مقدار ظاہر کیا۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور یا عرش کے نور سے سوئی ناکہ برابر ظاہر فرمایا

فائدہ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہاڑ پر تجلی ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیاۃ وعلم

اور رؤیت پیدا فرمائی یہاں تک کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اس دلیل سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں جائز ہے۔

جَعَلَہٗ دَکًّا دکا مصدر بمعنی مدکوک ہے اب معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ فرمایا۔ غور کیجئے کہ جب دیدار سے پہاڑ کی اتنی بڑی عظیم الضخامۃ کے باوجود یہ حالت ہوئی تو پھر انسان ضعیف البنیان کی کیا کیفیت ہوگی۔

فائدہ تفسیر کواشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو موسیٰ علیہ السلام کو فدا فرمایا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہونے تو اُن کی بظاہر کیفیت یہی ہوتی جیسے پہاڑ کی ہوئی۔

اعجوبہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روز ہر کڑوا پانی میٹھا اور ہر مجنوں ذی ہوش اور ہر بیمار تندرست ہوگیا اور کانٹے دار درختوں کے کانٹے جھڑ گئے اور ویرانے سرسبز ہوگئے بلکہ ان میں بہار آگئی اور مجوسیوں کے آتشکدے بجھ گئے اور بت منہ کے بل گر گئے اور ملائکہ کی آوازیں منقطع ہوگئیں اور وہ پہاڑ جس پر موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے وہ اُن کے نیچے سے ہلا اور پانی کی طرح بہتا ہوا سب کا سب ریزہ ریزہ ہوگیا بلکہ راکھ بن کر اڑنے لگا۔

فائدہ ذرّہ اس گرد و غبار کو کہا جاتا ہے جو روشنی کی کرنوں میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ کرن جو دریچوں سے داخل ہوتی ہے اس کے اندر سے چھوٹے چھوٹے گرد و غبار کے ریزے نظر آتے ہیں وہی ذرّات کہلاتے ہیں۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہی پہاڑ تجلی حق سے چھ ٹکڑے ہوگیا۔ اس کے تین حصے مدینہ طیبہ میں اڑ کر تین علیحدہ علیحدہ پہاڑ ہوئے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) احد
(۲) رقان
(۳) رضوی

اور تین مکہ معظمہ میں پہنچے وہ یہ ہیں۔

(۱) ثور
(۲) ثبیر
(۳) حرا

لیکن تفسیر مدادی میں آٹھ ٹکڑے لکھے ہیں اُن میں چار مکہ معظمہ میں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ثور
(۲) ثبیر

(۳) حـــرا
(۴) غار ثور
اور باقی چار مدینہ میں ان کے نام یہ ہیں ۔
(۱) احـــد
(۲) افان
(۳) رضوی
(۴) مہراس۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے تین ٹکڑے ہوئے ۔

(۱) ایک زمین میں دھنس گیا ۔
(۲) دریاؤں میں ڈوب گیا ۔
(۳) اڑ کر عرفات میں پہنچا ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوف الٰہی سے ہر کمزور سے کمزور تر ہوگیا ۔

نکتہ پہاڑ باوجود عظیم الجثہ ہونے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور انسان باوجود کمزور جسم ہونے کے اس پر نگاہ کرم ہوتی رہتی ہے ۔ چنانچہ فرمایا وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ اور وہ اس نظر عنایت سے محکوم و مضبوط ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہاڑ پر قہر و غضب اور ہیبت کی نگاہ پڑی اور حضرت انسان کے دل پر لطف و کرم اور رحمت کی نگاہ پڑتی ہے ۔ بنا بریں پہاڑ ویران ہوگیا اور انسان کا دل آباد ہوا

تفسیر صوفیانہ صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ جبل سے یہاں جسم حجابی کی صورت مراد ہے اس لئے وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جسم حجابی جب تک ریاضت اور فنا سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزے ریزے نہ ہو اس وقت تک وہ تجلیات کی استعداد نہیں ہوتی اس لئے کہ تجلیات روح کو نصیب ہوتی ہیں اور روح کا مقام قلب ہے اور جبل یعنی جسم میں تحیز و حصر وغیرہ ہے اور تجلیات کا مرکز ہر وہ شے ہوتی ہے جو غیر متحیز ہو ۔ یہ ایک راز کی بات ہے اس پر غور و فکر چاہیئے بلکہ اس کے لئے ہر طرح کی تحقیق لازم ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ؕ پہاڑ سے جو کچھ دیکھا اس کے ہول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے اور یہ بے ہوشی جمعرات کی شام سے لے کر جمعہ کی شام تک مسلسل رہی اور وہ نویں ذوالحجہ کا دن تھا ۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے ۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تھے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فَلَمَّآ اَفَاقَ فرمایا ہے اور افاقہ بیہوش ہونے کے لئے مستعمل ہوتا ہے مردہ کے لئے افاقہ کا لفظ نہیں بولا جاتا ۔ بلکہ اس کے لئے بعث کہا جاتا ہے چنانچہ

سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِنْ م بَعْدِ مَوْتِكُمْ۔
مثنوی شریف میں ہے

① جسم خاک از عشق برافلاک شد
کوہ در رقص آمدہ وچالاک شد

② عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسٰی صَعِقًا

ترجمہ: ① خاکی جسم عشق سے آسمان پر گیا کوہ طور رقص میں آکر ہوشیار رہا۔
② عشق طور کی جان ہے اے عاشق۔ طور مست ہوا اور موسٰی علیہ السلام بیہوش ہو کر گرے۔

اعجوبہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جبل مذکور اگرچہ بظاہر جل کر راکھ ہوگیا لیکن اس کا وجود معنوی موسٰی علیہ السلام کی تجلی کے عکس سے خالص لعل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہاڑ کو کعبہ اور مدینہ اور بیت المقدس کی طرح بہشت میں داخل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ تجلیاتِ حق کا مظہر ہے۔

فَلَمَّآ اَفَاقَ پس جبکہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے بے ہوشی سے افاقہ پایا۔

فائدہ حضرت مولانا ابوالسعود قدس سرہٗ نے فرمایا "الافاقۃ رجوع العقل والفہم الانسان بعد ذھابہا بسبب من الاسباب"۔ عرف عام میں عقل وفہم چلے جانے کے بعد کسی سبب سے ان کا انسان کی طرف رجوع کرنے کو افاقہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ حضرت موسٰی علیہ السلام نے مشاہدہ کی عزت واحترام کے پیشِ نظر تعظیماً کہا۔ سُبْحٰنَكَ تیری اجازت کے بغیر میرے سوال کرنے سے تیری تنزیہہ ہے۔

تُبْتُ اِلَيْكَ اجازت کے بغیر سوال کرنے کی جرأت سے میں نے توبہ کی یا میری اس سے توبہ ہے کہ میں نے موعودہ دیدار کا دنیا میں سوال کر لیا۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور میں تمام لوگوں میں سے پہلے تیری عظمت و جلال پر ایمان لایا ہوں یا میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ دنیا میں تیرا دیدار نہیں ہو سکتا ؎

اے کہ زیک لمعات کوہ بصد پارہ شد
چہ عجب از مشتِ گل عاجز وبیچارہ شد

ترجمہ: تیرے نور کی ایک جھلک سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اگر خاک کا پتلا اس سے عاجز و بیمار ہوگیا تو اس سے کوئی تعجب نہیں کرنی چاہئے۔

دیدار الٰہی جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے دیدار کا سوال کیا تو اس وقت بارہ میل تک بارش ہی بارش تھی اور اندھیرا چھا گیا اور ہولناک بادل کی کڑکیں اور گرجیں اور بجلی اس پہاڑ کو گھیر گئیں اور ہر چار

سو بارہ بارہ میل تک یہی حال تھا اور آسمان کے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوں۔ دنیا کے آسمان آپ کے سامنے گذرے اُن کے آگے بہت بڑی تعداد میں گائیں تسبیح و تقدیس پڑھ رہی تھیں اور اُن کی آوازیں بادل کی گرج سے بہت زیادہ سخت تھیں اُس کے بعد دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضری دیں اور اُن کی کثرت انبوہ دار چیونٹیوں کی طرح تھیں اور وہ بھی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ کر رہے تھے ان کی اس ہولناک مجموعی آواز سے موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے یہاں تک کہ اس خوف سے آپ کے جسم کے تمام بال کھڑے ہو گئے پھر اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش میں دیدار کا سوال نہ کرتا۔ پھر کہا کاش مجھے کوئی شے اس ہولناک منظر سے بچا لیتی اُن کی یہ باتیں سن کر تمام ملائکہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے سوال پر صبر کیجئے عنقریب آپ کو اس سوال کا منظر سامنے آجائے گا پھر تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی حاضری دیں اور آپ کے سامنے گدھوں کی صورت میں حاضر ہوئے جن کی تسبیح و تقدیس سے ہولناک آواز تھی اور وہ آواز اتنی پرجوش تھی گویا بہت بڑا لشکر نعرے لگاتا جا رہا ہے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح آگے بڑھتے آرہے تھے اس سے موسیٰ علیہ السلام گھبرائے اور خوف سے سانس منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ حیات سے ناامید ہو گئے اس پر ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے موسیٰ بن عمران علیہم السلام گھبرائیے نہیں۔ صبر کیجئے عنقریب آپ اس سے کئی گنا زائد خوفناک منظر دیکھو گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بھی نیچے اتریں ——————

۔ چنانچہ وہ جب اُترے تو اُن کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے لیکن برف کی طرح کی طرح سفید اور اُن کے منہ سے تسبیح و تقدیس کے چشمے ابلتے تھے اور ان کی اونچی اونچی آواز تھی جیسے بادل گرج رہا ہو پہلے تمام تینوں آسمان کے فرشتوں کا ان کا زمین پر اترنا زیادہ ہیبتناک تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو خوف سے ان کے دونوں گھٹنے لرز رہے تھے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ سخت روئے۔ اُن سے اُن کے سردار سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے۔ جس کا تم نے سوال کیا یہ اُس کی نسبت کچھ بھی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا وہ زمین پر اُترے تو ان کے اجسام سات رنگ کے تھے اُن کی اتنی سخت ہیبت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے اور نہ انہوں نے ایسا منظر پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی ان جیسی پہلے کبھی آواز سُنی۔ آپ کا پیٹ مبارک خوف سے پھول گیا اور غم بڑھ گیا اور بہت روئے۔ آپ سے ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے اس سے بڑا ہیبتناک منظر دیکھو گے کہ جس کے لئے صبر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان کے فرشتوں سے فرمایا کہ وہ زمین پر نازل ہوں۔ جب تمام فرشتے نازل ہوئے تو اُن کے ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی لمبائی ایک بہت بڑی کھجور کے برابر تھی اور وہ آگ سورج سے بھی زیادہ روشن تھی اور ان کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا اور

نہایت ہولناک آواز سے پڑھتے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدً ا لَا یَمُوْتُ ان سب کے چہرے پر چار منہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگے۔ روتے ہوئے کہتے تھے رَبِّ اذْکُرْنِیْ وَلَا تَنْسَ عَبْدَکَ " ان کے سب سے بڑے فرشتے نے کہا اے ابن عمران! علیہم السلام جو کچھ آپ نے سوال کیا ابھی پورا ہوگا۔ تھوڑی دیر صبر کیجئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عرش کو ساتویں آسمان پر رکھ دیجئے اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا منظر دکھاؤ۔ جب عرش کا نور ظاہر ہوا تو عرش الٰہی کی عظمت سے پہاڑ پھٹ گیا تمام آسمانوں کے فرشتوں نے مل کر کہا سُبْحَانَ اللّٰہِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْعِزَّةِ لَا یَمُوْتُ پھر وہ پہاڑ اور اُس کے اندر کے تمام درخت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر منہ کے بل گرے اور روح پرواز کرگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے روح واپس لوٹائی۔ اور جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ جس پتھر پر کھڑے تھے اُس کی ہیئت تبدیل تھی کہ وہ ایک قبہ کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک حصار بنا ہوا تھا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام جل نہ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر ایک جگہ بٹھایا جیسے ماں بیٹے کو اُٹھا کر بٹھاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اُٹھتے ہی تسبیح پڑھنے لگے اور کہتے تھے اے اللہ تعالیٰ میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ تجھے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور تجھے اگر کوئی دیکھے تو وہ زندہ نہ رہ سکے بلکہ جو صرف تیرے فرشتوں کو دیکھے تو اس کے ہوش و حواس اُڑ جائیں تو اس کی کیا حالت ہوگی جو تیری عظمت کا مشاہدہ کرے تیری اور تیرے ملائکہ کی عظمت کا کیا کہنا۔ تو تمام پرورش کنندگان کا پالنے والا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے اور نہ ہی تیرا کوئی مقابلہ کرسکتا ہے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور حمد و ثنا تیرے لئے اور تیرا شریک کوئی بھی نہیں۔ (التیسیر)۔

مسئلہ احادیث مذکورہ میں ملائکہ کا نزول بیان ہوا۔

تفسیر صوفیانہ اربابِ مکاشفہ کے بعض محققین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وجود کو مدِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے دیدار کا سوال کیا۔ چنانچہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ صیغۂ متکلم سے اپنے وجود کے پیش نظر بارگاہِ حق میں عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سوال لَنْ تَرٰنِیْ سے رد فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام تم اپنے وجود کے بقائے کے باوجود اس ذات کو نہیں دیکھ سکتے جس سے مخاطب ہو۔ لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔ یہاں پر پہاڑ سے موسیٰ علیہ السلام کی ذات و ہویت مُراد ہے۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ پس اگر تمہارا وجود اپنی جگہ ٹھہرا رہا یعنی تمہارا وجود فنا پذیر نہ ہوا فَسَوْفَ تَرٰنِیْ " پھر تم مجھے دیکھ سکو گے یعنی فنائیت کے بعد تم مجھے دیکھ لوگے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے وجود پر اپنا نور ڈالا تو اُن کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے مضطرب

ہوا جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسٰی علیہ السلام اپنی ہویت سے فانی ہو کر عین حق سے حق کو دیکھا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ جب افاقہ پایا تو کہا اے تیری ذاتِ پاک ہے اب میں نے توبہ کی کہ آئندہ ہویت کو مدِنظر رکھ کر تیری ذات کے دیدار کا سوال نہ کروں گا۔

تفسیر صوفیانہ کی دوسری تقریر تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی جب موسٰی علیہ السلام کو قرب الٰہی کی استعداد نصیب ہوگئی تو ان پر صفات کے شرابی صاف پیالے نازل ہونے لگے۔ مکالمات الٰہیہ کے لبریز پیالے اُن کے پیش ہوگئے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کی لذتیں محسوس ہونے لگیں جب اس شرابِ حقیقی سے مدہوش ہوئے تو وجد میں آگئے یا یوں کہئے کہ جب واردات شراب کی مستی اور مخاطبات کی ملاطفات کے سماع سے مسرور ہوئے تو مدہوش ہوگئے۔ اس محبوب کیفیت سے کہ دیدار الٰہی سے اُن کی استعداد میں مزید ترقی ہوئی اور شوق دید کی مستی کا غلبہ ہوا بلکہ دوامی محبت کا پورا جوش موجزن ہوا تو کہا رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے اللہ مجھے اپنے دیدار سے نوازیئے۔ اس کے جواب میں کہا گیا اے موسٰی علیہ السلام تم دوئی کی وجہ سے ابھی دیدار سے کوسوں دور اور جبل اناکت سے محجوب ہو جب تم مجھے اپنی انانیت کو سامنے رکھ کر دیکھو گے تو دیکھ سکو گے ہاں جس کی میں آنکھ بن جاؤں تو وہ مجھے میری بصر سے دیکھ سکے گا اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے انانیت کے پہاڑ کو دیکھو۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ تجلی حق کے وقت اپنی جگہ ٹھہر جائے فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ پھر تم اپنی انانیت کی بصر سے مجھے دیکھ لو گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام کے جبل انانیت پر تجلی ڈالی تو جَعَلَهٗ دَكًّا تو اُن کی انانیت کے پہاڑ کو نیست و نابود کر دیا اب اس کی یہ حالت تھی کہ گویا وہ تھا ہی نہیں وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو موسٰی علیہ السلام انانیت کے مٹنے پر بیہوش ہو کر گرے۔ پھر ان کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا تھا اور دیکھا جو انہوں نے دیکھنا تھا۔ اب یہ کیفیت تھی کہ تمام دھرتی نور سے بھر گئی حق کے ظہور سے باطل مٹ گیا اس لئے کہ باطل کو مٹنا ہی ہے۔ ؎

قد کان مَا کان سر الا ابوح بہٖ
فَظُنَّ خیر وَلَا تَسْئَلْ عَنِ الخیر

ترجمہ: ہوا جو کچھ ہوا جس کا مجھ سے اظہار نہیں ہو سکتا اس کا یہ خیال ہوا کہ وہ خیر ہے لیکن مجھ سے مت پوچھو کہ وہ کیا تھی۔

اگر نفس کی انانیت کا جبل موسٰی روح کے درمیان نہ ہوتا اور پھر رب تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہوتا تو وہ فوراً مٹ جاتے اور انہیں زندگی کا ایک لمحہ بھی نصیب نہ ہوتا اگر تجلی حق کے وقت ان کا قلب ان کا خلیفہ نہ ہوتا تو انہیں اس مدہوشی کے بعد افاقہ حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی وجود کی طرف انہیں رجوع کا موقعہ میسر آتا اس راز

کی بات ہے اسے خوب یاد رکھیئے) ۔

فائدہ اگر روح کا جسم سے تعلق نہ ہوتا تو جسم کی تجلی حق کی استعداد نہ ہوتی تجلی کے فہم و ادراک کی خبر بھی نہ ہوئی جب موسیٰ علیہ السلام وہ سطوۃ تجلی حق سے انانیت کی غشی سے ہوش میں آئے تو محویت کے خاتمہ پر کہا سُبْحٰنَکَ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ مخلوق کے تجھ سے اتصال ہو ۔

تُبت میں اپنی انانیت سے تیری ہویت کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور میں پہلا ایمان لانا والا ہوں ۔ اس بات پر کہ تجھے انانیت سے نہیں دیکھا جاسکتا اور نہ ہی تیری ہویت کے بغیر تجھے دیکھا جا سکتا ہے ۔

امام قشیری کی صوفیانہ تقریر

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مشتاق اور مغلوب الحال لوگوں کی طرح حاضر ہوئے تو اس وقت وہ موسیٰ (بلا موسیٰ تھے) بلکہ اس وقت وہ موسیٰ نہ رہا اور لاکھوں بلکہ کروڑہا ایسے مردانِ خدا نے اسی طرح کی مسافتیں طے کیں اور انانیت کو مٹایا ۔ آج تک کسی کو خبر ہی نہیں ۔ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ اُن کی اس منزل کو طے کرنے پر تا حال ہر زبان پر ان کا ذکر جاری ہے اور تا قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا جب موسیٰ علیہ السلام اپنے وعدہ کے مطابق حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا ہمکلامی کے ذوق میں آپے سے باہر ہو کر عرض کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ اے میرے رب کریم مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمایئے اس لئے کہ مشاہدہ کے وقت کمال وصال سے انہیں غلبہ وجد سے مجبوراً انہیں یہ کہنا پڑا اور قاعدہ ہے کہ مغلوب الحال جو کچھ کہے اس سے باز پرس نہیں ہوتی ۔ اور مشہور بات ہے کہ مغلوب الحال ناشکری کی باتیں کرے ۔ اسے جب کہا جائے تو وہ انکار کر جاتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے جو محبوب کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ تمام مخلوق سے شوق دیدار سے بہت زیادہ بے صبر ہوتا ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی مناجات سے سرشار ہوئے اور انہیں کرامات و انعامات نے گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بلا جہات اور بلا واسطہ کلام فرمایا تو عرض کرنے لگے رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اے اللہ مجھے دیدار سے نوازیئے گویا وہ اس وقت اپنے سے گم ہو کر مشاہدۂ حق کی محویت کہہ رہے تھے ۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایسے حضرات کو جونہی شراب مستی سے جام بھر بھر کر پلائے جائیں اُن کی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے ۔

نکتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کلام سے ظاہر فرمائی ۔ اس کا جواب انہیں لَنْ تَرٰىنِیْ کے کلام سے ملا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کی آرزو دل میں چھپائی تو انہیں قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا انعام کے طور ملا ۔

نکتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نفی کے جوابات سے بارہا مبتلا ہونا پڑا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دیدار کی تمنا کی تو جواب ملا لَنْ تَرَانِیْ۔ اور حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت کی آرزو کی تو انہیں بھی یہی کہا لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام گویا حق اور بالا موسیٰ ہی رہے اور یہ قاعدہ ہے کہ موسیٰ کے لئے موسیٰ کے ساتھ ہر نصیب سے رکھا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیئے اپنے آپ کو انانیت کی ہر خواہش سے پاک رکھا جائے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ؎

نبی ابینا نحن اهل منازل

ابدا غراب البین فینا یزعق

ترجمہ، ہم وہ لوگ ہیں جو غراب البین کی طرح جدائی میں فریادی رہتے ہیں۔

نکتہ لَنْ تَرَانِیْ کی آزمائش فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ لِلْجَبَلِ فَسَوْفَ تَرَانِیْ سے سخت تر تھی اسلئے کہ فسوف ترانی میں زیارت کرانے کا طمع دلایا گیا جب موسیٰ علیہ السلام کی توقع بڑھی تو پہاڑ کو پاش پاش کر دیا اگرچہ وہ قادر تھا کہ پہاڑ کو پاش پاش نہ ہونے دیتا۔ لیکن نازِ محبوبانہ میں عجیب راز و نیاز ہوتے ہیں اس کی بہتر تقریر ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔

نکتہ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک شدید ابتلاً تھا اس لئے کہ اسے اپنی ذات سے منع کر کے غیر کو دیکھنے کا حکم فرمایا اس لئے انہیں اپنی ذات سے سے روک کر آنکھ بند کرنے کا حکم ہوتا کہ اب کسی کو بھی نہ دیکھو تو یہ ان کے لئے آسان تر تھا لیکن انہیں لَنْ تَرَانِیْ کہہ کر وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ کے حکم سے سخت تر آزمائش میں ڈال دیا اس لئے کہ انہیں تکلیف ہوئی کہ مجھے اپنی تجلیات سے دور کر کے جبل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنایا ہے وہ اس امر سے سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ آرزو تو ذات کے دیکھنے کی کی گئی ہے لیکن انہیں جبل کو دیکھنے کا حکم ہوا اس سے اگرچہ انہیں سخت تکلیف ہوئی لیکن راضی برضا ہو کر تسلیم خم کر دیا جیسا کہ عشاق کا کام ہے اس معنے پر کہا گیا ہے ؎

اُرِیْدُ وِصَالَه ویرید هجری

فَاَتْرُكُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

ترجمہ: میں اس کے وصال کا طالب ہوں لیکن وہ مجھ سے جدائی چاہتا ہے۔ اب میں اپنی مراد ترک کر کے اس کے ارادہ کو ترجیح دیتا ہوں۔

نکتہ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے ایک لطیف ترین نوازش اور کرم نوازی ہے کہ دیدار کی ممانعت کی تصریح نہیں بلکہ اس کی علت ظاہر کر کے ان کے صبر پر معاونت فرمائی۔

لطیفہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہو کر فرمایا تھوڑا صبر کیجئے۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیدارِ الٰہی سے رد کیا گیا تو پھر راس الامر یعنی توبہ کی طرف رجوع کر کے فرمایا تبت اِلَیْکَ یعنی اگر رؤیت ہو راس الرتبہ ہے نہ سہی تو میں تجھ سے راس الامر یعنی توبہ کا طالب ہوں۔

نکتہ اس طریقہ کو اختیار کرنے میں حقوقِ عبودیت سے بچنے کی طرف اشارہ ہے وہ اس لئے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرے اور تمہارے مابین قربت سے عدم عدم رؤیت حائل نہ ہو اس لئے کہ رؤیت میں میری خدمت کے حق میں ادائیگی ہے پھر حق رب پر اپنے حظِ نفس کو ترجیح دینا ناموزوں ہے (کذا فی تفسیر التیسیر نقلا عن القشیری)۔

مسئلہ بعض علمائے کے نزدیک دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔

مسئلہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کا اہل ایمان کے لئے وعدہ مسلّم ہے البتہ دنیا میں دیدارِ الٰہی کے لئے اگرچہ دائرہ امکان میں ہے لیکن نہ اُس کا کسی وعدہ ہے اور نہ ہی اس پر عادتِ الٰہی کا اجراء ہے۔

فائدہ دنیا میں رؤیت کے انواع ہم نے سورہ انعام میں بیان کئے ہیں۔

فائدہ کسی نے بعض علمائے سے دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لا زمان لہٗ ولا مکان فی ای مکان یعنی اس کے لئے نہ زمانہ ہے اور نہ اُس کا مکان تو پھر کہاں اس کی زیارت ہو۔

فائدہ ایسے مسئلہ میں صُورۃ سوال یوں ہوا المنزہ ذاتہ عن الزمان والمکان بای وجہ یطلب وبای طریق یوجد ویوصل الیہ" اس کی ذات زمان و مکان سے منزہ ہے پھر اسے کیسے طلب کیا جائے اور اُسے کیسے پایا جائے اور اس کا وصال کیسے نصیب ہو۔

شانِ ولایت کی جھلک اس کے جواب میں ادب سے یہ کہا جائے کہ "مَنْ اَرَادَ رُؤیۃَ جَمَالِہٖ فَلْیَنْظُرْ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَاءِ فَاِنَّ قُلُوْبَھُمْ مُظَاھِرُ وَمَرَایَا لِجَمَالِہٖ" جو شخص اللہ تعالیٰ کی رویت کا طالب ہے اسے چاہیئے کہ وہ اولیاء کرام کے قلوب کو دیکھے اس لئے اُن کے قلوب جمالِ الٰہی کے مظاہر و مراکز ہیں۔

اہلسنت کی مذمت از معتزلہ معتزلہ آخرت میں بھی رؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں یہاں تک کہ صاحب کشاف نے اہلسنت کی خوب خبر لی اور اس مسئلہ کے تحت ان کی سخت مذمت کی ہے اور انہیں تحقیر و تضلیل سے نوازا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ جب وہ مسلمان ہیں تو پھر رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے قائل ہو کر اسے اپنا مذہب کیسے بنا لیا۔ اس کے بعد کہا کہ اے مخاطب ان کے ایسے نقابوں میں چھپے

رہنے سے دھوکہ مت کھائیو اس لئے کہ یہ طریقہ اُن کے بعض اکابر کا جاری کردہ ہے اس لئے معتزلہ کی طرف سے شناعت و مذمت کے طور اہل سنت کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ

① الجماعة سموا اهواهم سنة
لكنهم حمر لعمري مؤكفه
② قد شبهوه بخلقه وتخوفوا
شنع الورى متستروا بالبلكفه

ترجمہ: ① ایک جماعت ہے جس نے اپنی خواہشات کا نام سنت رکھ چھوڑا بخدا وہ گدھے ہیں اس لئے کہ
② انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی تو خوف کے مارے نقابوں سے اپنے منہ ڈھانپ رکھے ہیں۔

مذمت از اہلسنت بر معتزلہ اس کے جواب میں کسی شاعر نے یوں فرمایا ؎

① عجبا لقوم ظالمين تلقبوا
بالعدل ما فيهم لعمري معرفه
② قد جاءهم من حيث اليدرونه
تعطيل ذات الله مع نفي الصفه

ترجمہ ① ایسے ظالم لوگوں پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عدل کی تصویر سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں ذرّہ برابر بھی معرفۃ نصیب نہیں۔
② جہالت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل جیسی قبیح صفت سے موصوف کیا اور جو اس کے حقیقی صفات ہیں ان کا انکار کر دیا۔

حضرت مولانا ابراہیم الاروسقی نے معتزلہ کی تردید میں فرمایا کہ ؎

① رَضِيْنَا كتاب الله للفصل نبينا
وقول رسُول الله اوضح فاصل
② وتحريف آياتِ الكتاب ضَلَالَةٌ
وليس بعدل رد نص الدلائل

③ وتضليل اصحاب الرسولِ وذمّهم
وتصويب آراء النظام و واصل

④ ولَوْ كان تكذيب الرسول عدالة
فاعدل خلق الله عاص بن وائل

⑤ فلولاك جار الله من فرقة الهوىٰ
لكنت جديراً باجتماع الفضائل

ترجمہ: ① ہم اپنے فیصلہ کے لئے کتاب اللہ پر راضی ہیں اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر بھی۔

② نہایت ہی بہتر اور واضح فیصلہ کن اور کتاب اللہ کے آیات کی تحریف گمراہی ہے اور دلائل قرآنی کے نصوص کو رد کرنا عدل نہیں۔

③ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ سمجھنا اور اُن کی مذمت کرنا اور اپنے مولوی نظام اور مولوی واصل کے اقوال برحق سمجھنا بھی ناموزوں ہے۔

④ اگر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کا نام عدل ہے تو دنیا میں سب سے بڑا عادل عاص بن وائل (مشرک) ہے۔

⑤ اے جار اللہ زمخشری اگر گمراہ فرقہ سے نہ ہوتا تو تم اپنے علم و ادب کیوجہ سے مجمع فضائل و کمالات کہلانے کا مستحق تھا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ

ربط جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یٰمُوْسٰی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کی اصلاح بقاً کے لئے رؤیۃ سے روکا فلہٰذا مغموم و محزون نہ ہوں اِنِّیْ اصْطَفَیْتُكَ بے شک میں نے آپ کو چن لیا یعنی اپنے لئے پسند فرمایا اور اپنا برگزیدہ بنایا اور ممتاز کیا عَلَى النَّاسِ آپ کے ہمعصروں پر جواب زندہ ہیں۔

سوال کیا موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام سے بھی برگزیدہ تھے حالانکہ وہ اُن سے سن میں بڑے تھے اور نبی بھی؟

جواب اگرچہ اُن سے بڑے اور نبی تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اس لئے کہ وہ نہ تو کلیم تھے اور نہ مستقل طور صاحبِ شرع۔ یا یہاں پر الناس سے تمام لوگ مراد ہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسی فضیلت (یعنی رسالت اور بلا واسطہ کلام) پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئی (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستثنیٰ ہیں)

سوال علی الناس کے بجائے علی الخلق کیوں نہ فرمایا؟

جواب اگرچہ موسیٰ علیہ السلام ملائکہ سے افضل سہی لیکن ان کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلاواسطہ ہمکلامی کا شرف ملا اس لئے انسانوں کی قید لگائی ہے ورنہ الخلق عام ہے اس میں ملائکہ کرام بھی شامل ہیں۔

بِرِسٰلٰتِیْ یہ رسالہ کی جمع ہے یہ دراصل مصدر ہے بمعنے ارسال اور شرع میں مرسل بہ الی الغیر مراد ہوتا ہے اور یہاں پر رسالات سے اسفار التوراۃ مراد ہیں۔

فائدہ اسفار سفر کی جمع ہے بمعنے کتاب مثلاً کہا جاتا ہے سفرہ ای کتبہ یعنی اس نے لکھا اور تورات کی تختیوں کو الواح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔

وَبِكَلَامِیْ اور اپنے کلام سے یعنی تمہارے ساتھ بلاواسطہ کلام کیا۔ بعض کے ہاں یہاں مضاف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی وسماع کلامی۔

سوال خاصہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا نہیں اس لئے کہ آپ کے ساتھ اور ستر آدمیوں نے بھی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جنہیں وہ خود ساتھ لے گئے تھے۔

جواب ساتھ لے جانے والی روایت مردود ناقابلِ قبول ہے اس لئے کہ نص کے مقابلہ میں واقع ہوئی اور جو روایت نصِ قرآنی یا صحیح روایت کا مقابلہ کرے وہ مردود اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ وہ اُمّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ہر نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ عام مخلوق سے ایک یا دو مراتب یا اس سے مزید خصوصیات سے مخصوص فرماتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جبکہ آدم علیہ السلام کا جسم اطہر تیار کیا گیا تو آدم علیہ السلام میں اُن کی اولاد کے ذرات میں انبیاء علیہم السلام کو رسالہ و مکالمہ سے نمایاں اور نوح ثانی کو یہ مرتبہ نہیں ملا تھا اس لئے انمیں نمایاں نہیں تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں کیا گیا اسی طرح دنیا میں دیدار الٰہی کا مرتبہ حضور علیہ السلام اور آپ کی امت سے مخصوص ہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت بنایا جائے مثلاً یوں دُعا مانگی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَصْحَابِہٖ اے اللہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب سے بنا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے کلام کے لئے کوہِ طور پر حاضری دی تو آپ نے اُونی جُبہ زیب تن فرمایا۔ اور پہاڑ کے کونے سے سہارا لگا کر کھڑے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو ایسے مقام پہ فائز المرام فرمایا ہے نہ آپ سے پہلے کسی کو یہ مقام نصیب ہوا اور نہ آپ کے بعد کسی کو نصیب ہوگا اور میں نے آپ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخش کر اپنا مقرب بنایا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ تعالیٰ تو نے مجھے اتنا بلند مرتبہ کیوں عطا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری تواضع کے پیشِ نظر جب موسیٰ علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کا لذیذ ترین کلام سُنا تو عرض کی" اے اللہ کریم تو مجھ سے قریب ہے تاکہ میں تیرے ساتھ کوئی راز کی بات کروں۔ یا تو بعید ہے تاکہ تجھے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں ہر اس شخص کا جلیس ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔

اعجوبہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر واپس ہوئے تو کسی کو ممکن نہ تھا کہ جلووں کے پرتو کی وجہ سے ان سے گفتگو کر سکے اس لئے تادم واپسیں آپ برقع میں محجوب رہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی آپ سے میں بیوہ تو نہیں ہو چکی کہ جب اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے مشرف ہوئے اس وقت سے میں آپ کے چہرہ کی زیارت سے محروم ہوں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کے لئے چہرے سے نقاب ہٹایا تو انہیں موسیٰ علیہ السلام کا رُخ انور سورج کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا یہاں تک کہ بی بی کو تھوڑی دیر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ عموماً سورج کو دیکھنے سے چہرے پر ہاتھ رکھا جاتا ہے بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ میرے لئے دُعا فرمایئے تاکہ بہشت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں آپ نے فرمایا کہ آخرت میں تو میری زوجہ ہو گی بشرطیکہ میرے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرنا۔

مسئلہ قیامت میں زیادہ شوہروں سے نکاح کرنے والی عورت ہر اس شوہر کو ملے گی جس کے عقد میں اسے موت واقع ہو۔

مسئلہ بعض کے نزدیک پہلے شوہر کو ملے گی۔ بعض کہتے ہیں جس نے اس سے حسن خلق سے زندگی بسر کی ہوگی۔

خصوصیت مصطفیٰ یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ وصال شریف کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ازواج مطہرات سے کوئی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ جو کچھ میں نے آپ کو شرف نبوت اور بزرگی وحکمت عنایت فرمائی اُسے لیجئے۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ہ اور میری نعمت پر شکر گزار لوگوں سے ہو جایئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وہ استعداد لیجئے جو تمہیں عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے آپ کو نبوت ورسالت سے نوازا ہے اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف بخشا ہے۔

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ اور شکر کیجئے اس لئے کہ یہی شکر آپ کو منزل مقصود تک پہنچائیگا یعنی اس کی وجہ سے دولت دیدار سے نوازے جاؤ گے اس لئے کہ شکر سے نعمت میں برکت و اضافہ ہوتا ہے کما قال لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ[1] یہاں زیادتی کے حصول سے رؤیت حق مراد ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ

---

[1] اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں (نعمتوں میں) بڑھاؤں گا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَہ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الزیادۃ هی الرؤیۃ اور اَلْحُسْنٰی هی الجنۃ یعنی آیت میں زیادہ سے رؤیت اور الحسنیٰ سے مراد بہشت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَکَتَبْنَا لَہٗ اور ہم نے قلم اعلیٰ کو حکم فرمایا کہ وہ لکھے یا ہم نے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ وہ قلم سے فرمائیں تاکہ وہ لکھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ تختیوں میں وہ نو عدد اور سبز زمرد کی تھیں یہی صحیح تر ہے اسمیں توراۃ کندہ تھی جیسے انگشتری میں نقش کندہ ہوتے ہیں ان میں تختی کا طول دس گز تھا۔ قاموس میں ہے کہ تختی ہر اس صحیفے کو کہا جاتا ہے جو لکڑی یا ہڈی سے چوڑا کر کے تیار کیا جائے۔ بصورت هٰکذا | تختی کا نقشہ | ۔ اس کی جمع الواح آتی ہے۔

فائدہ رویت کا سوال نویں ذوالحج کو ہوا اور توراۃ دسویں ذوالحج کو عطا کی گئی۔

مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یعنی وہ اُمور جن کے وہ محتاج تھے مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ۔ جار مجرور یعنی مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سے بدل ہے اس لئے کہ وہ محلاً منصوب ہے کیونکہ کتبنا کا مفعول بہ ہے اور اس کا مِن تبعیضیہ نہیں زائدہ ہے دراصل عبارت یوں ہے وکتبنا لہٗ کل شیءٍ مِنَ الْمَوَاعِظِ الخ یعنی ہم نے اس کے لئے مواعظ و تفصیل احکام مندرج تھے وہ یہ ہیں۔

① میں اللہ رحمٰن رحیم ہوں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔
② ڈاکہ زنی۔
③ زنا۔ } نہ کرنا۔
④ ماں باپ کی نافرمانی۔

فَخُذْهَا بحذف قول اس کا عطف کتبنا پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ فقلنا خذها پس ہم نے کہا ان تختیوں کو لیجئے۔ بِقُوَّةٍ جدوجہد اور پختہ ارادہ سے وَاْمُرْ قَوْمَكَ بطریق مذہب اور افضل شے کے حصول کی ترغیب دلا کر اپنی قوم کو حکم فرمائیے یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا یہ باء زائدہ ہے اور حسنہا۔ یاخذوا کا مفعول بہ ہے۔

فائدہ احسن سے عزائم اور حسن سے رخصتی امور مراد ہوتے ہیں یعنی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ امور عزیمۃ میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کی پابندی یا دکھ درد اور پریشانی کے وقت بدلہ نہ لینے کے ساتھ صبر کرنا۔

فائدہ قطرب نے کہا کہ یہاں احسن بمعنے حسن ہے اس لئے کہ احکام الٰہی سب کے سب حسن ہیں جیسے اکبر ولذکر اللہ اکبر میں مطلق بزرگی مراد ہے یہاں بھی احسن سے مطلق حسن مراد ہے۔

سَاُورِیۡکُمۡ اے بنی اسرائیل ہم تمہیں عنقریب دکھائیں گے دَارَ الۡفٰسِقِیۡنَ فاسقوں کی دار۔یعنی مصر میں فرعون اور اُس کی قوم کے مکانات عنقریب مٹ کر رہ جائیں گے جیسے ان سے پہلے عاد و ثمود اور اُن جیسوں اور کافروں کی منزلیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ تم انہیں دیکھ کر عبرت پکڑو اور احکام تورات سے روگردانی کر کے اُن پر عمل نہ کر کے مخالفت خداوندی سے بچ جاؤ۔ نیز دار الفاسقین سے ارض مصر اور شام کے جبابرہ و عمالقہ کی کوٹھیاں اور بنگلے مراد ہیں۔

فائدہ دار دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں اُن کی جائیداد منقولہ و غیر منقول کا وارث بنائیں گے۔

فائدہ پہلی تقریر پر اس میں وعید و ترہیب ہے اور تقریر ثانی پر وعدہ و ترغیب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ دار دنیا کے بجائے آخرت دار کی طلب احسن ہے اسی طرح دیدار الٰہی کی طلب آخرت کی طلب سے احسن ہے۔

سبق عاشق پر لازم ہے کہ وہ احسن شے کو اختیار کرے۔

فائدہ آیت میں فاسقین سے خارجین مراد ہے یعنی بہشت سے خارج ہونے والے یعنی ہم انہیں طلب آخرت سے نکلنے والوں کی دار دکھائیں گے اس لئے کہ جو طلب الٰہی میں ہوتا ہے وہ طلب آخرت سے بھی آگے نکل جاتا ہے پھر اُس کی دار ملیک مقتدر کے ہاں ایک نہایت اعلیٰ اور بہتر مقام ہوتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض
ہوائے سر کوئی تو برفت از یادم

(۲) نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

ترجمہ (۱) سایہ طوبیٰ کا اور حوروں کی دلجوئی اور حوض کے کنارے خواہشات نفسانی سے اب وہ تیری یاد سے نکل گئے۔

(۲) میرے دل کی تختی پر سوائے قد و قامت دوست کے اور کچھ نہیں میں کیا کروں مجھے استاد نے اور کچھ سکھایا نہیں۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ آیات سے وہ مواعظ اور احکام مراد ہیں جو تورات میں مندرج تھے اسی طرح وہ آیات تکوینیہ بھی مراد ہیں جو منجملہ اُن کے دار الفاسقین کے کھولنے کا وعدہ تھا اور صرف بمعنے پھیرنے سے اُن کے دلوں پر مہر لگانا مراد ہے یعنی اُن کے دلوں پر ایسی مہریں لگائی

جائیں گی کہ وہ ان آیات نہ تفکر کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں عبرت حاصل کرنے کا موقعہ میسر آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہب وملت اور تکبر و تجبر پر ڈٹے ہوئے تھے اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ ہم اُن کے ان لیڈروں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیں گے جو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے اور خلقِ خدا پر اپنی فضیلت کا دم بھرتے ہیں وہ نہ ہمارے آیات تنزیلیہ سے نفع پا سکیں گے اور نہ ہی آیاتِ تکوینیہ سے۔

فائدہ آیات تکوینیہ سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو انفس و آفاق میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اور مذکورہ بالا لیڈر جیسے آیات تنزیلیہ و تکوینیہ کے انتفاع سے محروم ہوں گے ایسے ہی اُن کے آثار سے جو فوائد مرتب ہوں گے ان کے حصول سے نفع نہیں لے سکیں گے لہٰذا تم اے بنی اسرائیلیو! ان کے طریقہ پر چل کر اُن کی طرح نہ ہو جاؤ۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ ط یہ یتکبرون کا صلہ ہے یعنی اس امر کی وجہ سے اتراتے ہیں جو حق نہیں بلکہ باطل ہے اس سے ان کا اُن کے دینِ باطل کا انکار اور اُن کا ظلم دافر مراد ہے۔

ربط چونکہ تکبر آیات مذکورہ کے انتفاع سے محروم کرتا ہے بلکہ انہیں ضائع کرنے کی نوبت تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کو تکبر سے ڈرایا گیا ہے اگر تکبر کے خوگر ہو گے تو آیات الٰہیہ کے تفکر اور ان سے ہدایت کے انتفاع سے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ اس لئے ہوا تاکہ وہ لوگ تورات کے احکام پر عمل کرنے میں جد و جہد کر کے پوری رغبت اور محبت سے ان پر عمل کریں اس سے ظاہر ہو گیا کہ آیت ہذا کا تعلق بنی اسرائیل کے قصہ کے درمیان واقع ہوا ہے یعنی اُن کے واقعہ کا کچھ حصہ بیان ہو چکا۔ اس جملہ کے بعد بقایا بیان کیا جائے گا اور یہ بطور جملہ معترضہ کے واقع ہوا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے متکبرین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے معانی کے فہم کے ادراک سے محروم رکھا ہے اور انہیں ان کے اندر تدبر کا موقعہ میسر نہیں آتا۔

فائدہ مثل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ظالمین کے قلوب حکمتِ قرآن کے فہم و ادراک سے محروم ہیں اسی طرح انہیں قرآن پاک کے عجائبات سے محروم رکھا جاتا ہے ؎

حیف است چنیں گنج دراں ویرانہ

ترجمہ: ایسے ویرانہ میں ایسا خزانہ افسوس ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اگر وہ مشاہدہ کریں **كُلَّ اٰيَةٍ** تمام اُن آیات کا جو معجزہ کے طور انہیں دکھائی گئیں۔ **لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا** ج تو وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سب کا انکار کریں گے اس لئے کہ اُن کے

دل روشن نہیں ۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ اور اگر وہ ہدایت دیکھ بھی لیں تب بھی وہ اسے راہ حق سمجھ کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس پر چلیں گے اس لئے کہ اُن پر شیطنیت سوار ہے اور انہوں نے ٹیڑھا پن اور راہِ حق سے انحراف کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے ۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۖ اور وہ گمراہی کا راہ دیکھ لیں تو اس کو وہ اپنے چلنے کا راہ بنا لیتے ہیں یعنی اپنے لئے دائمی طور وہی راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور پورا عزم رکھتے ہیں کہ اس راہ سے مڑ بھی نہیں ہٹیں گے وہ اس لئے کہ وہ راستہ اُن کی خواہشات باطلہ کے موافق ہوتا ہے اور وہی راستہ انہیں شہوات رانی پہ اُبھارتا ہے ۔

ذٰلِكَ یہ اُن کے تکبر اور آیات پہ ایمان نہ لانے اور راہِ حق سے روگردانی اور گمراہی کی طرف پورے جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ امور مذکورہ بالا انہیں اس سبب سے نصیب ہوتے کہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا انہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی ۔

فائدہ آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اُن کے قبیح صفات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ واضح کرتے ہیں کہ جن اوصاف پر یہ ہیں وہ نہایت گندے ہیں اور اُن کے برعکس وہ اوصاف جو موسٰی علیہ السلام وغیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ حق اور بہتر ہیں ۔

فائدہ یا آیات سے معجزات اور آیات منزلہ مراد ہیں ۔

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ اور وہ ان سے غافل تھے یعنی اُن آیات میں وہ تفکر نہیں کرتے تھے ورنہ اُن سے مذکورہ بالا غلط کاریاں اور خرابیاں سرزد نہ ہوتیں اس سے ثابت ہوا کہ یہاں عدم تفکر مراد ہے اور عدم تفکر کو غفلت سے تشبیہ اس لئے ہے کہ جیسے غافل کو کوئی شئے حائل ہو کر مقصود سے دُور رکھتی ہے ایسے ہی ان لوگوں کو اپنی گمراہی حائل ہوئی اور وہ حق سے دائمی طور محروم ہو گئے ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات اور ہماری حاضری سے انکار کیا لقاء الاخرۃ میں مصدر مضاف بمفعول بہ ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے دراصل ولقائہم الدار الآخرۃ تھا ۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ اور ان کے اعمال حبط ہو گئے یعنی اُن کے اعمال کا بُطلان ظاہر ہو گیا یعنی اس سے قبل جو اعمال صالحہ کرتے مثلاً صلہ رحمی اور مظلوموں کی فریاد رسی وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ضائع ہو گئے کہ اب اُن سے انہیں کوئی نفع نہ ہوگا ۔

هَلْ يُجْزَوْنَ یہ استفہام بمعنے نفی و انکار ہے یعنی وہ کسی قسم کی جزا نہیں پائیں گے ۔
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ انہیں اعمال کے مطابق سزا ملے گی ۔ یعنی وکفر و معاصی کے ارتکاب سے وہ خوب سزا پائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اُن کے نزدیک ہمارے اعمال انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور انزال کتب و اظہار معجزات سے حبط ہوئے تو ہم نے اُن کے تکبر کی وجہ سے اُن کو سزا دی کہ اُن کے وہ تمام اعمال حبط کر دیئے جو ہمارے ہاں موجود تھے اس لئے کہ ہم اہل شرک اور اُن کے شرک سے مستغنی ہیں اور کبریا و غنا ہمارا خاصہ ہے اور یہ حکم جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلہا کے عین مطابق ہے ۔

فائدہ آیت ہذا میں تکبر کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کو تکبر بہت انانیت بڑھاتا ہے اور ابلیس بھی مطرود و ملعون ہوا تو اسی تکبر کی وجہ سے ۔

اعجوبہ حکایت کسی نے ایک متکبر کی یوں تعریف کی کہ وہ اتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے کہ کسریٰ اس کا حاشیہ بردار اور اُس کے اخراجات کا کفیل اور بلقیس اُس کی ایک ایک ادنیٰ خادمہ اور گویا یوسف علیہ السلام جیسے حسین اُن کی آنکھوں کے گوشوں پر قربان ہے اور لقمان کی تمام حکمت اس کے دفتر کا ایک باب ہے یوں کہئے کہ سبزیاں صرف اُس کی خوشنودی کے لئے سر سبز اور غبار اسی کا نام لیوا ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ایں تکبر زہر قاتل دانکہ ہست
از مَی پُر زہر شد ایں گیج مست

(۲) چوں مَی پُر زہر نوشد مدبرے
از طرب یکدم بجنباند سرے

(۳) بعد یکدم زہر جانش نزند
زہر در جانش کند داد و سند

(۴) گر نہ داری زہریش را اعتقاد
گرچہ زہر آمد نگر در قوم عاد

(۵) چونکہ شاہے دست یابد بر شہے
بکشدش یا باز دارد در چہے

(۶) در بیابد خستہ افتادہ را
مرہمش سہ و دُہد عطا

⑦ کہ نہ زہراست ایں تکبر پس چرا
کشت شہ را بے گناہ و بے خطا

⑧ وین دگر را پے خدمت چوں نواخت
زیں دو جنبش زہر را شاید شناخت

⑨ نردبان خلق ایں ما و منیت
عاقبت زیں نردباں افتادنیست

⑩ ہر کہ بالا تر رود ابلہ تر است
کاستخواں او بہتر خواہد شکست

⑪ ایں فروعست و اصولش آں بود
کہ ترفع شرکت یزداں شود

⑫ چوں نمردی و نگشتی زندہ زو
باغی باشی بشرکت ملک جو

⑬ چوں بدو زندہ شدی آں خود ویست
وحدت محض است آں شرکت نیست

ترجمہ: ① یہ تکبر زہر قاتل ہے۔ شراب مستی سے یہ زہر قاتل تیار ہوا ہے۔
② جب ایسا شراب کو بدمست پیتا ہے تو اس کا سر چکراتا ہے۔
③ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہی زہردار شراب اس کی جان کا لیوا ثابت ہوتا ہے۔
④ اگر تجھے اُس کے زہر پر اعتبار نہیں تو دیکھ لے قوم عاد کا کیا حشر ہوا۔
⑤ دیکھئے ایک سلطنت کا بادشاہ جب دوسرے پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ اُسے فوراً مروا دیتا ہے یا
زہر پلا کر اسے جان سے ختم کر دیتا ہے۔
⑥ لیکن وہی بادشاہ کسی کمزور کو بیمار دیکھتا ہے تو اس کی مرہم پٹی کرتا ہے۔
⑦ اگر اس تکبر میں زہر نہ ہوتی تو ایک بادشاہ دوسرے کو کیوں قتل کرتا۔
⑧ اور دوسرے کمزور کا علاج کیوں کیا حالانکہ وہ بھی اُس کی طرح انسان ہے۔
⑨ مخلوق ہم تم کے تکبر میں ہے جب یہ ہم تم موت نے چھینی تو فنا ہی فنا۔
⑩ خلاصہ کلام یہ کہ تکبر ایک قسم کا شرک ہے تیرا اس طرح کا ہونا نمرود سے کم نہیں۔
⑪ کہ وہ بھی تکبر سے ملک گیری کی ہوس رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا تھا لیکن تباہ و برباد ہو گیا۔

(باقی ص۱۰۹ پر)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ
خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ
وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا
لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ وَلَمَّا
رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ
بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ
يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْ
نَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ⑥

ترجمہ: اور موسٰی کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھے بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا تھا اور نہ انہیں کچھ راہ بتائے اسے لیا اور وہ ظالم تھے اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے بولے اگر ہمارا رب ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو ہم تباہ ہوئے اور جب موسٰی اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا ہوا جھنجھلایا ہوا کہا تم نے کیا میری میری جانشینی کی میرے بعد کہا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا اور کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا عرض کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور سب مہر والوں سے بڑھ کر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ اور موسٰی علیہ السلام کی قوم نے اُن کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنایا۔ یہ من ابتداءِ غایت کے لئے ہے مِنْ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔
حُلِيِّهِمْ اپنے زیورات سے ۔ حُلِیٌّ ۔ حَلْیٌ کی جمع ہے جیسے ثُدِیٌّ ثَدْیٌ کی جمع ہے چاندی اور سونے کی ہر وہ شے کہ جس سے زینت حاصل کی جائے ۔

سوال یہ زیورات تو قبطیوں کے تھے لیکن بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہیں ؟
جواب معمولی مناسبت کی وجہ سے اُن کی طرف منسوب ہوئے وہ مناسبت یہی ہے کہ اب اُن کے قبضے میں تھے اگرچہ بطور عاریت کے سہی۔ اس لئے کہ مصر سے روانگی سے قبل قبطیوں سے یہ زیورات عاریۃً لئے تھے۔
عِجْلاً یہ اتخذ کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جبکہ بمعنے تصیر ہو اور

(بقیہ صفحہ ۱۰۱)

⑬ اگر تم بھی اس تجربیں رہے تو شرک کا ارتکاب کرتے رہو گے ۔
⑭ اللہ تعالیٰ کے ہاں وحدت پسند ہے ۔ شرک اس کے لئے نہایت اور ناپسندیدہ امر ہے ۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ تجربے سے اپنے آپ کو پاک کرکے طریق حق میں تواضع و انکسار کی عادت ڈالے اور ہر عمل میں خلوص پیدا کرے اس لئے جو شخص اپنے اعمال میں خلوص کرتا اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر نیک عمل کرتا ہے تو اُسے فیوض و برکات سے نوازا جاتا ہے بلکہ رہتی دنیا تک اس کے لئے آثار نمودار رہیں گے ۔

خلوص نیت کی کہانی نافۂ مشک ہرنی کی زبانی مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پہ تشریف لائے تو جنگل کے تمام جانور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ آدم علیہ السلام کے دست مبارک کے برکت سے اُن ہرنوں میں نافۂ مشک پیدا ہوگئ جب باقی ہرنوں نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے پوچھا تمہیں یہ برکت (نعمت) کہاں سے نصیب ہوئی ۔ انہوں نے کہا تو پھر ہم کیوں محروم رہیں ہم بھی اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ہماری پیٹھ پر دست مبارک پھیریں گے تو ہمیں بھی نافۂ مشک کی دولت نصیب ہوں گے چنانچہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کے لئے دعا فرمائی اور دستِ مبارک بھی اُن کی پشتوں پر پھیرا لیکن اُن میں خوشبو ظاہر نہ ہوئی ۔ واپس لوٹ کر اپنے ہمجولیوں (ہرنوں سے کہا ہم خالی ہاتھ لوٹے اسکی وجہ ۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور تم ایک طمع لے کر حاضر ہوئے اس لئے تم اس دولت سے محروم ہو کر لوٹے اور ہم صرف رضائے الٰہی کے لئے حاضر ہوئے تو یہ برکات نہ صرف ہم تک محدود رہیں گے بلکہ تا قیامت ہماری اولاد کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ۔

سبق اس کہانی سے ثابت ہوا کہ ہر شخص اپنے عمل کی جزا پاتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ۔ لیکن بہتر جزا وہ ہے جو دائمی طور نصیب ہوتی ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سستی و کاہلی اور غلط کاری اور خطا سے پناہ مانگتے ہیں ۔

اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی الٰہا اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

"اَلْعِجْلُ" بقرہ گائے کا بچہ اس کے باپ کو ثور (بیل) کہا جاتا ہے عجل کی جمع عجاجیل اور اس کی مؤنث عجلۃ آتی ہے اور اسے العجل سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش میں عجلت کی اور وہ اس کی پرستش چالیس روز کرتے رہے اس کی سزا انہیں جنگل میں چالیس سال حیران پھرنے سے دی۔ گویا دن کے بدلے ایک سال سزا مقرر کی گئی۔

جَسَدًا یہ عجلا سے بدل ہے یعنی وہ بچھڑا ذو جسد اور ذو دم اور ذو لحم تھا لیکن اس کا جسد سونے کا تھا جس میں روح نہیں تھی اس لئے کہ جسد ہر اس جسم کو کہا جاتا ہے جس میں گوشت اور خون ہو اور ہر اس جثے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں روح نہ ہو۔ **لَهٗ خُوَارٌ** اس گائے سے آواز آتی تھی۔

بچھڑا پرستی کی وجہ اس کی وجہ یوں ہوئی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کوہ طور کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ میں تیس دنوں کے بعد آجاؤں گا لیکن وہاں انہیں چالیس دن گذارنے پڑے۔ سامری نے آپ کی اس دیر سے فائدہ اٹھایا۔

فائدہ یہ سامری بستی سامرہ کا باشی تھا اور بنی اسرائیل میں اس کی بہت بڑی عزت اور اس کی ہر بات مانی جاتی تھی۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم فرعونیوں کے زیورات لے کر انہیں واپس نہیں کر سکے اس کی یہ سزا تمہیں ملی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو تمہارے ہاں واپس لوٹنے کے لئے روک لیا۔ اب وہی زیورات جمع کرکے میرے پاس لاؤ میں انہیں جلا دوں ممکن ہے کہ ہماری اس کاروائی سے اللہ تعالیٰ موسٰی علیہ السلام کو اجازت دے یا پھر تم اس سے سوال کرو کہ اب وہ کس کی عبادت کریں چونکہ بنی اسرائیل کو بچھڑا پرستی کی طرف اس وقت سے میلان تھا جبکہ انہوں نے عمالقہ کو گائے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کی مٹی سے بیجان بچھڑے کو جان ملی سامری نے زیورات کو آگ میں پگھلا کر بچھڑا تیار کر لیا اس لئے کہ وہ زرگر تھا اور سونا چاندی کا کام خوب جانتا تھا پھر اس بچھڑے کے منہ میں مٹی کی چٹکی ڈالی جو کہ اس نے جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور وہ گھوڑی حیات تھی کہ جہاں اس کا پاؤں لگتا وہ جگہ سرسبز ہو جاتی۔ سامری نے یہ مٹی یا تو دریا کو عبور کرنے سے پہلے یا موسٰی علیہ السلام کے کوہ طور کو جاتے وقت اٹھائی ہوگی۔ جب اس سونے کے بناوٹی بچھڑے میں سامری نے مٹی ڈالی تو وہ ذی جسد اور ذی لحم اور ذی دم ہو گیا اور وہ گائے کی سی آواز کر کے بچھڑے کی طرح بھاگنے کودنے لگا۔ سامری نے کہا اے بنی اسرائیلیو! یہ تمہارا اور موسٰی علیہ السلام کا معبود ہے۔ اس وقت بنی اسرائیلیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ بارہ ہزار افراد کے

سوا باقی سب بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سامری نے بچھڑے کو کھوکھلا کر کے تیار کیا اسمیں مخصوص طریقے کی ڈاڑھیں رکھیں پھر اُسے ہوادار جگہ پر رکھدیا۔ جب ہوا اس کے اندر جاتی تو اس سے گائے سی ایک مخصوص آواز نکلتی جس سے بنی اسرائیل کو وہم گذرا کہ یہ زندہ ہے بنی اسرائیل بچھڑے کی یہ کیفیت حالت دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے۔

غلط کار صوفی حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت طرشوشی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ اُن سے سوال ہوا کہ ایک ایسی قوم جو کسی مکان میں بیٹھ کر قرآن پڑھتی ہو پھر وہ اپنے اس اجتماع میں اشعار گائیں اور اُن سے رقص کر کے سرود و مستی کا اظہار کریں اور ساتھ طبل بجائیں کیا ایسے لوگوں کی محفل میں جانا جائز ہے یا نہ انہوں نے فرمایا کہ ایسے غلط کار صوفیوں کا مذکورہ بالا طریقہ نہ صرف جہالت بلکہ باطل محض اور سراسر گمراہی ہے اسلاف صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے۔ رقص اور وجد مذکور کا طریقہ سامری کے یاروں کا ایجاد کردہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ بچھڑے کی آواز سُن کر بنی اسرائیل جھومنے لگے اور رقص و وجد کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا وجد و رقص کا طریقہ کافروں اور بچھڑے کے پجاریوں کا ہے اسلام وقار اور سکون سکھاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ بادشاہوں اور سلطنت کے ذی اثر افسروں پر لازم ہے کہ ایسے غلط کار نام نہاد صوفیوں کو مسجدوں میں نہ آنے دیں اور نہ مسلمانوں کی دوسری تقاریب میں تاکہ عوام میں اُن کا بُرا اثر نہ پھیلے اور نہ کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اُن کی مجلسوں میں جائے اور نہ ہی اُن کی کسی قسم کی مدد کرے۔ یہی امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر آئمہ کا مذاہب ہے (حیاۃ العیون)

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ سماع (مزامیر وغیرہ) پر رقص ناجائز ہے۔

مسئلہ ذخیرہ میں ہے کہ سماع پر رقص وغیرہ گناہ کبیرہ ہے۔

اولیاء اللہ اور سچے صوفیا کا وجد اور رقص مشائخ صوفیائے کرام یعنی اولیاء عظام کے ہاں وہ وجد اور رقص مباح ہے جس میں رقص کرنے والا اتنا مدہوش ہو کہ اُسے اپنی بھی خبر نہ ہو کہ اور اس کی ہر حرکت رعشہ کے بیمار کی سی ہو۔ اسی طرح سماع (بلا مزامیر) بھی وہی جائز ہے جو قرآنی آداب اور وعظ و نصیحت کے طور ہو اگر عام قوالی کی طرح ہو تو وہ بھی حرام ہے اس لئے کہ سرود اور قوالی (سماع) حرام ہے

حلال سماع کے شرائط مشائخ صوفیائے کرام کے نزدیک سماع اس شخص کے لئے مباح ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے آزاد اور تقویٰ و طہارت کی تصویر ہو اور اسے سماع کی ایسی ضرورت

محسوس ہو جیسے بیمار کو دوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے سماع کے متعلق مشائخ نے چند شرائط قائم فرمائے ہیں۔

① مجلس میں کوئی بے ریش لڑکا نہ ہو۔

② اس میں سب کے سب اہل ہوں جنہیں سماع کے آداب سے واقفیت اور شرع مطہرہ کے عاشق ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان میں کوئی فاسق و فاجر نہ ہو اور نہ ان میں کوئی اہل دنیا اور نہ ہی کوئی عورت۔

③ قوال کی نیت میں بھی اخلاص ہو اور وہ اجرت کے طور یا اور کسی لالچ پر قوالی نہ کرے۔

④ طعام یا فتوحات کی لالچ میں ان (صوفیوں) کا اجتماع نہ ہو۔

⑤ وجد و رقص کی اجازت صرف صاحب حال کو ہو اور وارفتگی میں تصنع کے مرتکب کو کسی قسم کی اجازت نہ ہو۔

⑥ وجد کرنے کے لئے صرف صاحب وجد کھڑا ہو باقی خواہ مخواہ نہ اٹھیں۔

حضرت شیخ عمر بن الفارض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قصیدہ موسوم بہ نظم الدار میں فرمایا ؎

اذا هام شوقا بالمناغی وهم ان
یطیر الیٰ اوطانہ الاولیۃ
یسکن بالتحریک وهو بمهدہ
اذا نالہ ایدی المربی بهزۃ

ترجمہ معہ شرح از امام قاشانی جب ولی کامل حیران و مضطرب ہو کر مرکز اصلی اور وطن اوّلی کی طرف سرود کے نغموں کی وجہ سے اچھلتا ہے یا اس کی روح کا پرندہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اصلی اور ازلی گھونسلے کو جائے تو اُسے اس کا مربی و مرشد تھپکیوں سے مہد سے سُلا دیتا ہے اس وجہ سے جنبش اچھلنے کو دینے سے سکون اختیار کر لیتا ہے اس سے شیخ کا مقصد صرف سماع کے فوائد کا اظہار ہے اور بتانا ہے کہ کاملین کا رقص اور وجد اور ان کا اچھلنا کودنا خالی از اسرار نہیں وہ یہی ہے کہ کامل کی روح سماع کے وقت اصلی کی طرف جانا چاہتی ہے بلکہ بدن سے نکل کر اس عالم قدس میں پہنچنے کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے لیکن عالم دنیا کا نظام اسے تھپکیاں دے کر ساکن کر دیتا ہے کہ ابھی تمہارے جانے کے لئے دیر ہے وہ اس لئے کہ قادر مطلق نے اس کا میعاد مقرر کیا ہے اس سے پہلے جانے کی اجازت نہیں ہے اور عزیز علیم کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① مکن عیب درویش مدہوش و مست
که غرقست ازاں می زند پا و دست

② نگویم سماع اے برادر کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست!

③ گر از برج معنے پرد طیر او
فرشتہ فرماند از سیر او

④ اگر مرد بازی و لہو است و لاغ
قوی تر شود دیوش اندر دماغ

⑤ چہ مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ ① مدہوش و مست درویش پر عیب نہ کر کیونکہ وہ تو غرق دیدار ہے اسی لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔
② میں نہیں کہتا (اے بھائی) سماع کیا ہے ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ سننے والا کیسا ہے۔
③ اگر برج معنیٰ سے اس کا پرندہ (روح) پرواز کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کی پرواز سے عاجز ہوں (ایسے چشتی وغیرہ کو سماع جائز ہے۔
④ اگر وہ (چشتی صاحب) لہو ولعب اور کھیل تماشہ والا ہے تو اس کا دیو (نفس) دماغ اور طاقت ور ہوجائے گا (یعنی خواہشات نفسانی میں اضافہ ہوگا۔
⑤ اس لئے کہ ایسے (چشتی صاحب) کا سماع شہوت پرستی ہوگی یہ تو آواز خوش سے بیدار ہوتا ہے نہ کہ مست۔

فائدہ حضرت سروری نے فرمایا کہ چونکہ سماع حرکت کا سبب بنتا ہے اس لئے حرکت کو سماع کہا جانے لگا گویا سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے۔

فائدہ جب کسی کی خوش آواز سے حالت غیر ہوجائے تو اس حالت کو غیر صوفیا کرام کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ درو باشد خیال اجتماع

② قوتے گیرد خیالات ضمیر
بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر

ترجمہ: ① عشاق (چشتیہ وغیرہ) کے لئے سماع غذا ہے اس لئے اس میں تو اجتماع (وصال) کا تصور ہے
② ضمیر خیالات سے قوت پاتی ہے بلکہ سماع کی آواز سے تو ایک صورت تیار ہوتی ہے۔

سچے صوفیوں کی اقسام یاد رہے کہ وجد بھی متلون اور مبتدی کو ہوتا ہے اور منکر (یعنی ملتہد وجد سے کوسوں دور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں سماع سے توبہ فرمائی تھی صوفیوں کی تین اقسام ہیں۔

① متواجد
② اہل وجد
③ اہل وجود

پہلا وہ مبتدی صوفی جسے ضعیف انجذاب ہوتا ہے دوسرا متوسط ہے جسے قوی انجذاب ہوتا ہے تیسرے ایسے ہی انجذاب قوی ہوتا ہے لیکن وہ ظاہری طور اچھلتا کودتا نہیں بلکہ معنوی طور اندرون خانہ ہنگامہ ہاؤ کی ہے جو صرف اسے معلوم ہوتا ہے اُس کی کیفیت یہ کہ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست۔

سبق عشق اور وجد اور رقص سماع کے وقت وجد و رقص کی حرکت میں صداقت ضروری ہے (ورنہ صداقت نہیں)۔

خلاصہ کلام علمائے کرام میں سماع کے متعلق اختلاف ہے بعض جواز کے قائل ہیں بعض انکار کرتے ہیں اس کے بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ چونکہ سالکین راہِ حق مختلف طبائع رکھتے ہیں بنا بریں اختلاف چاہیے شرع کا پابند ہو اور اس میں سماع کی اہلیت و لیاقت بھی ہو تو اس کے لئے سماع وجد و رقص وغیرہ جائز ہے ورنہ ناجائز۔

فائدہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے اور شیخ الحاج بیرم ولی قدری سرہٗ کے سلسلہ میں وجد و رقص وغیرہ کا کوئی جواز نہیں اس لئے کہ یہ اُمور ان مبتدیوں کے لئے متعین کئے گئے ہیں جنہیں وساوس و خواطر شیطانی و نفسانی حائل ہوں اور ہمارے ہاں ان کا توحید سے بہتر علاج موجود ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توحید کی تلقین پر زور دیا ہے۔

علم موسیقی کا ایجاد و نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و علی رضی اللہ عنہ کی کہانی منقول ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضورِ نبی کریم معہ رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی کہ مجھے عبادت میں لذت و ذوق محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے انہیں توحید کی تلقین فرما کر وصیت فرمائی کہ آثارِ توحید کے ظہور تک کسی سے گفتگو نہ کرنا۔ جب شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باطن انوارِ توحید سے لبریز ہوا تو آپ بولنے پر مجبور ہو گئے لیکن امر نبوی کے پابند تھے اس لئے مجبور ہو کر جنگل میں چلے گئے۔ جنگل میں ایک کنوئیں میں جھانک کر کچھ بولے تو اُس سے ایک بانس پیدا ہوا۔ اسے

ایک چرواہے نے کاٹ کر بانسری تیار کی اس وقت سے علم موسیقی ایجاد ہوا (واللہ اعلم)

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسمی عبدالمومن نے افلاک کی بازگشت کی آواز سنی تو اس سے اس نے فن موسیقی تیار کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کے اصول بروج کے مطابق بارہ ہیں لیکن ان کی صدا ایک طرز پر ہے مگر حضرت انسان اس سے بھی مزید قابلیت رکھتا ہے۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ "جلوتیہ بفتح الجیم" طریقہ میں نہ سرود ہے نہ وجد اور نہ رقص۔ اس میں توحید کا راز کافی ہے اور پھر ذکر و فکر کر اٹھتے بیٹھتے اس پر مداومت کی جاتی ہے جو چند شرائط و آداب پر مشتمل ہے۔

فائدہ البتہ سماع اور وجد و رقص (خلوتیہ بفتح الخاء) کے طریقہ میں شامل ہے کہ وہ اس کو اپنے اکابر و اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ سے لو د و ثی طور عامل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی اگر شرائط و آداب کی پابندی کے ساتھ ہو تو ممدوح و مفعول ہے ورنہ مذموم و مردود[1]۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کو سماع کا خوگر پاتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ شرائط و آداب بجا لانا تو بڑی بات ہے الٹا سماع کی اصلی غرض کے خلاف چلتے ہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جس میں اس کی سلامتی اور فلاح ہو خواہ مخواہ آوارہ گفتگو اور بے کار قیل و قال سے احتراز کرے اور نہ ہی بلا وجہ کسی سماع کے عاشق و عامل پر اعتراض کرے اس لئے کہ لِكُلِّ زَمَانٍ رِجَالٌ وَلِكُلِّ رجال مقام وحال ہر زمانہ میں مردانِ خدا حاضر و رہتے ہیں اور ہر مردِ مولیٰ کا اپنا مقام اور انکا حال ہوتا ہے۔ ہمیں ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرنی چاہیئے[2]۔

سچے جھوٹے صوفی کی پہچان حضرت شیخ ابوالعباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تصوف کا دم بھرتا ہو اور پھر ظالم اور فاسق فاجر لوگوں کے مال سے پیٹ کا تنور بھرتا ہو تو سمجھ لو کہ وہ کذاب اور یہودیت کا کھلونا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سمّٰعون لِلْکَذِبِ اکّٰلون للسحت جھوٹ سننے کے عادی اور حرام کھانے کے خوگر ہیں۔

سبق حضرت الشیخ الحاتمی نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں نہ سماع جائز ہے اور نہ ہی ایسے شیخ کو مقتدا بنایا جائے جو سماع کا قائل ہے اس لئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مجالس سماع میں حسین و جمیل

---

[1] ہمارے دور میں چشتیہ سلسلہ کے حضرات سماع پر بڑا زور دیتے ہیں لیکن افسوس کہ شرائط و آداب انمیں بھی مفقود ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

[2] جیسے دیوبندی وہابی اور ان کے تمام فرقے مودودی وغیرہ وغیرہ کا وطیرہ ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

بے ریش لڑکے اور عورتیں شامل ہوتی ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ یہ سب راہِ سلوک کے لئے ایک بڑی آفت ہیں بلکہ ان کی صحبت اور اُن کے ساتھ میل جول سالک کے لئے زہر قاتل ہے بلکہ یہی بیماری جو سالک کو آناً فاناً تباہ و برباد کردیتی ہے اس لئے کہ یہ گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا بہترین آلہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیطان کے مکر تباہی سے پناہ مانگتے ہیں وہی طریق وصال کا ہادی اور اپنی ذات وصفات سے پردے ہٹانے والا اور اپنے جلال وجمال کے بعد کمال تک پہنچانے والا ہے وہی سب کا مالک اور ہر طریق کا رفیق ہے

اَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا یا انہیں کہ اَنَّهٗ بے شک وہ بچھڑا لَا یُكَلِّمُهُمْ اُن سے گفتگو نہیں کرتا یعنی اُن کی الوہیت کے احکام میں سے ایک بھی نہیں کہ جب وہ گفتگو پر بھی قادر نہیں تو پھر امر و نہی خاک کرے گا۔

وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا م اور نہ ہی انہیں سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے یعنی اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ کسی کو بھلائی کا راہ دکھائے تاکہ لوگ اُس کا حکم سُن کر نیکی کریں اور نہ ہی وہ کسی کو برائی سے روک سکتا ہے تاکہ لوگ اس کے روکنے سے برائی نہ کریں۔

اِتَّخَذُوْهُ انہوں نے اس بچھڑے کو معبود بنا لیا حالانکہ اس میں الوہیّت کی کوئی علامت بھی نہیں کہ وہ نہ کسی سے گفتگو کرسکتا ہے اگر وہ معبود ہوتا تو ضرور اُن سے بولتا اور انہیں ہدایت کا راستہ بتاتا اس لئے کہ معبود اپنے پرستاروں کو بے کار نہیں رہنے دیتا۔ انہیں فوائد اور بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔

سوال اتخذوہ کو مکرر کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ اُن کے معبودِ باطل کی مذمت میں مبالغہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس خیال میں مبتلا ہو گئے کہ وہی بچھڑا خالق الاجسام والقوی القدر ہے۔

وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ہ اور تھے وہ ظالم یعنی امور حقیقیہ (عبادت وغیرہ) کو اپنے اصلی محل وقوع پر غیر کو دکھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچھڑا کی عبادت میں نہ صرف یہی مبتلا ہوئے بلکہ ان سے قبل اور بھی اس غلطی کا شکار ہوئے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑ کر اُسے پوجنا اور ہے اور جس نے پیدا کیا اس کی عبادت کرنا اور یعنی ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے ؎

آنرا کہ تو ساختی نسازد کارت

سازندۂ تو ہست در دو عالم یارت

ترجمہ: جسے تو نے کارساز بنا رکھا ہے تیرا کام نہ بنائے گا وہی کارساز حقیقی ہی دونوں عالم میں تیرا مددگار ہوگا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیٓ اَیۡدِیۡهِمۡ جب وہ اپنے ہاتھوں پریشان ہوئے (یہ سخت ندامت میں کہا اس لئے کہ جس کی ندامت حد سے بڑھ جائے تو ہاتھ چباتا ہے اور اپنا ہاتھ منہ میں دباتا ہے گویا اُن کا مُنہ اُن کے ہاتھ میں آگیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بچھڑے کی عبادت سے سخت نادم ہوئے اور سُقِطَ کا مسند الیہ فِیٓ اَیۡدِیۡهِمۡ ہے۔

وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرکے گمراہ ہوگئے ہیں اور ان کا یہ علم بمنزلہ یقین کے تھا۔ اس لئے اسے رویت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا انہوں نے اپنی گمراہی آنکھوں سے دیکھ لی۔

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا انہوں نے کہا کہ تورات نازل کرکے اگر ہمارے رب تعالیٰ نے ہم پر رحم نہ کیا چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نزول سے اُن کے گناہ جھڑ جائیں گے۔ اس لئے نزول تورات کا پروگرام سامنے رکھا وَيَغۡفِرۡ لَنَا اور اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔

لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ تو ہم زیاں کار اور ہلاک شدگاں سے ہوجائیں گے؟

سوال مذکورہ بالا امور یعنی اظہار ندامت وگناہوں کا اعتراف وغیرہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور کی واپسی پر واقعہ ہوئے چنانچہ سورۃ طٰہٰ کے آیات سے واضح ہوتا ہے؟

جواب یہاں پر واقع کی تقدیم میں اشارہ کیا گیا کہ وہ ایک ہی واقعہ تھا جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے کہ ایک ہی مضمون کے آیات مختلف مقامات پہ مقدم و مؤخر کرکے بیان کرتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰٓى اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس لوٹے اِلٰى قَوۡمِهٖ اپنی قوم کی طرف درانحالیکہ غَضۡبَانَ اَسِفًا غضبناک اور غصہ ور تھے۔ غضبان سخت غضبناک انسان کو کہتے ہیں ایسے ہی اَسِفًا مثلاً کہا جاتا ہے آسِفَنِیۡ فاسقت ای آغضبنی فَغَضِبۡتُ یعنی فلاں نے مجھے غصہ دلایا تو میں نے غصہ کیا۔ اس محاورہ سے بقول باری تعالیٰ فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ۔

موسیٰ علیہ السلام کا غیب جاننا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس تشریف لانے سے پہلے ہی قوم کی بچھڑا پرستی کا علم ہوگیا اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ہمکلامی کے وقت اُن کے حالات بتا دیئے۔

قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے بعد تم نے بہت بُرا کیا یعنی میرے کوہ طور پہ چلے جانے اور میری عدم موجودگی میں تم نے بچھڑے کی پرستش کرکے بہت بُرا عمل کیا۔

خلف ہر اس بُرے عمل کو کہتے ہیں جو کسی کی عدم موجودگی میں کیا جائے۔ بِئۡسَمَا میں ما نکرہ موصوفہ ہے

جو بِئْسَ کے فاعل کی تفسیر بند واقع ہوا ہے اور بِئْسَ کا فاعل ضمیر ہے جو بِئْسَ میں ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے بِئْسَ خلافۃ خَلَفْتُمُوْنِیْھَا مِنْ بعد خلافتکم اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّکُمْ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے عجلت کی ہے یعنی تم نے اس کے حکم کو نا مکمل سمجھ کر چھوڑ دیا۔

سوال عجل متعدی بعن ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے عجل عن الامر یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ادھورا چھوڑ دے اس کی نقیض تم الامر آتی ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کام مکمل کر دے۔ یہاں براہِ راست متعدی کیوں؟

جواب یہاں عجل بمعنےٰ سبق ہے اور سبق بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر عجلت کی وہ اس لئے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کا واپسی کا انتظار ضروری تھا جب تک وہ واپس تشریف نہ لاتے اُن کے عہد و پیمان اور اُن کی وصیت پر ڈٹے رہتے۔

فائدہ یہ امر یا تو امر واحد ہے یا بمعنے ماموربہ ہے اور العجلۃ بمعنے شے کو وقت مقررسے پہلے عمل میں لانا اس لئے کہ یہ مذموم ہے بخلاف سرعۃ کے کہ وہ مذموم نہیں اس لئے کہ سرعۃ شئے کو اوّل وقت میں عمل میں لانے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے رُوح کے صفات تم نے وقت سے پہلے دنیا اور اُس کی زینت اور اس کے تعلق پیدا کرنے میں جلدی کی ہے کہ ابھی اُس کے متعلق اللّٰہ تعالیٰ نے حکم صادر نہیں فرمایا تھا کہ تم نے مذکورہ بالا امور پر عمل کرنا شروع کر دیا اس میں اشارہ ہے کہ ارباب طلب اور اصحاب سلوک پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہ دیں اور نہ ہی اثنا طلب و سلوک اس سے تعلق پیدا کریں تا کہ دنیا کی طرف توجہ اور تعلق کی وجہ سے حق سے منقطع نہ ہو جائیں ہاں جب نفس اور خواہش کے جنگل کو طے کر کے وصالِ یار کے کعبہ تک پہنچ جائیں تو پھر ان کے لئے صرف اتنا اجازت ہے کہ وہ خلق کو حق سے ملانے اور دعوتِ حق اور صحیح طریق سے دنیا و عقبیٰ پر چلانے کے لئے اگر وہ دنیا کی طرف رجوع کریں تو جائز ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ اور موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں کہ جنمیں تورات رکھی تھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دیں۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا موسیٰ علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ کہ ہارون علیہ السلام کو اپنی طرف غصہ سے کھینچتے تھے۔ ان کا یہ کھینچنا اہانت کے طور نہیں بلکہ بطورِ عتاب تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ اس خیال پر تھا کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہدایت دینے میں کوتاہی کی حالانکہ انہوں نے حتی الامکان انہیں گمراہی سے بچانے میں بڑی جدوجہد فرمائی لیکن چونکہ حلیم الطبع

اور نرم دل تھے اس لئے بنی اسرائیل کو بھی محبوب تر تھے۔ ویسے سن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔
قَالَ ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ابْنَ اُمَّ اے میری ماں جائے (بھائی) یہاں پر حرف ندا ندا محذوف ہے۔ دراصل یا ابن اُمّا تھا۔ اُمّا کا الف بھی حذف کر دیا گیا۔ یہ الف دراصل یائے متکلم سے مبدل ہو کر آیا تھا۔ الف کو حذف کر کے فتح پر اکتفا کیا گیا تاکہ مزید تخفیف حاصل ہو اس لئے کہ اضافت در اضافت سے کلام طویل ہو گیا ہے اور ندا میں تخفیف مطلوب ہوتی ہے۔

سوال حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن آیت میں صرف ماں کا ذکر کیوں؟

جواب تاکہ ماں کے نام لینے سے اُن پر موسیٰ علیہ السلام رحم فرمائیں گویا موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے متوجہ کرنے کی نیت سے ماں کا نام لیا اور یہی عرب طریقہ بھی ہے (بلکہ اکثر ممالک میں یہی دستور ہے)۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ز بے شک قوم نے مجھے عاجز سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے مار ڈالتے یہ ہارون علیہ السلام نے اس لئے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ وہم دُور ہو کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو بُرائی سے روکنے میں کوتاہی کی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ میں نے انہیں برائی سے بچانے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن وہ مجھ پر غالب آ گئے بلکہ قریب تھا کہ وہ مجھے اس کی پاداشی میں قتل کر ڈالتے۔

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ پس میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کرو اور ایسا عمل نہ کیجئے کہ اُن کی آرزوئیں پوری ہوں کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ میری اہانت ہو مثلاً کہا جاتا ہے شمت بہ یشمت از باب علم یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی کو دشمن سے دکھ اور تکلیف پہنچے پھر اسے متعدی کر کے باب افعال پر لایا گیا۔ شماتت بمعنے کسی کے دُکھ پر خوش ہونا اور وہ دُکھ اور بوا سے دشمن سے پہنچے اور یہ لفظ باء سے متعدی ہوتا ہے اور شمات بمعنے شادکام کردن دشمن را (کذا فی تاج المصادر) - اور ظاہر ہے کہ دشمن کا شادکام ہونا تمام مصائب اشد ہے۔ اس لئے عربوں کا مقولہ مشہور ہے کہ الموت دون شماتۃ الاعداء" یعنی موت کی سختی دشمنوں کی شادکامی سے بہت کم ہے۔

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ o اور مجھے قوم ظالمین سے نہ ملایئے یعنی مواخذہ یا قصوروار ہونے میں مجھے ظالم قوم میں شمار نہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ ہارون سے قلب اور موسیٰ سے رُوح مراد ہے اور قلب رُوح کا بھائی ہے اور اعدا سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانیہ مراد ہیں اور قوم ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے بچھڑے کی پرستش کی اور اس سے قلب کے صفات مراد ہیں اب معنے یہ ہوا کہ قلب کی صفات کی رعونات سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیاروں کی مکاری اور اُن کی رعونات اور اُن کی غلط کاریاں ارباب طریقت سے ہو ہی جاتی ہیں لیکن قلب من حیث ہو اپنی فطرت و جبلت سے متغیر نہیں ہوتی اور اُس کی فطرت و جبلت

حبِّ و طلبِ دنیا ہے البتہ نفس کے صفات میں تغیر ہوتا ہے تو لوّامہ بن جاتا ہے اگر لوّامہ ہے تو مُلہمہ ہو جاتا ہے اگر مُلہمہ ہے تو مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اُسے رجوع الی الحق کا خوگر بھی بنایا جا سکتا ہے یاد رہے کہ اس سے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی غفلت برتی جائے تو جس حال میں بھی ہو امارتیت کی طرف لوٹ جانے میں دیر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اپنی جبلت و فطرت پر رکھے اور اس کی فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ یہ جملہ متانفہ بیانیہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے یعنی وہ عمل جو میں نے اپنے بھائی کو بلا وجہ مارا ہے حالانکہ اُن کا کوئی قصور نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو بے قصور مان لیا لیکن تاہم اُن سے ظاہری طور بنی اسرائیل کو گمراہی سے نہ روکنے کا عمل واضح ہے اس لئے اُن کے لئے بھی عرض کی وَلِاَخِیْ اور میرے بھائی کو بھی معاف کیجئے اُن سے بنی اسرائیل کو گمراہی سے نہ روکنے کا فعل صادر ہوا۔

نکتہ انبیاء علیہم السلام کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے اور وہ گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود استغفار کر رہے ہیں اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ بھائی کو مارا اور اُدھر ان کے دشمن خوش ہوئے تو اب آپ نے اپنے لئے استغفار فرمائی تاکہ بھائی خوش ہو جائے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام انہیں بے قصور سمجھتے ہیں اور اُدھر دشمنوں کی غلط فہمی بھی دور ہو کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں گرے ہوئے نہیں بلکہ معزز ترین بزرگ ہیں اور بھائی کے لئے استغفار میں یہ حکمت تھی کہ بھائی کو معلوم ہو اگرچہ وہ اپنے اس معاملہ میں بے قصور ہیں لیکن تاہم استغفار سے مستغنی نہیں اور انہیں متنبہ کیا کہ بنی اسرائیل کی غلطی پر صرف جدوجہد کافی نہیں تھی بلکہ وہ ان سے ایسی غلطی پر جنگ کرتے اُن سے جنگ نہ کرنا بھی ایک قسم کا قصور ہے اگرچہ وہ اسے کہ مامور بہ نہیں تھے لیکن حقیقۃً اُن کی کوتاہی تھی اس لئے اُن کے لئے بھی استغفار فرمائی۔

وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما یعنی مزید انعامات سے نوازیئے بعد اس کے کہ ہماری موجودہ کمی کی معافی عطا ہو۔

فائدہ حدادی نے فرمایا اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ قصور معاف فرما کر بہشت عطا فرمانا یعنی رحمت سے بہشت مُراد ہے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ؁ اور تو ارحم الراحمین ہے یعنی تو ہمارے لئے ہمارے آباؤ امہات بلکہ خود اپنے نفسوں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔

حکایت ماں کی نافرمانی کی مروی ہے کہ ایک شخص کی موت کے وقت کلمہ شہادت کے لئے زبان بند ہو گئی بہت بڑی جدوجہد کے باوجود زبان نہ کھلی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ

میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ زمین نے اُسے چھوڑا تو قابیل نے کہا یا اللہ میرے باپ سے بھی تو غلطی ہو گئی تھی لیکن اسے یہ سزا نہ ملی مجھے کیوں اتنی بڑی سزا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُس سے ایک غلطی ہوئی تو دو غلطیوں کا مرتکب ہوا ہے ایک میری بے فرمانی دوسری باپ کی نا فرمانی کہ تو نے اس کے حکم کے خلاف اپنے بھائی کو قتل کر دیا دوبارہ پھر آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا قابیل کو پکڑ لے۔ زمین نے اُسے دھنسا دیا قابیل نے زمین سے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مجھے چھوڑ دے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں زمین نے اُسے چھوڑ دیا تو قابیل نے کہا یا الٰہ العٰلمین ابلیس نے بھی تو تیری نا فرمانی کی تھی اُسے اتنی سزا نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کی طرح جواب دیا پھر قابیل نے کہا یا اللہ کیا تیرے ننانوے اسمأ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں قابیل نے عرض کی تو کیا رحمٰن و رحیم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اُس نے عرض کی کیا تیرا نام رحمٰن اس لئے نہیں کہ تو کثیر الرحمۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر اُس نے عرض کیا اگر تیرا ارادہ میرے ہلاک کرنے کا مصمم ہے تو پھر اپنے اسمأ سے رحمٰن و رحیم کو نکال دے پھر مجھے ہلاک فرما دے۔ اس لئے کہ بندے کے ایک جرم سے اتنی بڑی سزا حرفت رحمت کے مقتضٰی سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا اسے چھوڑ دے۔

سبق جب کافر کے لئے اتنی بڑی رحمت ہے تو پھر مؤمن کے لئے کتنی رحمت ہو گی فصوٗ دار انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہر حاجت اپنے مالک سے طلب کرے اور وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ کے لئے استغفار کرے تاکہ رحمت میں داخل ہونے کے لائق ہو جائے اور اُس کی رحمت سے جنت الفردوس مراد ہے۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا ؎

سیاہ نامہ تر از خود کسے نمے بینم
چگونہ چوں قلم دود لبسر نرود

ترجمہ: میں سیاہ عملنامہ اپنے سے زیادہ اور کسی کا نہیں دیکھتا کیسے قلم کی طرح میرے دل سے سیاہی نہ لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ رب اغفرلی میں سیر الی الصفات کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ مغفرت و رحمت صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ پھر موسٰی روح اور اُس کے بھائی ہارون قلب میں اشارہ ہے کہ انہیں جذبہ الٰہیہ کے قبول کرنے کی استعداد ہے کہ یہی جذبہ الٰہی انہیں صفات تک پہنچائیں گے وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اور تو ارحم الرحمین ہے اس لئے کہ تیرے غیر میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنی صفات میں غیر کو داخل کرے لیکن تو چاہتا ہے اُس پر قدرت بھی رکھتا ہے چنانچہ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ اس پر دلالت کرتا ہے کذا فی التاویلات النجمیہ)

علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے بھی اُسے کلمہ کی تلقین فرمائی لیکن اُس کی زبان نہ چلی آپ نے فرمایا کہ کیا وہ نماز نہیں پڑھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ بہت بڑا نمازی تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ روزے نہیں رکھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ روزے بھی رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ماں باپ کا نافرمان تو نہیں۔ سب نے عرض کی ہاں یہ ماں کا نافرمان تھا۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں زندہ ہے اُسے میرے ہاں لاؤ۔ اس کی والدہ بوڑھی اور نابینا تھی۔ اُسے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنے بیٹے کو معاف کرتی ہے یا نہ اُس نے عرض کی میں اسے کبھی معاف نہ کروں گی اس لئے کہ اس نے مجھے ایک دن ایسا زور سے تھپیڑ مارا کہ میری آنکھ نکل گئی۔ آپ نے فرمایا لکڑیاں جمع کرو اور آگ لاؤ۔ بڑھیا نے عرض کی یہ کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے بیٹے کو تیرے سامنے جلاتا ہوں تاکہ اُسے تیری نافرمانی کی سزا ملے۔ اُس نے عرض کی میں نے اُسے نوماہ پیٹ میں اُٹھایا اور دو سال دودھ پلایا صرف اس لئے کہ میں اسے جلتا ہوا دیکھوں پھر ماں کی مامتا کہاں گئی۔ جب اس کی اس حالت پر رحم آیا تو اُس کی زبان کلمہ شہادت کے لئے کھل گئی۔

نکتہ ماں صفت رحیمیہ رکھتی ہے جو رحمانیہ کی صفت سے درجہ میں کم ہے جب وہ اتنا کم درجہ کی مظہر نے بچے کو جلانے کی اجازت نہ دے سکی تو پھر وہ قادر کریم بہت بڑی رحمت کا مالک اپنے بندوں کو جہنم میں جلانے کی کیسے اجازت دے گا۔ لیکن ہر وہ بندۂ مؤمن جو کلمہ شہادت پہ ستر سال (مثلاً) مواظبت کرے حالانکہ وہ تو ارحم الرحمین ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) لطف خدا بیشتر از جرم ماست
نکتہ سربستہ چہ دانی خموش

(۲) دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ می رسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: (۱) اللہ کا لطف ہمارے جرم سے زیادہ ہے اے بندۂ خدا تو سربستہ راز کو کیا جانے اسی لئے خاموش ہو۔

(۲) اے دل تو دوست کے لطف بے نہایت سے طمع نہ چھوڑ کیونکہ اس کا بے نہایت لطف سب کو پہنچتا ہے۔

قابیل اور وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اہل تفاسیر سے منقول ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قابیل کو پکڑ لے۔ چنانچہ جب زمین نے قابیل کو پکڑا تو اُس نے کہا کہ اے زمین خدا کا نام مان مجھے چھوڑ دے

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ○ وَالَّذِينَ عَمِلُوا
السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ
وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ○
وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا
بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ
وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ
الْغَافِرِينَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ
وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ○ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ
يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ
عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي
أُنزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

ترجمہ: بے شک وہ جو بچھڑا لے بیٹھے عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب اور ذلت پہنچنا ہے دنیا کی زندگی میں اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں افترا پردازوں کو اور جنہوں نے برائیاں کیں اور ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے تو اس کے بعد تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے اور جب موسیٰ کا غصہ تھما تختیاں اٹھا لیں اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت ہے ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے لئے چنے پھر جب انہیں زلزلہ نے لیا موسیٰ نے عرض کی کہ اے میرے رب تو چاہتا تو پہلے ہی انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھلائے جسے چاہے تو ہمارا مولا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں ہم بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ بے شک ان لوگوں کو کہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا اور وہ سامری اور اس کے دوسرے ہمنوا (کہ جن میں بچھڑے کی پرستش گھر کر چکی تھی) کی طرح بچھڑے کی عبادت پر مدامت کی سَیَنَالُهُمۡ انہیں آخرت میں پہنچے گا غَضَبٌ بہت بڑا غضب جو ہونے والا ہے مِّنۡ رَّبِّهِمۡ اُن کے رب تعالیٰ سے اس لئے کہ ان کا جرم تمام جرائم اور تمام غلطیوں سے بہت بڑی غلطی تھی۔

فائدہ یہاں پر غضب سے اس کی غایت مراد ہے یعنی انتقام و تعذیب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غضب کا حقیقی معنے مراد لینا محال ہے۔

وَ ذِلَّةٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا اور دنیوی زندگی کی ذلت و خواری مثلاً غریبی و مفلسی اور مسکینی اُن کو اور اُن کی اولاد کو لازم رہے گی اور سامری کو بھی ذلت و خواری میں مبتلا کیا گیا کہ اس کے بعد اسے تنہا زندگی بسر کرنا پڑی اور بلا وجہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا رہا۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے قتل نہ کیجئے

اس لئے کہ یہ سختی ہے البتہ اسے شہر بدر کردیں اور اسے زندگی بھر مصیبت میں مبتلا رکھا جائے گا اور جو بھی اس کے حال سے بے خبری سے اس سے ملاقات کرے گا تو وہ اُسے کہے گا لَا مِسَاسَ یعنی مجھے ہاتھ نہ لگا اور نہ میں تجھے ہاتھ لگاتا ہوں اگر کسی کا بے خبری سے اس کو ہاتھ لگ جاتا تو وہ شخص عمر بھر بخار میں مبتلا رہتا۔

اعجوبہ یہی حالت اس کی اولاد میں تا حال موجود ہے۔

سوال جرم تو سامری نے کیا تو پھر اُس کی اولاد کو کیوں ایسے عذاب میں مبتلا کیا گیا؟

جواب عبرت کے لئے یہ طریقہ عام ہے کہ اسلاف کی نحوست اخلاف پر بھی پڑتی ہے جیسے اسلاف کی برکات ان کے اخلاف کو نصیب ہوتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا بہت بڑا جرم عظیم ہے اور وہ افترا یہی تھا کہ سامری نے بنی اسرائیل سے بچھڑے کے بارے میں کہا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۔

نکتہ سامری جیسا نہ پہلے کسی نے افترا کیا اور نہ ہی تا قیامت ایسا افترا کوئی کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اور وہ لوگ جو برائیاں کریں ثُمَّ تَابُوْا پھر اُس سے تائب ہوں مِنْۢ بَعْدِهَا اور ان برائیوں کے ارتکاب کے بعد وَاٰمَنُوْٓا اور ایمان لائیں یعنی خالص و مخلص ہو کر صحیح طور پر ایمان قبول کریں پھر ایمان صحیح کے تقاضا کے مطابق عمل صالح میں مشغول ہو جائیں۔ پھر برائیوں کا ارتکاب نہ کریں اور نہ ہی پہلے گروہوں کی طرح برائیوں پر مصر ہوں۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک تیرا رب اُن کی سچی توبہ مع الایمان کے بعد لَغَفُوْرٌ ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے خواہ کتنے بڑے اور زیادہ ہوں رَّحِيْمٌ اور دینی دنیوی طرح طرح کی رحمت عطا کرتے ہیں بہت بڑا رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ بے شک جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ کے بچھڑے کو معبود بنایا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر نفسانی خواہشات کو معبود سے تعبیر کیا گیا۔ کما قال تعالٰے اراءیت من اتخذ الٰهٗ هواه سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس میں اشارہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی پرستش غضب الٰہی کا موجب ہے چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما عبد فی الارض الٰہٌ ابغض علی اللہ من الھوٰی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خواہشات نفسانی سے مبغوض ترین اور کوئی معبود باطل نہیں۔

نکتہ وہ اس لئے کہ نفسانی خواہش کا پرستار ہمیشہ نفس کی شرارتوں اور اس کی گندی صفات مثلاً صفات حیوانیہ اور سبعیہ (درندگی) اور شیطانیہ میں مبتلا رہتا ہے اور اسے یہ خواہشات نفسانی کے پرستاروں کو ہم ہمیشہ غضب و طرد

والباد و ذلت میں مبتلا رکھیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی قوت اور طاقت حاصل ہے کہ ہمیں خواہشات نفسانی اور دنیاوی علائق اور نفس کی متابعت اور اس کی خواہشات کی پرستاری نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ یہ محض ان کا اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا اس کے بعد تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار کریں اور اس کی سچی طلب میں مشغول ہو جائیں اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا یعنی ان کے ترکِ شہوات و رجوع الی طلب الحق کے بعد لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اُن کی غلطیاں معاف کر کے انہیں قرب و کرامات سے نوازے گا (التاویلات النجمیہ)

فوائد و مسائل شرعیہ اور صوفیانہ چٹکلے

مسئلہ معتزلہ کے نزدیک توبہ مغفرت و رحمت کی علت موجبہ ہے اور ہم اہلسنت کے نزدیک مغفرت و رحمت کے لئے سبب محض ہے۔

مسئلہ توبہ کا لغوی معنیٰ ہے رجوع اگر اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو عذاب سے بچا کر اسے مغفرت و رحمت سے نوازا اگر اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے گناہوں سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی طلب کی۔

مسئلہ توبہ دو قسم ہے

① ظاہری

② باطنی

توبہ ظاہری یہی ہے کہ ظاہر گناہوں سے توبہ کرنا یعنی عزم کر لینا کہ آئندہ شرع مطہرہ کے احکام کی مخالفت نہیں کرے گا اور حتی المقدور طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرے گا اور باطنی توبہ قلب کو باطنی گناہوں سے پاک و صاف کرنا اور باطنی گناہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے۔ حالانکہ سچے سالک کی علامت یہ ہے کہ اگرچہ زبان ذکرِ الٰہی سے خاموش ہو لیکن قلب بدستور ذکر میں مصروف ہو اور نفس کی توبہ یہ ہے کہ نفس علائق دنیا بالکل ختم کر دے اور دائمی طور پاکدامنی اور ہر نیک عمل میں سبقت رکھے اور عقل کی توبہ یہ ہے کہ بواطن آیات و آثار مصنوعات میں تفکر پیدا کرے اور رُوح کی توبہ یہ ہے کہ معارفِ الٰہیہ سے آراستہ و پیراستہ ہو اور سر کی توبہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے رُوگردان ہو کر حضرتِ عُلیا کی طرف متوجہ ہو ۔

① گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش
توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

(۲) عمر اگر بگذشت بے خش ایں دم است
آب توبش دہ اگر او بے نم است

(۳) چہ بر آرند از پشیمانی انین
عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ: (۱) اگر تو نے زندگی بھر اپنا عملنامہ سیاہ کیا اب پچھلے تمام گناہوں سے تائب ہو جا۔
(۲) اگر عمر گذر گئی تو اس کی جڑ ابھی موجود ہے اسے توبہ کا پانی دے اگرچہ وہ اب خشک ہے۔
(۳) کیونکہ گنہگار جب پریشانی سے فریاد کرتے ہیں تو گنہگاروں کی فریاد سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

فائدہ جب بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کے حالات صحیح فرماکر اُس سے روکے ہوئے انعامات لوٹا دیتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا ہے کہ بنی اسرائیل سے کسی نے گائے کے بچھڑے کو اُس کی ماں کے سامنے ذبح کیا تو اس کا ہاتھ سوکھ گیا پھر چند روز بعد ایک چڑیا کے بچے کو دیکھا کہ گھونسلے سے نیچے گر کر چیخ رہا ہے اُس نے اُسے اٹھا کر گھونسلے میں رکھ دیا اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا تو اس کا سوکھا ہوا ہاتھ صحیح فرما دیا۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ توبہ میں جلدی کرے اور عمل صالح میں سبقت رکھے اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حدیث شریف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جو بہشت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا خدانخواستہ کسی وقت گناہ کا ارتکاب ہو تو فوراً کوئی نیکی کر لیا کرو۔ اس لئے کہ ایک نیکی سے دس گنا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا پھر میں نے عرض کی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی نیکی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمام نیکیوں کی سردار ہے ؎

کار نیکو تر بداں جز ذکر نیست

ترجمہ، کوئی نیک کام ذکر سے بڑھ کر نہیں۔ (واللہ الھادی) (اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا یعنی ہارون علیہ السلام کی معذرت اور قوم کی توبہ سے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

سوال سکوت بمعنے کلام کا منقطع ہو جانا اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے قبل ثابت تھا حالانکہ حالت غضب میں

کلام کا تصوّر بھی نہیں ہوتا تو اس کے منقطع ہونے کا کیا معنےٰ ؟

جواب یہاں مجازی معنےٰ مراد ہے یعنی سکوت بمعنے سکون ۔

فائدہ یہاں پر غضب کو بمنزلہ الانسان کے کیا گیا ہے کہ گویا اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کے متعلق بھڑکایا کہ جناب آپ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے بھائی نے اپنے فرض منصبی سے کوتاہی کی ۔ فلہٰذا آپ اُس کی اہانت کیجئے کہ سر کے بال پکڑ کر کھینچئے اور اُسے ایسے ایسے کلمات کہئے اور جو تمہارے ہاتھ میں توراۃ کی تختیاں ہیں وہ بھی پھینک دیجئے یہ کہہ کر گویا وہ غضب خاموش ہوگیا اور اس طرح سے اس کا کلام منقطع ہوگیا ۔ اس میں استعارہ مکینیہ ہے اور سکت اسی استعارہ سے کنایہ ہے ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عبارت یوں تھی وَلَمَّا سَكَتَ مُوْسٰى عَنِ الْغَضَبِ اور یہ مقلوبی طریقہ عرب میں عام ہے چنانچہ کہتے ہیں ادخلت قلسوق فی راسی میں نے اپنی ٹوپی سر میں داخل کی ۔ یہ عبارت بھی مقلوبی ہے اس لئے کہ یہ دراصل راسی فی قلسوق ۔

اَخَذَ الْاَلْوَاحَ جیسے اٹھایا اُس نے تختیوں کو ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام نے غصّہ میں پھینک دی تھیں وہ نہ تو ٹوٹیں اور نہ ہی اُن میں سے کوئی تختی آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر پھینکیں تو ان میں سے بعض تختیاں آسمان پر اُٹھائی گئیں ۔ وَفِیْ نُسْخَتِهَا حالانکہ ان تختیوں کی لکھی ہوئی عبارات میں یہاں نُسْخَة بمعنے اصل شئے سے نقل کردہ ہو المکتوبہ عبارات مراد ہیں اور اصل سے لوح محفوظ مراد ہے اس لئے کہ لغت میں کتابت کی شکلوں کو اصل منقول عنہ سے نقل کرنے کو نسخ کہتے ہیں ۔ مثلاً کہا جاتا ہے نسختُ ھٰذا الکتاب مِن ذٰلک الکتاب ای نقلتہٗ عنہ بمعنے میں نے اس کتاب کو اُس سے نقل کیا ۔

هُدًى حق کا بیان تھا یہ مبتدا اور فی نسختہا اُس کی خبر ہے وَرَحْمَةٌ اور مخلوق کے لئے رحمت ۔ اس لئے کہ تورات انہیں خیر اور بھلائی کی رہبری کرے گی ۔ لِلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۔ لِرَبِّهِمْ کی لام فعل مؤخر کے عمل کی تقویت کے لئے ہے جیسے اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُوْنَ میں لام تقویت عمل کے لئے ہے ۔

قاعدہ وہ فعل جو اپنے معمول سے مؤخر ہو جائے تو اُس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اس کے ضعف کو دور کرنے کے لئے لام تقویت کی لائی جاتی ہے ۔

سوال تورات کی ہدایت و رحمت خوف رکھنے والے کے لئے مخصوص کیوں حالانکہ اُسے تو ہر ایک کے لئے ہدایت و رحمت ہونی چاہیئے ؟

جواب چونکہ اس سے صرف وہی نفع پاتے ہیں اسی مناسبت سے صرف انہی کا نام لیا گیا ہے۔

فائدہ بندہ جب سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور حسن عمل سے بہشت کی طرف رغبت کرتا اور فرقت وانقطاع کے دردناک عذاب اور دخول نار سے ڈرتا ہے تو اُسے خوف اور رجائ نا سبب ہو جاتے ہیں اُن کی وجہ سے وہ جو چاہتا ہے اُسے حاصل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ خشیہ صفات حق کے عرفان کے بعد نصیب ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دنیا و خلق سے دوری اور متابعت نفس و شیطان سے فرار چاہیئے اس لئے کہا جاتا ہے رھبرت خیر من رحمت یعنی رحمت سے رہنا بہتر ہے اس لئے کہ سنورنے سے پہلے صفائی ضروری ہوتی ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ بن زکریا علی نبینا وعلیہما السلام نے ایک جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی جس سے آپ کو نیند آگئی تو اُس دن کے اوراد و وظائف قضا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اے یحییٰ تمہیں میری دار سے کوئی اور بہتر دار یا میری جوار رحمت سے کوئی اور جوار یا میری عزت سے اور کوئی بہتر عزت یا میرے جلال سے کوئی افضل جلال حاصل ہوا۔ اگر تم فردوس اعلیٰ کو جھانک لیتے تو اُس کے اشتیاق میں تمہارا جسم پگھل جاتا اور زندگی کو اس کے شوق میں قربان کر دیتے اگر جہنم کو جھانک لیتے تو اس کے ڈر سے خون کے آنسو بہاتے اور زندگی بھر اچھے کپڑے چھوڑ کر ٹاٹ کا لباس پہنے رہتے۔

لطیفہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتے کو مار بھگاؤ اور لاکھ بار دروازے سے ہٹاؤ لیکن جب ایک سوکھا ٹکڑا روٹی کا ڈالو تو وہ پچھلے تمام ظلم و ستم کو بھول جاتا ہے۔ خدا کے خوف رکھنے والوں کو بھی کتے کی طرح اپنے مالک سے طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم

کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ہم وفا کریں گے ملامت کھینچیں گے اور خوش رہیں گے اس لئے کہ ہمارے طریقہ میں ناراض ہونا کفر ہے۔

حدیث شریف جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس سے تمہیں ڈرنا لازم ہے امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا معنے صحیح ہے وہ اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اپنے ساتھی کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں گریز نہیں کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

لا تخافوا ہست منزل خائفاں

ہست در خور از برائے خائف آن

(۲) ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند
مر دل ترسند را ساکن کنند

(۳) آنکہ خوفش نیست چوں گوئی بترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ (۱) لاتخافوا (خوف نہ کرو) خوف والوں کی مہمانی ہے اس کے لائق ہے کیونکہ وہ دنیا میں خوف خدا میں تھا۔
(۲) جو خدا سے ڈرتا رہا اسے بے خوف رکھیں گے (قیامت میں) اللہ سے ڈرنے والے دل کو تسکین دیں گے۔
(۳) جسے خوف نہیں اسے کہو کہ خوف کر اسے کیا درس دیتے ہو اب وہ درس کا محتاج نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاخْتَارَ مُوْسٰی اختار الاختیار سے مشتق ہے اس کا مادہ الخیر ہے مثلاً کہا جاتا ہے اختارُ الشیَّ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کار خیر اور بھلائی کو اختیار کرے یعنی اور چن کے لئے حضرت موسٰی علیہ السلام نے قَوْمَہٗ اپنی قوم سے یہاں حرف محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل کو مفعول کی طرف پہنچایا گیا ہے اور یہ اختار کا دوسرا مفعول ہے۔ سَبْعِیْنَ رَجُلًا یہ اختار کا مفعول اوّل ہے لِمِیْقَاتِنَا ہمارے اس وقت کے لئے جسے ہم نے موسٰی علیہ السلام کے لئے مقرر و معین فرمایا کہ اس معین وقت میں بنی اسرائیل کے ممتاز اور منتخب شدہ ستر آدمی کوہ طور ہمارے ہاں لے آئیں تاکہ تمام قوم کی بچھڑے کی پرستش کی خطا کا عذر پیش کریں۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ میقات توبہ کا اور ہے اور مناجات و ہمکلامی کا میقات اور تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے ہر میقات کے لئے جلتے ہوئے بنی اسرائیل کے ممتاز ستر آدمی منتخب کر کے ساتھ لئے اس لئے کہ آپ کی قوم بارہ قبیلوں پر مشتمل تھی۔ آپ نے ہر ایک قبیلہ سے چھ آدمی لئے تو دو آدمی ستر سے بڑھ گئے آپ نے سب کو کہا کہ مجھے صرف ستر آدمیوں کو لانے کا حکم ہے تم میں دو بڑھ گئے ہیں فلہٰذا تم میں دو آدمی بیٹھ جائیں لیکن کوئی بھی بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جو نہیں چلے گا اُسے میرے ساتھ جانے والے کے برابر ثواب ملے گا حضرت یوشع و کالب نہ چلنے پر راضی ہو گئے اس کے بعد حضرت موسٰی علیہ السلام باقی ستر افراد کو لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے۔
فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس جب انہیں زلزلے نے پکڑا اس جرم پر کہ جلتے ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھنے کا مطالبہ کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ رجفۃ بمعنے کانپنا اور شدید حرکت یعنی زلزلہ اس سے کوہ طور کا زلزلہ مُراد ہے۔ جب پہاڑ کو زلزلہ آیا تو سب کے سب بے ہوش ہو گئے یعنی مر گئے۔

فائدہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمائی تو اس سے ان کے کانوں تک آواز پہنچی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسٰی علیہ السلام اگر توبہ قبول ہے تو انہیں فرمائیے کہ وہ اپنے آپ کو قتل

کردیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے بعد انہیں طمع پیدا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھیں اس لئے کہہ دیا حتیٰ نری اللہ جھرۃً لیکن مفسرین کا مذکورہ قول سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ قرآنی نص کے خلاف ہے کما قال تعالیٰ یَا مُوسٰی اِنِّیْ اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ یہی صاحب تیسیر کا مذہب ہے۔

قَالَ عرض کی موسیٰ علیہ السلام نے لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ اے میرے خدا اگر تو انہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کر دیتا جبکہ انہوں نے بچھڑے کی پرستش کرکے تیرے فرمان کی خلاف ورزی کی تھی یا بچھڑا پرستوں کو غلطی میں منہمک دیکھ کر انہوں نے اس سے بائیکاٹ نہ کیا وَاِیَّایَ اور مجھے بھی یعنی اگر تو ہمارے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو ہمیں اس سے پہلے مار دیتا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے معافی کا اظہار کر رہے ہیں کہ اے مولیٰ کریم جیسے تو نے ہمیں پہلے معاف فرما دیا اب بھی معاف فرما دیجئے اَتُهْلِكُنَا کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ یہ ہمزہ انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے وقوعِ اہلاک کا انکار کر رہے ہیں یعنی اے اللہ کریم تو ہمیں ہلاک نہیں کرے گا۔ بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ بیوقوفوں کی بیوقوفی کی وجہ سے مِنَّا درانحالیکہ وہ ہمارے ہیں یعنی اگرچہ انہوں نے عناد یا جرأتمندی سے رؤیت کا مطالبہ کر لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت کا مطالبہ بعض نے کیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مولیٰ کریم ہمارے بعض بے وقوفوں کی غلطی سے ہم سب کو ہلاک کر دینا تیرے شانِ کریمی سے بعید ہے۔ اِنْ هِیَ نہیں ہے وہ فتنہ جو بے وقوفوں سے سرزد ہوا۔

اِلَّا فِتْنَتُكَ مگر تیری آزمائش و ابتلا کہ خود تو نے انہیں اپنا کلام سنایا تو وہ سنتے ہی اس آزمائش میں مبتلا ہوگئے کہ وہ تیرے دیدار کے مشتاق ہوگئے اس میں ان کا کیا قصور ہے ہاں یہ مسلم ہے کہ تو تے ہی اُن کی آزمائش کی ہے اور تو نے ہی خود انہیں امتحان میں مبتلا فرمایا ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ کا کلام سُنا لیکن انہیں عزت و احترام کے پیش نظر نہیں بلکہ بطور آزمائش اور امتحان کے اور یہ اِنِّیْ اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ کے منافی نہیں اس لئے کہ اُن کے اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام الٰہی کے سننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کلام عزت و احترام کے پیش نظر اور اُن کی قوم کے منتخب افراد کو امتحان و آزمائش کے طور سنایا۔

فشتان بینہما۔

فائدہ فصل الخطاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مقام بسط میں رکھا تاکہ بکمال انس اور محبوب حقیقی کا عشوہ نازدیکھ کر دیدار کی آرزو کریں اور ایسے ناز و عشوے محبوبیت کو لازم ہیں اس لئے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاشق کی گستاخی کو ترکِ ادب سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ عشاق کی اصطلاح میں وہی عین ادب ہے ؎

① گفتگوئے عاشقان درکار رب
جوشش عشقست نہ ترکِ ادب

② ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش
نہ ادب ماند درد نہ عقل و ہوش

ترجمہ: ① گفتگوئے عشاق رب تعالیٰ کے اُمور میں عشق کا جوش ہوتا ہے نہ کہ ترک ادب۔
② جو بھی جامِ حق سے ایک گھونٹ پیتا ہے اسے نہ ادب رہتا ہے نہ اسمیں عقل و ہوش۔

تُضِلُّ بِهَا اس آزمائش سے تو گمراہ کرتا ہے مَنْ تَشَآءُ جسے تو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ حد سے متجاوز ہو کر اپنی لیاقت و اہلیت سے بڑھ کر مطالبے کرتا ہے وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اور جسے تو راہِ حق کی ہدایت دینا چاہتا ہے تو وہ ایسی باتوں سے متزلزل نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اُن سے اُس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا تو ہمارے دینی و دنیوی اُمور کا کفیل اور ہمارا حافظ و ناصر ہے۔ فَاغْفِرْ لَنَا پس ہماری غلط کاریوں کو معاف فرما دیجئے وَارْحَمْنَا اور ہمارے حال پر رحم فرما کر ہمیں دینی و دنیوی رحمتوں سے نوازئیے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مغفرۃ بمعنے اسقاط العصوبۃ اور رحمۃ بمعنے ایصال الخیر ہے۔

سوال مغفرت کو رحمت پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب دافع المضرۃ کا تحصیل المنفعۃ پر مقدم ہونا ضروری ہے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝ اور تو ہی سب سے مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے کہ تو برائیوں کی مغفرت فرماتا بلکہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے اور تیرے سوا جو بھی کسی کے گناہ بخشتا ہے تو اُسے یا تو کسی کی تعریف سے اُمید وابستہ ہوتی ہے یا ثواب کا خواہشمند ہوتا ہے یا سمجھتا ہے کہ میرے اس عمل سے قساوت قلبی دور ہوگی۔ بہر حال اس کی معافی کسی طمع یا اُمید سے وابستہ ہوتی ہے اور تیری ذات طمع و اُمید اور غرض اور ہر خطرہ سے مستغنی ہے بلکہ تو جو کچھ کرتا ہے وہ محض تیرا فضل و کرم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تو خیر الغافرین اور ارحم الرحمٰن ہے۔

سوال پہلے مغفرت و رحمہ ہر دونوں کا ذکر ہے اور خیر الغافرین میں صرف مغفرت کا ذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب بحسب المقام اس کو اہمیت حاصل ہے اس اہمیت کے پیشِ نظر مغفرت کا ذکر کیا گیا۔

وَاكْتُبْ لَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمارے لئے معین فرمایا۔

فائدہ کتابت چونکہ مداومت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً اسی حیات دنیا میں اچھی معاش اور طاعت کی توفیق وَفِي الْاٰخِرَةِ اور ہمارے لئے آخرت میں ثواب یا بہشت کا داخلہ لکھ دے۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ بے شک ہم نے تیری طرف

رجوع کیا اور یہ طلب مغفرت و رحمت کی علت ہے یہ ہاد یہود سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئ کی طرف رجوع کرے یہاں هُدْنَا بمعنے تبنا و رجعنا ہے یعنی ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کئے ہیں اب ہم نے اُن سے توبہ کی ہے اور ہماری اس غلطی سے بھی توبہ ہے جبکہ ہم نے تجھ سے رؤیت کا مطالبہ کیا اس کے باوجود تیرے لطف و کرم سے بعید ہے کہ ہماری توبہ قبول نہ ہو۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اُن پر زلزلہ سے موت واقع ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آہ و زاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ بقر کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَذَابِیْٓ میرے عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ اُصِیْبُ بِهٖ یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی میں پہنچاتا ہوں مَنْ اَشَآءُ جسے عذاب دینا چاہوں اسمیں کسی کو دخل نہیں وَرَحْمَتِیْ میری رحمت اور اُس کی کیفیت یہ ہے وَسِعَتْ دنیا میں پہنچی ہے كُلَّ شَیْءٍ یعنی ہر شے یعنی مومن و کافر بلکہ مکلف و غیر مکلف کو اور اُسے جو شیئت کی تعریف میں داخل ہے اس لئے کہ دنیا میں ہر مومن و کافر پر رحمت الٰہی اور اس کی نعمتوں کے آثار نمایاں ہیں انہی کی زندگی بسر کرتے اور انہی میں کاروبار چلاتے ہیں البتہ آخرت میں اہل ایمان سے مخصوص ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فَسَاَكْتُبُهَا پس آخرت میں لکھوں گا یعنی معین اور ثابت کروں گا۔

لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے لئے جو یَتَّقُوْنَ کفر اور معاصی سے بچتے ہیں۔ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کی تخصیص اس لئے کہ انسان کو ادائیگی شاق محسوس ہوتی ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا اور وہ لوگ جو ہماری تمام آیات پر یُؤْمِنُوْنَ دائمی طور ایمان لاتے ہیں کسی ایک آیت کا انکار نہیں کرتے۔

فوائد قیود حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ابلیس نے دعویٰ کیا کہ میں بھی شئ" من الاشیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ الخ اس سے یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم متقی بھی ہیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور اپنے رب کے آیات پر ایمان لاتے ہیں اُن کے رد میں فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ یہ محلاً مجرور ہے اس لئے کہ لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ الخ کی صفت یا اس سے بدل ہے اور الرسول سے حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں یعنی ان پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لاتے ہیں اَلنَّبِیَّ وہ نبی صاحبِ معجزہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال لفظ رسول لایا گیا بحیثیت اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور نبی بایں حیثیت کا کہ منسوب الی المخلوق ہیں؟

جواب

اَلْاُمِّیَّ اُمّی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھ پڑھ نہ سکے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمّی ہونا بھی معجزہ ہے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو آپ پر کفار اتہام لگاتے کہ آپ نے پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھ کر اتنے بڑے علوم حاصل کرلئے ہیں اور چونکہ آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید میں اوّلین وآخرین کے علوم ہیں اس لئے کہ کفّار کو موقعہ مل جاتا کہ آپ نے یہ مجموعہ اپنے مطالعہ کے زور سے جمع فرمایا ہوگا۔ حالانکہ اُمّی ہونے پر کفّار کا اتفاق تھا آپ نے جب اُن کے عقول وفہوم کو حیرت میں ڈالدیا تو اس سے اہل ایمان کو یقین ہوگیا کہ یہ آپ کا معجزہ ہے لیکن مخالفین کورے کے کورے رہ گئے ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت

بغمزہ مسئلہ آموز صدر مدرس شد

ترجمہ: میرا محبوب کسی درس گاہ میں نہ گیا اور کسی سے لکھنا سیکھا صرف اشارہ سے مسئلہ سیکھ کر صدر مدرس خاموش ہوگیا۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جب آپ کی خدمت میں قلم الٰہی حاضر اور لوح محفوظ ہر وقت پیشِ نظر تھی تو پھر آپ کو ظاہری علوم کے حصول کی کیا ضرورت۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی یوں مدح فرمائی **امۃ محمّد** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) **انا جیلہم فی صدورھم ولولم یکن رسم الخطوط لکانوا یحفظون شرائعہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **بقلوبہم لکمال قوتہم وظھور استعدا تہم** حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی شان ہے کہ قرآنی علوم اُن کے سینوں میں محفوظ ہوں گے اگرچہ ظاہری خطوط بھی انہیں حاصل نہ ہوں تب بھی وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی احکام کے حافظ ہوں گے اس لئے کہ اُن کی قوت کمال اور ظہورِ استعداد عروج پر ہوگی۔

فائدہ اُم لغت میں اصل کو کہا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وعندہٗ اُمُّ الکتٰب۔

اَلَّذِیْنَ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں **عِنْدَھُمْ** اپنے ہاں یہ **یَجِدُوْنَہٗ** یا **مَکْتُوْبًا** کے متعلق ہے اسی طرح **فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ** بھی یا یجدونہ کے متعلق ہے یا مکتوبًا کے یعنی تورات وانجیل میں حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و کمالات اور مناقب و محامد لکھے ہوئے تھے اور وہ یہود و نصاریٰ انہی دونوں کتابوں کے مطابق عبادتِ الٰہی بجالائے مثنوی شریف میں ہے ؎

① پیش از آنکہ نقش احمد رُو نمود
نعت او ہر کبریا تعویذ بود

② سجدہ می کردند کائے رب بشر
در عیاں او ہر چہ زود تر

③ نقش او می گشت اندر راہشاں
در دل و در گوش در افواہ شاں

④ ایں ہمہ تعظیم و تفخیم و د داد
چوں بدیدندش بصورت بُرد بار

⑤ قلب آتش دید دردم شد سیاہ
قلب را در قلب کے بدست راہ

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہر دور میں آپ کا اسم گرامی ہر دکھ اور درد کی دوا تھا۔
② وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ حضور علیہ السلام کا جلد تر عالم دنیا میں ظہور ہو ۔
③ اور آپ کا انہیں بہت چرچا تھا اور اُن کے دلوں اور ذہنوں میں
④ آپ کی تعظیم و تکریم بہت زیادہ تھی لیکن جب حضور علیہ السلام تشریف لائے ۔
⑤ تو ان کی محبت بغض و عداوت اور حسد و دشمنی سے بدل گئی ۔

سوال آیت سے معلوم ہوا کہ رحمت صرف انہی سے مخصوص ہوئی حالانکہ یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ رحمت ہر مؤمن کو نصیب ہو گی۔

جواب یہ نبی علیہ السلام کے ہمزمان اہل کتاب کی خصوصیت بیان کی گئی ہے تاکہ انہیں ترغیب ہو لیکن وہ بیچارے اس دولت سے محروم رہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ انہیں نیکی یعنی توحید و شرائع اسلامیہ کا حکم فرماتے ہیں **وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ** اور انہیں برائی اور ہر اس عمل سے روکتے ہیں جس کا شریعت اور سنت سے کوئی تعلق نہیں ۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ اور اُن کے لئے (پاک اشیاء) حلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے قبل اُن کی شامت اعمال کی وجہ سے اُن پر وہ چیزیں حرام تھیں مثلاً شحوم وغیرہ ۔

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ اور اُن پر خبیث اشیأ حرام فرماتے ہیں جیسے دم (خون) الخنزیر وغیرہ۔
الطیبات سے وہ اشیا، مُراد ہیں جو طبائع کو پسند اور اُن سے وہ لذت پائیں اور الخبائث وہ ہیں جن سے طبائع کراہت ونفرت کریں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جن اشیاء سے طبائع کو لذت محسوس ہو وہ حلال اور جن سے نفرت وکراہت محسوس ہو وہ حرام جبتک کہ ان اشیاء کے لئے خصوصیت سے کوئی دلیل وارد نہ ہو۔

مسئلہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جسے شرع حلال وطیب کہے وہ حلال اور جسے وہ خبیث کہے وہ حرام جیسے ربا ورشوت وغیرہ وغیرہ اور آیت کا صحیح مدلول بھی یہی ہے کہ جسے شرع حلال کہے وہ حلال اور جسے حرام کہے وہ حرام۔ اس سے طبع کی احساس لذت اور نفرت وکراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے یعنی وہ امور شاقہ جو ان پر مقرر تھے اُن سے معاف کرا دیئے مثلاً ان کی شریعت مندرجہ ذیل اُمور نہایت سخت تر تھے مثل قتل خطا ہو یا عمل قصاص لازم تھا اُن کے لئے دیت کی اجازت تھی۔ لیکن حضورؐ علیہ السلام نے دیت کا اجرأ فرمایا اور جن اعضأ سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹنا ضروری تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام کی شریعت میں صرف دھونا کافی ہے اور جسم یا کپڑے پر نجاست ہو تو اس ٹکڑے کا کاٹنا لازم تھا لیکن حضور علیہ السلام نے فرمایا انہیں دھو ڈالنا کافی ہے اُن کے مال غنیمت کو آگ کھا جاتی لیکن حضورؐ علیہ السلام کی شریعت میں یہ مجاہدین میں تقسیم کی جاتی اور انہیں ہفتہ کے دن عمل کرنا جرم تھا لیکن ہمارے لئے اجازت ہے ان تکالیف کو اصرا اور اغلال سے تشبیہ دی گئی ہے اغلال ہر وہ لوہے کی کڑی کہ جسے ہاتھ کو باندھ کر گردن سے جکڑا جائے اور اصر ہر وہ بوجھ جو انسان پر پڑنے کے بعد اسے حرکت کرنے سے روک دے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ پس وہ لوگ جو لوگ ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور اُن کے اوامر ونواہی پر عمل کیا۔ وَعَزَّرُوْهُ اور ان کی تعظیم وتکریم کی اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے اُن کی مدد کی وَنَصَرُوْهُ اور دین کی خاطر اُن کے دشمنوں سے لڑائیاں لڑیں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اور اس نور کی اتباع کی جو اُن کے ساتھ نازل ہوا یعنی قرآن جو اُن کے ساتھ نازل ہوا اور اُس کی روشنی دلوں میں ایسے ہے جیسے آنکھوں کے اندر روشنی ہے۔

سوال صاحب کشاف نے کہا کہ حضورؐ علیہ السلام کے ساتھ قرآن نازل نہیں ہوا۔ بلکہ جبریل علیہ السلام کی معیت سے آسمان سے زمین پر اُترا؟

جواب آپ کی نبوت کے اظہار پر اس کا نزول شروع ہوا گویا اس مناسبت سے آپ کے ساتھ اُترا۔

فائدہ مَعَهٗ اُنْزِلَ کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں مضاف مقدر ہے اصل عبارت وانزل ذٰلك النور مصاحبًا لنبوته تھی۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؏ وہی کامیاب ہیں یعنی مطلوب پانے والے اور کروب سے نجات حاصل کرنے والے ہیں اُن کے ماسوا باقی لوگوں کو درجات ومراتب نصیب نہیں ہوں گے۔

فائدہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جنہوں نے توبہ کی اور نہ ہی حضور علیہ السلام کے کمالات کا اقرار کیا تو انہیں نہ نجات نصیب ہوئی اور نہ کامیابی۔ اس سے آیات کی تطبیق وتحقیق صحیح طور واضح ہوئی کہ موسیٰ کی دُعا بھی مستجاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ؕ بھی پورا ہوا۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان کے بعد حضور علیہ السلام کی تعظیم اور قرآن کی اتباع فوز فلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

فائدہ حضور علیہ السلام کی نصرت دو قسم ہے۔

(۱) عام

(۲) خاص

عام اہلِ شریعت کو نصیب ہوتی ہے اور خاص اہل طریقت وارباب حقیقت یہی حضرات ہیں جو کمالِ انوارِ رحمٰن اور اسرار توحید کو اخلاص سے پا چکے ہیں اور یہی انوار واسرار انہیں سے مخصوص ہوئے۔

شانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان انبیاء علیہم السلام کو سلسلہ وار بھیجنے میں مقصود بالذات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی اور دیگر انبیاء علیہم السلام بمنزلہ مقدمہ و تمہید کے تھے اس لئے آپ کو انبیاء علیہم السلام کا خلاصہ وزُبدہ ونتیجہ اور اشرف جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کی وجہ سے افضل بنایا ہے۔

(۱) جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں۔

(۲) مجھے رُعب عطا ہوا ہے۔

(۳) میرے لئے غنائم حلال کئے گئے ہیں

(۴) میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے۔

(۵) تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۶) مجھ پر نبوت ختم ہوئی۔

نکتہ جیسے حضور علیہ السلام دوسرے انبیاء علیہم السلام کا زبدہ و خلاصہ ہیں ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں قرآن مجید زبدہ و خلاصہ ہے بلکہ اُن سے اعظم و اکرم اور ان سب کی تصدیق کنندہ ہے اور ایسے ایسے بے نظیر الفاظ سے سجایا گیا کہ اس کی صرف ایک سُورۃ سے بہت بڑے فصحاء و بُلغا عاجز آگئے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسری کتابوں میں احکام و آداب و فضائل یا دلائل و براہین و جمع تھے وہ اس کتاب میں مل جاتے ہیں۔

نکتہ دوسری تمام اُمتوں میں سے مقصودِ اصلی یہی تھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمتوں کا زُبدہ وخلاصہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو امۃ وسطاً یاد فرمایا ہے (اسی طرح تمام گذشتہ بادشاہوں وسلاطین خلاصہ اور زبدہ ہیں اور ان سب کا زُبدہ خلاصہ مملوک عثمانیہ ہیں کہ وہ اور اُن کی دولت تمام دولتوں کی زبدہ و خلاصہ ہیں کہ اُن کے بعد ظہورِ مہدی و عیسٰی علی نبینا وعلیہم السلام تک کسی کو ایسی دولت نصیب نہ ہوگی اس لئے کہ یہی دجال کے مبادی کفّار و فجار یعنی افرنجی و دیگر اعدائے اسلام اور تمام بے دینیوں سے جہاد کرتے ہیں اور صرف انہیں ہفت اقلیم میں بہت بڑی جمعیت اور طاقت اور دولت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے تمام مشارق و مغارب کے اطراف میں انہیں بڑی شوکت اور جاہ وجلال حاصل ہے اُن سے قبل کسی کو ایسی شان وشوکت نصیب نہیں ہوئی اور سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے جدِّ اعلیٰ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع القرآن ہیں اور یہی حضرات اسمِ حق کے مظہر ہیں جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام میں ایک خصوصی شان وشوکت نصیب ہوئی انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تو حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا یقیناً ہم حق پر ہیں اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں تو ہم اب پوشیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے دین کو غلبہ نصیب فرمایا اس لئے کہ دین کا غلبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے مشروط تھا۔ یہی دین کے غلبہ کا پہلا ظہور تھا اس کے بعد رفتہ رفتہ عروج ہوتا گیا یہاں تک کہ دولت عثمانیہ میں پورے شباب پر تھا اس لئے یہ دشمنانِ اسلام سے خوب لڑتے ہیں اور انہیں حق کی تلوار اپنے اکابر اور مجاہدین اسلام سے نصیب ہوئی۔

حکایت منقول ہے سلطنت عثمانیہ مورث اعلیٰ حضرت عثمان اتنے بہت بڑے عروج کو پہنچے تو صرف کلام الٰہی کی نگہبانی کی وجہ سے اور پھر وہ سلطان الاسخیاء بھی تھے وہ اس طرح کہ اُن کے ہاں جو بھی حاضر ہوتا

اُسے دولت سے وافر حصہ عطا فرماتے۔ اُن کی سخاوت اُن کے ہمسائیگاں پر ناگوار تھی اس نے اسے بہت پریشانی ہوئی اپنی بھی شکایت لے کر چلے تاکہ الحاج بکتاش اور دوسرے معززین کو اپنی داستانیں سنائیں چنانچہ ایک معزز آدمی کے گھر مہمان ہوئے تو دیکھا کہ قرآن مجید ایک غلاف میں رکھ کر کسی کھونٹی پر لٹکایا گیا ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادب ضروری ہے آپ باادب ہو کر قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے ہو گئے۔ ساری رات ایسے ہی قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے رہے جب صبح ہوئی آپ چلے تو انہیں راستہ میں ایک شخص ملا اور کہا کہ میں آپ کا مطلب ہوں اور کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے آج کے بعد معظم بنایا ہے اور آپ کی اولاد کو سلطنت سے نوازا ہے اس لئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت کی ہے۔ پھر آپ نے ایک درخت کے کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے سر پر ایک رُومال باندھ دیا جائے یہی ہمارا نشان (جھنڈا) ہے اس طرح سے آپ کے پاس ایک بہت بڑی جماعت ہو گئی۔ آپ نے اُن کے ساتھ مل کر کافروں پر حملہ کر دیا اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ نصیب فرمایا۔ اس کے بعد ظاہری سلطنت کے لئے آپ کو سلطان علاؤالدین نے بھی اجازت دیدی اس طرح سے آپ مستقل طور بادشاہ بن گئے اُن کے انتقال کے بعد ان کا صاحبزادہ اورخان سلطان مقرر ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بروسہ (شہر) کو فتح کیا۔ اس وقت سے دولتِ عثمانیہ ایک مستقل بادشاہی کے نام سے معنون ہو گئی اور ہمارے زمانہ تک یہ سلسلہ موجود ہے۔ خدا کرے اس سے انہیں ترقی نصیب ہو۔ یہ صرف اس وجہ سے انہیں اتنا بڑا مرتبہ نصیب ہوا کہ انہوں نے کلام اللہ شریف کی تعظیم و تکریم کی جیسے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا تھا ایسے ہی اُن پر ہوا اور خدا کرے اُن کی آنے والی نسل پر بھی ایسے ہی لطف و کرم ہو۔ اگر یہ حضرات کبھی غصہ اور رنج کا اظہار فرماتے ہیں تو وہ رعایا کی تادیب و تنبیہ کے لئے ہوتا ہے جو درحقیقت وہ بھی ایک قسم کا لطف و کرم ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① زظلمت مترس ای پسندیدہ دوست
که ممکن بود کآبِ حیوان درو ست

② دل از بے مُرادی بفکرت مسوز
شب آبستن است اے برادر بروز

ترجمہ: ① اے محبوب دوست اندھیرے سے نہ ڈر کہ ممکن ہے کہ آبحیات اس میں ہو۔

② دل کو بے مرادی کی وجہ سے فکر سے نہ جلا کیونکہ شب حاملہ ہوتی ہے تو دن روشن جنتی ہے۔

خلاصۃ التفسیر آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی قوم سے چند بندے

اختیار فرمائیں اس میں اشارہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہرگز نہیں ہوسکتا جسے مخلوق پسند کرے اس لئے کہ حقیقی مختار اللہ ہے ۔کما قال تعالیٰ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ اور مخلوق کو حقیقی اختیار نہیں چنانچہ فرمایا مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ پھر اُن پسندیدہ لوگوں میں سے انہیں نکالا گیا جو زلزلہ صعقہ ۔ہلاکت کے مستحق ہوئے یعنی کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی زیارت کا سوال کرنے والے اور وہ بارگاہِ حق کی بے ادبی اور گستاخی بھی ۔چونکہ وہ بے ادبی ان میں پوشیدہ تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو محسوس نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام مخفی بھیدوں کو جانتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے ظاہری صلاحیت کے مطابق فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح کر دیا کہ جسے میں چنتا ہوں وہ تیرے جیسے ہوتے ہیں ۔وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى اور جنہیں تم چنتے ہو وہ عام قوم کی طرح ہوگا اس سے موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ اصلی مختار ہے جسے اللہ تعالیٰ چنے اس لئے آپ نے اپنی قوم کے متعلق فرمایا کہ وہ عقل سے بے بہرہ ہیں اور خود بارگاہِ حق میں انکسار سے توبہ واستغفار واعتذار کر کے رحم وکرم کی درخواست پیش کردی۔ چنانچہ اُن کے عجز و دعا وغیرہ کا بیان قرآن مجید میں یوں ہے قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج

تفسیر صوفیانہ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں نارِ شوق پوشیدہ طور بھڑک رہی تھی لیکن جونہی کلام الٰہی سُنا تو اندر میں وہ بھڑکنے والی آگ کھل کر باہر آگئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جونہی کلام کا مسالہ قلب کے پتھر سے رگڑا گیا تو اس نارِ شوق کے انگارے ظاہر ہونے لگے پھر اس سچی زبان کی دیا ئی سلائی سے شعلہ بھڑکا اور سوال کا تھا چنانچہ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ایسے نارِ شوق قوم کے قلوب کے پتھروں میں موجزن تھی لیکن پوشیدہ پھر کلام الٰہی کو سُننے کے بعد بھڑک اُٹھی اور اُن کی دیاسلائی سے شعلے نکلے چونکہ وہ زبان نبوت نہ تھی اس لئے اس سے سوال کا دھواں اُٹھا جو زلزلہ وصعقہ کا موجب بن گیا اس میں رازِ نہانی یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر لوگوں کو معلوم ہوا کہ بندوں کے دل نارِ محبت کی امانت کے لئے مخصوص ہیں موسیٰ علیہ السلام کو بھی خیال نہ گذرے کہ وہ اس راز سے مخصوص ہیں تاکہ وہ دوسروں سے معذرت کریں بلکہ یہ عام ہے کہ جو بھی کلام الٰہی سے محظوظ ہوتا ہے تو اس پر دیدارِ الٰہی کا غلبہ وشوق طاری ہوجاتا ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا" ہر بنی آدم کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں (قدرت) کے درمیان ہے چاہے تو اس کے دل کو مضبوط کرے چاہے اسے ٹیڑھا بنادے اس میں صفت جمال وجلال کی طرف اشارہ ہے لیکن یاد رہے کہ اس کرامت کا حقدار انسان کے سوا اور کوئی نہیں یعنی قلب کا اللہ تعالیٰ کی زیر نگرانی ہونا ۔

فائدہ دل کو سیدھا اور ٹیڑھا رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے صفات جمال کا شیشہ بنادیا جاتا ہے کہ پھر

اللہ تعالیٰ کے لطف و رحمت سے اس پر شوق و محبت کا غلبہ رہتا ہے اور یہ بھی کہ قلب کو صفات جلال کا آئینہ دار بنایا جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کی وجہ سے شہوت اور حرص علی الدنیا کا غلبہ رہتا ہے۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا قلب اصطفاءِ رسالت سے مخصوص ہو چکا تھا اور قوم اس دولت سے محروم تھی اس لئے آپ نے شعلہ نارِ محبت کی رؤیت کے لئے ادب کو ملحوظ رکھا جیسا کہ اُن کے قرب کا تقاضہ ہے چنانچہ عرض کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اس میں ربوبیت کی عزت کو مقدم کرکے اپنی عبودیت کی عاجزی کا اظہار کیا اور قوم کا سوال غفلت اور لاپرواہی کے رنگ میں تھا اور ایسی نارِ شوق کی بے ادبی اور گستاخی سے اُن کو نقصان پہنچا (چنانچہ انہیں پہنچا) اُن کے سوال میں گستاخی و بے ادبی کا پہلو دیکھئے انہوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً انہوں نے انکار اور ہٹ دھرمی کو مقدم کرکے پھر رویت کا سوال جہرۃً سے مشروط کیا اس لئے انہیں صعقہ نے گھیر لیا۔

صعقہ موسیٰ و صعقہ قوم کا فرق موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ اور قوم کے صعقہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کیا گیا صفت ربوبیت کی تجلی سے اور وہ بھی لطف و کرم کے ساتھ اور قوم کو بے ہوش کیا گیا اپنی صفت عزۃ و عظمۃ ظاہر کرکے اور قہر و غضب کا مورد بنا کر۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام مقام توحید میں ثابت قدم تھے اس لئے وہ نورِ وحدت سے دیکھتے تھے بنا بریں وہ تمام اشیاء کو منجانب اللہ دیکھا کرتے تھے اس لئے آپ کو قوم کی صفات کا علم ہو گیا کہ اُن کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے یہ اُن پر آزمائش ہے اور انہیں قہر و غضب کا مورد بنایا جائے گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکالمات کے پیالوں سے گھونٹ نوش کئے تو مناجات کی مستی سے مدہوش ہو گئے تو انبساط کے بستر پر گر کر کہنے لگے اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ مَنْ تَشَآءُ یہ آزمائش ہے تو جس کے قلب کو صفت قہر کی انگلی سے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو تو گمراہ کرتا ہے اور صفت لطف و کرم کی انگلی سے جس قلب کو تو سیدھا کرتا ہے تو تو اسے ہدایت دیتا ہے اَنْتَ وَلِیُّنَا تو ہی ہمارے جملہ امور کا کفیل اور ہماری ہدایت کا حامی و ناصر ہے فَاغْفِرْ لَنَا ہم سے جتنی خطائیں سرزد ہوئیں سب کی سب بخش دے وَارْحَمْنَا اور ہم نے رویت کی نعمت کا سوال کیا ہے وہ بھی عطا فرما وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ o اور تو خطا پوشی میں سب سے بہتر ہے یعنی وہ اگرچہ دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالتے ہیں لیکن اُن کے مقاصد حل نہیں کرتے اور تو وہ کریم ہے کہ اُن کے گناہوں پر نہ صرف پردہ ڈالتا ہے بلکہ اُن کی غلطیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے اور ساتھ ہی اُن کے مقاصد و مطالب بھی حل فرماتا ہے۔

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً یعنی ہمارے لئے دنیا میں حسنہ لکھ۔ یعنی دنیا میں ہمیں دولت دیدار سے نوازیئے جیسے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی امت کے خواص

کو دنیا میں دولتِ دیدار سے نوازتا ہے اور ہمیں آخرت میں بھی سرفرازی کا موقعہ عطا فرما۔ اِنَّا ھُدْنَا اِلَیْكَ ہم نے اسی فضیلت کی طلب میں تیرے ہاں پوشیدہ طور رجوع کیا اور تو ہر پوشیدہ سے پوشیدہ تر امر کو جانتا ہے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ امر کا جواب پوشیدہ طور عنایت فرمایا گویا راز مخفی سے انہیں اس لئے نوازا کہ انہوں نے مخفی طور معروض پیش کیا۔ چنانچہ فرمایا عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ یعنی تہری صفت سے جسے چاہتا ہوں پکڑتا ہوں۔

فائدہ ایک قرأت میں مَنْ اَشَآءُ کے بجائے مَنْ اَسَاءَ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں عذاب میں اُسے مبتلا کروں گا جو میرے دیدار کی طلب میں لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کہہ کر بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے تو میں بھی انہیں محض تادیباً تنبیہاً عذاب فرقت و جدائی میں مبتلا کر دیتا ہوں وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اور میری رحمت ہر شے کو محیط ہے اور بطور نعمت اور ایجاد و تربیت کے فَسَاَكْتُبُهَا پس عنقریب میں وہی حسنہ یعنی دیدار اور وہ رحمت کہ جس کا تم مطالبہ کرتے ہو لکھوں گا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی مدد سے اُس کے غیر سے بچتے اور اسی مقام کے نصاب سے زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور یہ زکوٰۃ ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو اسی مقام کے طالب و سالک ہیں وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی وہ لوگ شواہد آیات کے انوار سے تحقیقاً ایمان لاتے ہیں نہ تقلیداً۔ اُن اُمّت کے خواص اولیاء کرام مراد ہیں چنانچہ اُن کے احوال و اعمال کی تصریح فرمائی کہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی اُمت میں بھی چند ایسے اشخاص ہیں جنہیں ان تینوں مقامات[1] کے حصول کی استعداد ہے وہ تین مقام یہ ہیں۔

(۱) مقامات رسالت

(۲) مقامات نبوت۔ یہ وہ مقامات ہیں جن میں آپ کے ساتھ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں۔

(۳) مقامِ اُمّی یہ مقام صرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے کسی نبی رسول کو یہ مرتبہ نہ ملا اور نہ ہی کسی دوسرے کے لئے امکان ہے۔

شانِ لولاک کا عجیب وغریب بیان

اُمّی یعنی حضور علیہ السلام اُمّ الموجودات والکائنات ہیں چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] مقامات کی استعداد مُراد ہے نہ کہ عین نبوت جیسا کہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے حصول مقامات اور ہے اور نبوت شے دیگر۔ فافہم وَلَا تَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

نے فرمایا اوّل ما خلق اللہ روحی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے روح مبارک کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا کہ لولاک لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوسری مخلوق کو پیدا نہ کرتا چونکہ آپ جمیع کائنات اور مخلوقات کا مبدا اور اصل ہیں اس لئے آپ کا لقب شریف اُمی ہے جیسے مکہ معظمہ کو اُم القریٰ کہا جاتا ہے وہ اس لئے کہ وہ تمام بلاد وقری وغیرہ کا مبدا اور اصل ہے اسی طرح قرآن مجید کو اُم الکتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ وہ یعنی قرآن مجید کتب سماویہ کا مبدا اور اصل ہے۔

معنےٰ اتباع کا اعجوبہ رسول و نبی کی حیثیت سے اتباع کا معنےٰ تو ظاہر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ وَمَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا کہ سالک پر لازم ہے کہ جملہ احکام کی پابندی کرے اور آپ کے منہیات سے بچے اس لئے کہ رسالت کو احکام ظاہری سے تعلق ہے اور نبوت کو احکام باطنی سے عوام کو خواص سے انتفاع عن الرسالہ میں اشتراک ہے لیکن خواص نبوت سے انتفاع کی وجہ سے مخصوص ہیں کہ نبوت کے انتفاع میں عوام کو اُن سے کسی قسم کا اشتراک نہیں جو شخص انتفاع رسالت میں کامل فی الاتباع ہوتا ہے تو اُسے نبوت کے انتفاع یعنی باطنی اُمور سے اُس کا دروازہ کھولا جاتا ہے پھر اُسے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وانکشافات سے نوازا جاتا ہے اور اُسے سچے خواب نصیب ہوتے ہیں اور گاہے ہاتف غیبی بھی اس سے ہمکلام ہوا کرتے ہیں بعض ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں کہ انہیں ان امور کی ترقی پر مکالمات ومکاشفات کی دولت نصیب ہوتی ہے اس مرتبہ دعوۃ الخلق الی الحق پر اسے مامور کیا جاتا ہے لیکن باتباع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ باستقلال چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علمآ امتی کانبیآ بنی اسرائیل۔

نکتہ یہی راز ہے کہ سابقہ اُمم میں کوئی اس مرتبہ پر پہنچتا تو اُسے مستقل نبی بنایا جاتا بخلاف ہمارے نبی پاک کی اُمت کے کہ وہ نبی تو نہیں بن سکتے اس لئے کہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم۔ البتہ انہیں نبوت کے مقامات وکمالات وکرامت سے نوازا جاتا ہے اس لئے کہ شرعی اصطلاح میں نبی وہی ہوتا ہے جو اپنے سابق رسول کی کتاب اور اس کے احکام کے مطابق حکم الٰہی کے اجرا کا مامور ہوتا ہو۔ اسی طرح ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق بھی ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنْہُمْ اَئِمَّۃً یَّہْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (الآیۃ)

اتباع اسم اُمّی کا عجیب کرشمہ اسم اُمّی کی اتباع صرف اخص الخواص اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے وہ اس طریق سے کہ حضور علیہ السلام نے مقام بشریت سے مقام روحانیت اُولیٰ کی طرف رجوع فرمایا پھر جذبات وحی سے آپ نے مقام توحید میں نزول اجلال فرمایا پھر انوار ہویت نے آپ کی انانیت کو محو فرما کر مقام احدیت میں پہنچا دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ اور فرمایا ثم دنیٰ فتدلیٰ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ قاب قوسین

اَوْ اَدْنیٰ سے مقام توحید اور اَوْ اَدنیٰ سے مقام وحدت مراد ہے۔ غور کرو گے تو تمہیں یہ مقام جلد تر سمجھ میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

جو شخص حضور علیہ السلام کی اتباع میں کامل ہوتا ہے تو وہ بھی مقام بشریت سے مقام روحانیت کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسے جذبات (بوجہ اتباع) سے مقام توحید میں منزل نصیب ہوتی ہے وہاں سے انوار متابعت نبویہ کی برکت سے انانیت کو محو کر کے مقام وحدت تک پہنچ جاتا ہے اس طریق سے وہ بندہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمیت سے حظ وافر حاصل کرتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؕ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک بنی اسرائیل کی کتابوں میں مندرج تھا ورنہ درحقیقت آپ تو مصدق ہیں نہایت درجہ سے مستور و مکنون تھے یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ یہاں پر اُن کی نیکی سے طلب حق اور اُس کی طرف پہنچنا مُراد ہے۔ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ اور المنکر سے طلب ماسواا ور اس سے انقطاع مُراد ہے۔ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ سے قربات الی اللہ مُراد ہیں یا طیّب سے اللہ تعالیٰ کی ذات مطلوب ہے اور وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ الخبائث سے دنیا اور وہ امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والے ہوں مراد ہیں۔ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ الاصر سے وہ عہد مراد ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کہ مقام اُمّیتہ اور مقام حبیبیتہ تک صرف آپ کی اُمّت ہی پہنچ سکے گی اور بس یا وہ لوگ جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حقدار ہوں گے بوجہ آپ کی تابعداری کے۔ کما قال تعالیٰ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (الآیہ)

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا میری شفاعت کے تمام لوگ محتاج ہیں یہانتک کہ ؎

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ عہد اُن کے لئے نہایت سخت اور بمنزلہ لوہے کے گلے کے طوق کے تھا جو انہیں مقام اُمّیتہ اور حبیتہ تک پہنچنے سے روکتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے تشریف لاتے ہی اُن سے وہ بوجھ ہلکا کیا اور دعوت متابعت دے کر اُن سے وہی طوق اُن کی گردن سے ہٹایا۔ اس معنے کو فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ مؤکد کرتا ہے وَعَزَّرُوْہُ بمعنے وَقَّرُوْا ہے یعنی ان لوگوں نے حضور نبی علیہ السلام کو اس مقام سے مخصوص سمجھ کر تعظیم و تکریم کی۔

وَنَصَرُوْہُ اور انہوں نے آپ کی تابعداری کر کے آپ کی مدد کی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ یعنی جب حضور علیہ السلام کو انوار ہویت نے انانیت سے محو کیا تو انہوں نے نُورِ وحدت سے استفادہ کا موقعہ نصیب ہوا یہاں تک کہ اُس کے بعد اُن کی انانیت مٹ کر رہ گئی اور صرف باقی نُور ہی نور رہ گیا۔

(باقی صفحہ ۱۴۶ پر)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ
الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○
وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ وَقَطَّعْنٰهُمُ
اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ
قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ع

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو کہ جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو کہ اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر ابر سائبان کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا کھاؤ

ہماری دی ہوئی پاک چیزیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا برا کرتے تھے اور یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا کہ اس شہر میں بسو اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور کہو گناہ اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے عنقریب نیکوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے تو ان میں کے ظالموں نے بات بدل دی اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر تشریف لایا ہوں یہ خطاب عام ہے اس لئے کہ آپ اپنے ہم عصر جن وانسان الیٰ یوم القیٰمۃ تمام کے لئے رسول بن کر تشریف لائے ہیں بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ صرف اپنے ہم زمان کی طرف مبعوث ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ان کی شریعت کا اجرا دائمی نہ ہوتا۔ اِلَيْكُمْ رَسُوْل کے متعلق ہے اور جمیعًا اِلَيْكُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو میں تم سب کا پیغمبر ہوں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی توحید کی دعوت دیتا ہوں تاکہ تم اس پر عمل کر کے اپنے آقا سے ملو۔

مسئلہ آکام المرجان میں ہے کہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں اور جنوں اور عرب وعجم کے رسول ہیں۔

سوال اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام انسانوں کے علاوہ جنات کے بھی نبی تھے بلکہ ان پر ان کی حکومت بھی تھی بلکہ حیوانات بھی آپ کے تابع تھے؟

جواب حضرت سلیمان علیہ السلام جنات وحیوانات کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کی ان پر صرف حکومت وسلطنت تھی۔ آپ ان سے خدمات لیتے تھے لیکن انہیں دینی دعوت کے مامور نہیں تھے۔ اس لئے کہ

(بقیہ صفحہ ۱۴۴)

پھر جب آپ کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ کے ساتھ نورِ وحدت بھی اتارا گیا۔ کما قال تعالیٰ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کی طرف نور یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وَكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ اور آپ کے ساتھ قرآن مجید بھی۔ حضور علیہ السلام کی متابعت کا مخلوق کو اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کی تابعداری کی برکت سے نورِ وحدت سے مشرف ہو کر سعادت کبریٰ ونعمت عظمیٰ سے نوازے جائیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہی جو انانیت میں نورِ وحدت سے فائز المرام ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

جنات کے علاوہ بڑے بڑے شیاطین وعفاریت آپ کی خدمت کرنے اور آپ کے حکم کے پابند تھے لیکن کفر پر رہے اور سرکشی وطغیان سے سر مُونہ ہٹے ۔ کذا حققہ والہی الاسکوبی ۔

اعجوبہ ۱؎ لغۃً الناس میں جنات بھی شامل ہیں اس لئے کہ الناس ناس ینوس سے مشتق ہے ۔ بمعنی تحرک ۔

اعجوبہ ۲؎ جوہری اور صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ الناس الانس وجن ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس کے لئے یہ الانس کی جمع ہے الناس دراصل اناس تھا ایسی جمع نادرًا واقع ہوتی ہے کہ اس پر الف داخل ہو تو اس کا اصلی حرف گر جائے گا ۔

الَّذِیْ منصوب یا مرفوع علی المدح ہے پہلی ترکیب پر اعنی محذوف ہوگا دوسری پر ہو لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وہ اللہ کہ آسمان وزمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور ان ہر دونوں کا تصرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جو عبادت کا مستحق ہو ۔ یہ جملہ الذی صلہ سے بدل اور اس کے اجمال کو بیان کرنے کے لئے واقع ہوا ہے اس لئے کہ جو تمام عوالم کا مالک ہے تو عبادت بھی صرف اُس کی ہونی لازم ہے اور الوہیت کی مستحق بھی وہ ذات ہو جو اپنی ایسی ملکیت میں منفرد ہو کہ اس کے ساتھ اور کسی کی مشارکت نہ ہو ۔

تقریر صوفیانہ ھو ضمیر اسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی اسمائے سے ہے اس میں غیبوتہ کا معنے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ وہاں عقول کی رسائی محال اور اوہام کا ادراک ممتنع ہے اور یہ حضرت غیب الثانیہ کا اسم ہے اور یہی ذات کے تعینات کا پہلا اسم ہے جسے برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی برزخ حکم ظاہر و باطن کا جامع ہے اگر اسمیں واؤ کو چھپایا جائے حضرت غیب الغیب کا اسم ہوگا ۔ یہی حضرات ذات کے حضرت اولیٰ کا نام ہے یہی فاتحہ الاسمآ اور اُن کی اُم الکتاب ہے اس کا وہی مرتبہ ہے جو حروف میں الف (کذا فی ترویح القلوب لعبدالرحمٰن بُسطامی قدس سرہٗ)

فائدہ صوفیانہ مقربان درگاہِ حق چونکہ ماسوی اللہ کو جانتے نہیں اس لئے جب (ھُو) کا لفظ بولتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں خواہ پہلے اس کا ذکر خیر ہوا ہو یا نہ اس کی مزید تحقیق سورۂ اخلاص کے حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھئے ۔

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہ جلاتا اور مارتا ہے یہ الوہیت کی تقریر کیلئے ہے اس لئے کہ احیا و اماتت پر وہی قدرت رکھتا ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہ ہو ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ مخلوق کو نطفہ سے پیدا کرتا ہے میعادِ زندگی ختم ہونے پر انہیں مارتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اُس پر کوئی قادر نہیں ۔ بعض نے اس کے برعکس معنے کیا ہے وہ یہ کہ مردوں کو قیامت میں زندہ کرکے اٹھائیگا

اور زندوں کو دنیا میں موت دیتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ فا تمہید و تقریر رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفریع کے لئے ہے۔ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وہ رسول جو نبی امی کے لقب سے ملقب ہیں۔

لفظ الامی میں بھی نبی علیہ السلام کی مدح ہے اس لئے لغت میں امی وہ ہے جو لکھنا جانتا ہو اور نہ پڑھنا۔ لیکن حضور علیہ السلام کو بایں معنے ماننے کہ وہ کتابوں کے علوم اور زمانۂ ماضی کے تمام حالات جانتے ہیں اس اعتبار سے کہ آپ کے علم کا سرچشمہ وحی ربانی ہے۔

الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وہ نبی علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے وہ کلمات جو اُن پر نازل ہوئے اُن پر ایمان لاتے ہیں۔

فائدہ کلمات سے وہ اُمور مراد ہیں جو آپ کو بذریعہ وحی انبیأ علیہم السلام کے واقعات اور اُن کی کتب کے حالات اور وحی وغیرہ معلوم ہیں اور آپ کو اس وصف سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے تاکہ اہل کتاب کو آپ کے احکام قبول کرنے میں تامل نہ ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تصریح اس لئے ہے کہ ذات حق کا ایمان ہر حال میں ضروری ہے اگرچہ کلمات پر ایمان لانے میں ایمان باللہ بھی آجاتا ہے۔

وَاتَّبِعُوْہُ اور حضور علیہ السلام کے ہر حکم کی تابعداری کرو۔ یعنی اُن کے تمام اوامر و نواہی کی اتباع لازمی ہے لَعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ یہ دونوں فصلوں کی علت یا ان کے فاعلوں سے حال ہے اگر علت ہو تو معنےٰ ہوگا کہ تم امور بالا مذکورہ پر عمل کرنے کے بعد اُمید کرو کہ تمہیں اپنے مطلوب تک رسائی نصیب ہوگی اگر حال ہو تو معنےٰ یوں ہوگا کہ اُمور مذکورہ بالا پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہدایت کی اُمید رکھنے والے ہیں۔

مسئلہ ایمان کو اتباع سے معلق کرنے میں اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اتباع ضروری ہے اگر کوئی شخص ایمان لاکر اتباع نبوی سے گریز کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ ابھی گمراہ ہے۔

مسئلہ صوفیانہ راہ حق ہر طرف سے مسدود ہیں۔ کسی پر اُن کے کھولنے کی اجازت نہیں۔ سوائے اس کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے کہ متبع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے راہِ حق ہر طرف سے کھُلے ہیں۔

حضرت ابنِ عربی قدس سرہٗ صاحب فتوحاتِ مکیہ کی پیاری تقریر الشیخُ العارف الواصل الکامل سیدنا محی الدین بن العربی قدس سرہٗ نے سنت اور سُنی کو بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ شرعی نقطہ نگاہ سے انسان تین قسم ہوتے ہیں۔

① محض باطنی وہ یہ کہ صرف تجرید توحید کے قائل ہو حالانکہ قولاً وفعلاً یہ عقیدہ احکام شرعیہ کی تعطیل بلکہ اُن کے بالکل برعکس کا عادی بنا دیتا ہے یہ بھی مذموم ہے اس لئے کہ شرعی قواعد میں سے کسی قاعدے یا حضور علیہ السلام کی سنت کے خلاف کیا جائے تو وہ قابل مذمت ہے خواہ یہ خلاف کھانے پینے میں ہو یا جماع وغیرہ میں یا حلالت کے کسی ایک معاملہ میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی مذموم حرکات سے بچائے۔

② محض ظاہری ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرے یا اُسے مخلوق سے کسی شئے سے تشبیہ دے (العوذ باللہ منہا)۔ جیسے فرقہ مجسمہ ومشبہہ کے عقائد ہیں یا کسی خاص فقیہ کا مقلد ہے اور فقیہ سے وہ مراد ہے جو علوم احکام میں ایسا منہمک ہو کہ اُس کا قلب حُبِ دنیا کی وجہ سے ملکوت سے محجوب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اس خوف سے ترک کرنے کو تیار نہیں کہ وہ دوسرے فقیہ کا مقلد کیوں ہو جبکہ اُس کے اس مذہب کے خلاف حضور علیہ السلام کی ہزاروں احادیث سنائی جائیں لیکن وہ ایسی احادیث سننے تک گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی ان مرویہ روایات پر بھی بدگمانی کرتا ہے کہ اُن کے راویوں کا اعتبار نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ثقہ ہوں یا تابعین یا ائمہ مجتہدین ہوں صرف اس خیال پر کہ اگر یہ روایات قابل قبول ہوتیں تو اُس کے مذہب کے پیشوا کی کتابوں میں درج ہوتیں (جیسے غیر مقلدین اور دیوبندیوں وہابیوں کا وطیرہ ہے) یہ طریقہ بھی خالی از مذمت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے طریقہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

③ شریعت کے احکام کا پابند ہے جیسے اسے شرع کا حکم ہے ویسے ہی عمل کرتا ہے۔ کسی حکم کا ایسے پابند کیا جاتا ہے تو وہ پابند ہو جاتا ہے جہاں سے اسے شریعت روکتی ہے رُک جاتا ہے اپنی طرف سے اس کی کوئی رائے نہیں جیسے کتب احادیث سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلتا ہے ایسے شخص کے طریقہ کو سنت اور اُسے (حقیقی) سُنی کہیں گے[۱] اور یہی اللہ تعالیٰ کی سچی محبت کا دم بھر سکتا ہے۔

حضرت ابن العربی قدس سرہ کی شریعت کی پابندی کی عجیب وغریب داستان

حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی اور آپ کی ہر قول وفعل سنت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ صرف ایک سنت میرے بس کے باہر ہے وہ یہ کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کیا اور بلا تکلف آپ کے ہاں

---

[۱] اس سے ہمارے دور کے سُنی اور حضرت ابن العربی کے نام لیوا غور کریں کہ یہ بدعملی میں یکتا ہونے کے باوجود پھر بھی مدعی ہیں کہ ہم سُنی ہیں۔ ہاں یہ زبانی کلامی۔ رسمی سُنی تو ہیں حقیقی سُنی نہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

تشریف لے جاتے لیکن افسوس کہ نہ میری لڑکی ہے اور نہ میں ایسے کر سکا۔

حکایت (سنت کا مخالف کبھی ولی نہیں ہو سکتا) سلطان العارفین سیدنا ابویزید بسطامی قدس سرہ السامی نے ایک دن اپنے مریدوں سے فرمایا "میں نے فلاں شخص کے متعلق سنا ہے کہ وہ ولایت کا مدعی ہے آج میں اس سے ملاقات کے لئے جاتا ہوں آپ چند ساتھیوں کو لے کر اس کے ہاں پہنچے تو اُسے دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف جا رہا ہے لیکن جب اُس نے تھوکا تو قبلہ کی طرف تھوک پھینکی حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید قدس سرہ اسے سلام اور مصافحہ کئے بغیر واپس لوٹے اور فرمایا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پاک کی مستحبات سے بے خبر ہے وہ ولایت و صدیقیت کے کمالات کا مدعی کیسے ہے یعنی جو شریعت کے مستحباب کا عامل نہیں وہ ولی کامل کا ہے کا۔ (لیکن آج کل کے مدعیانِ ولایت تو فرائض تک ہضم کر جاتے ہیں تب بھی ولی ہیں)۔

امام احمد بن حنبل کو امامت کیسے ملی سیدنا امام احمد بن حنبل قدس سرہ فرماتے ہیں۔ میرے چند ساتھی ننگے ہو کر غسل کر رہے تھے میں نے حدیث پاک کے پیش نظر (جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کو مانتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ حمام میں بھی کپڑا باندھ کر غسل کرے) میں نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ رات کو مجھے کسی نے کہا مبارک ہو اے احمد! اللہ تعالیٰ نے سنت پاک پر عمل کرنے سے برکت سے تمہیں بخش دیا اور مخلوق کا تمہیں امام بنا دیا گیا۔ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندے تمہاری اقتدا کیا کریں گے میں نے عرض کی آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا جبریل علیہ السلام ہوں۔

حجر اسود اور حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو مخاطب کر کے کہتے سُنا کہ اے حجر اسود مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے تجھ میں کسی قسم کا نفع یا نقصان دینے کی طاقت نہیں لیکن اگر میں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز نہ چومتا۔[1]

---

[1] یہ روایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اتباع سنت کے کمال کی دلیل بنا کر لائی گئی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں یا مرغوب چیزوں میں نفع و نقصان کی تاثیر نہیں۔ اسی روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ حجر اسود نفع و نقصان دیتا ہے (اُویسی غفرلہٗ) اس بحث کی تفصیل یوں ہے کہ کسی چیز کا تاثیر کا مالک ہونا اور ہے اور مؤثر ہونا اور ہے۔ مالک تو ہر چیز اور اس کے اثرات کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مؤثر ہونا باذن اللہ وہی شے ہوتی ہے۔ اس کی بحث و تحقیق فقیر کی کتاب التحر للسجد فی الحجر الاسود میں دیکھیئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

نکتہ کتے کے گلے میں رسہ ڈالا جائے تو وہ کتا تابع فرمان چلتا ہے اسی طرح نفس کو حال ہے کہ اُسے بے لگام چھوڑا جائے تو آوارہ ہو جاتا ہے[1]۔ اگر اس کے گلے میں شریعت کا رسہ ڈالا جائے تو تابع ہو کر چلتا ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو رکھے۔ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند

پے مردم گرفت و مردم شد

ترجمہ: اصحاب کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کے قدم پکڑے تو وہ بہشت میں جائے گا تو آدمی کا بھیس بدل کر

فائدہ اگر تم کسی کے تابع فرمان ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اختیار کرو کہ قیامت میں آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اگر آپ کے کسی امتی کے تابع ہونے کا پروگرام ہے تو اس کی اتباع کرو۔ جو شہرہ زمانہ ہوا اور امراء و سلاطین سے میل جول رکھتا ہو اور اُن سے اُن کی بات بنی ہو بلکہ اس کی تابعداری اختیار کیجئے جو مردِ مولیٰ ہو اس لئے بزرگوں کا حکم ہے کہ پہلے بندے کو اہل حق پہچانیئے پھر اس سے دوستی بنایئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو شخص حق کی معرفت کا دارومدار شہرت کو جانتا ہو تو وہ ہمیشہ گمراہی کے گڑھے میں رہے گا۔ اگر مردانِ حق کو حق سے پرکھتا ہے تو اسے حق ضرور نصیب ہوگا لیکن اس وقت تک محال ہے جبتک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرکے اُن سے مناسبت پیدا نہ کرے آپ کی سنت پر عمل کرنے سے ان کی محبت میں اضافہ بھی ہوگا بلکہ آپ کی تمام متعلقہ اُمور سے محبت پیدا ہو جائے گی مثلاً آپ پر درود شریف بھیجنے اور آپ کے مزار اقدس کی زیارت اور مؤذن کی اذان کا جواب اور اذان کے بعد دُعا پڑھنے سے محبت نبوی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے تبرکات بھی دافع البلا ہیں ① حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک یا آپ سے منسوب کوئی اور لکڑی، کپڑا، چمڑہ جیسے نعلین شریف موزے وغیرہ کسی گنہگار کی قبر پر رکھے جائیں تو انہی تبرکات کی برکت سے وہ گنہگار عذابِ قبر وغیرہ سے نجات پا جائے گا

② اگر کسی کے گھر یا مکان یا شہر میں تبرکات ہوں تو ان تبرکات کی برکت سے وہ مکان اور شہر ہر بلا سے محفوظ ہوں گے اگرچہ انہیں معلوم نہ ہو۔

مسئلہ آبِ زمزم اور جس کفن کو آبِ زمزم سے تر کیا جائے اسی طرح کعبہ شریف کے غلاف کے ٹکڑے میت کے ساتھ دینا یا اس غلاف سے میت کو کفنانے میں بھی وہی برکات ہیں جو حضور علیہ السلام کے تبرکات ہیں۔

---

[1] اور یہ ناممکن ہے کہ وہ کتا زہریلا گوشت کھا کر باؤلہ ہو جائے اور لوگوں کو کاٹنے لگے جیسا کہ مشہور ہے کہ کتا اگر مردہ سانپ کھائے تو پاگل ہو جاتا ہے۔

تبرکات کے دافع البلاّ ہونے کی عقلی دلیل حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تبرکات کے دافع البلاّ ہونے کے لئے عقل بھی مانتی ہے کہ اس لئے کہ مثلاً کوئی شخص کسی شہر میں جائے اور بادشاہ کے تیر بانیروں کے نشان لے جائے تو وہ شخص اس بادشاہ کا مطیع اور محب و عاشق ہے تو اس شہر کو معظم و محترم سمجھے گا صرف اس لئے کہ اسمیں بادشاہ کے متعلقات موجود ہیں اسی طرح ملائکہ کرام کی کیفیت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے سُلطان معظم ہیں وہ ملائکہ جب اپنے سلطان معظم کی کوئی چیز کسی مکان یا شہر یا قبر میں ملاحظہ کرتے ہیں تو اپنے سلطان معظم کی وجہ سے ان تبرکات کی عظمت و عزت کے تحت وہاں پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد مذکورہ تقریر سے ثابت ہوا کہ جس قبر پر قرآن مجید رکھا یا پڑھا جائے یا اوراق لکھ کر میت کے ہاتھ میں دیا جائے تو اُسے قبر میں بہت بڑا فائدہ[۱] ہوتا ہے (کذا فی الاسرار المحمدیہ)۔

مثنوی شریف کے دفتر سوم میں ہے۔

معجزہ نبوی

(۱) از انس فرزند مالک آمد است
کہ بمہمانی او شخصے شدست

(۲) او حکایت کرد کز بعد طعام
دیدش دستار خوانرا زرد فام

(۳) حرکت آلودہ و گفت اے خادمہ
اندر افگن در تنورش یکدمہ

(۴) در تنور پر ز آتش درفگند
آنزماں دستار خوانرا ہوشمند

(۵) جملہ مہماناں دراں حیراں شدند
انتظار دود کندی دری بدند

---

[۱] اس سے کفنی لکھنا اور عہد نامہ لکھنا اور عہد نامہ میت کے ہاتھ میں دینے کا ثبوت ملا۔

۶ بعد یکساعت برآورد از تنور
پاک و اسپید و زاں ردساخ دور

۷ قوم گفتند اے صحابی عزیز
چوں نسوزید و منقا گشت نیز

۸ گفت زانکہ مصطفیٰ دست ودہاں
پس بمالید اندریں دستار خواں

۹ چوں جمادی را تشریف داد
جان عاشق را چہا خواہد کشاد

ترجمہ ۱ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ان کا کوئی آدمی مہمان ہوا۔
۲ وہ فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کا دسترخوان میلا کچیلا تھا۔
۳ انہوں نے اُسے اٹھا کر خادم سے فرمایا کہ اسے آگ میں ڈال دے۔
۴ اس خادم نے فوراً وہ دسترخوان آگ میں ڈال دیا۔
۵ لوگ حضرت انس کی اس عجیب روش سے حیران ہو گئے انہیں خیال تھا کہ یہ دسترخوان جل کر راکھ ہو جائے گا۔
۶ لیکن انس رضی اللہ عنہ نے اسے تھوڑی دیر کے بعد نکالا تو وہ دسترخوان آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا۔
۷ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا ماجرا ہے کہ اسے آگ نے نہ جلایا بلکہ اُلٹا صاف وشفاف ہو گیا ہے
۸ حضرت انس نے فرمایا کہ اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اور چہرہ
۹ پونچھا تھا وجہ برکت ہے کہ آگ نے نہیں جلایا۔

اے اللہ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں محو فرما اور اُن کی شفاعت سے بہرہ ور فرما (آمین) وہابی حضور علیہ السلام کی برکت نہیں مانتے انہیں بھی اپنے نبی علیہ السلام کی شان کو مان لینا چاہیئے۔

فائدہ مولانا رومی قدس سرہٗ نصیحت کے طور آخر میں لکھتے ہیں کہ اے خدا کے بندہ ایسی مبارک ہستیوں کا قرب حاصل کرو۔ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے اس لئے کہ جب وہ بے جان چیزوں کو آگ سے بچا سکتے ہیں تو ہم حضرت انسان ہیں کیوں نہ بچائیں گے۔ اس سے وہابی، شیعہ سوچیں کہ وہ ذات پاک کہ جس نے صدیق اکبر عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ سلایا ہے اُن کی کیا شان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی (اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہیں)

ربط جبکہ بچھڑا پرستوں اور اُن کے غلط اقوال لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کا ذکر ختم ہوا اور وہ لوگ تھے بھی بدبخت اُن کے بعد ان حضرات کا ذکر فرمایا جو اشقیاء کی ضد یعنی سعداء نیک بخت تھے آیت میں لفظ قوم سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزمان تھے اُمَّةٌ ایک جماعت تھی يَّهْدُوْنَ جو عوام کی رہبری کرتی تھی اس کا مفعول محذوف ہے بِالْحَقِّ درانحالیکہ وہ جماعت تھی کے ساتھ ملتبس تھی یعنی وہ حق والے تھے وَبِهٖ حق کے ساتھ يَعْدِلُوْنَ جو اُن کے لئے احکام جاری ہوتے ہیں اُن پر عادلانہ طور عمل کرتے ہر دونوں افعال میں مضارع کا صیغہ بول کر ماضی کی حکایتِ حال کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اعجوبہ لیکن مشہور ترین مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اس اُمت سے وہ بنواسرائیل مراد ہیں جو چین سے بھی آگے بجانب مشرق (پہاڑوں میں) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

اعجوبہ مذکور کا عجیب واقعہ ان کا واقعہ یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو بنی اسرائیل کے بعض افراد کی سرکشی اور بغاوت حد سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا و دیگر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب اُن کا مشغلہ بن گیا۔ اُن کی نحوست سے قتل و غارت عام ہوگئی انہیں سے بعض نیک طینت اور مبارک سیرت بھی تھے۔ جو اُن کی غلط کاریوں سے بری الذمہ تھے بلکہ انہیں برائیوں سے روکتے تھے لیکن اُن کی غلط کاری عادت بن چکی تھی اس لئے وہ بضد ہوگئے تو اُن نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان میں ایسی جدائی ڈالدے کہ پھر ایک دوسرے سے ملنے کا امکان بھی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے نزدیک ان کے لئے ایک سُرنگ کھولی وہ اُس کے اندر گھس گئے اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے اُن کے آگے آگے روشنی کے گیس روشن ہوگئے دن کو وہ اس روشنی سے غار کا راستہ طے کرتے رہتے جب سورج ڈوبتا روشنی بجھ جاتی وہ روشنی کے بجھنے پر وہیں آرام فرماتے جب صبح ہوتی تو وہ روشنی پھر سامنے آجاتی اور سارا دن سفر کرتے رہتے اسی طرح ان کا ڈیڑھ سال تک یہی طریقہ رہا کھانے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ ایک نہر جاری کردی یا اپنی قدرت کاملہ سے اُن کے لئے کھانے پینے کی اشیاء حسبِ ضرورت انہیں منزل بمنزل مل جاتیں ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد ملک چین کے اختتام پر بجانب مشرق ایک زمین میں پہنچے جہاں پر درندے وحشی اور موذی جانور رہائش پذیر تھے لیکن اُن کے پہنچنے پر انہیں کسی قسم کا ایذا نہ پہنچایا۔ وہ وہاں پر تورات کے احکام پر پابندی سے عمل کرتے ہیں لیکن ہر وقت اسلام کے مشتاق رہتے ہیں اُن کی نیکی و بزرگی کے پیش نظر ان کے ہاں ملائکہ کرام حاضر ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے اتنے دور ہیں کہ نہ ہم اُن سے مل سکتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک نہ ہمارے ہاں آسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک چین کے اختتام پر ایک ریت کی نہر جاری ہے جس کا عبور کرنا نہایت ناممکن ہے

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ نہر شہد کی ہے۔

فائدہ سدی نے فرمایا کہ وہ آپس میں بہت بڑا اتفاق رکھتے ہیں گویا وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا مال اپنا مال سمجھتے ہیں۔ یعنی کسی قسم کا فرق نہیں سمجھتے۔ رات کو اُن کے ہاں بارش ہوتی ہے تو صبح کو بآرام سارا دن گذارتے ہیں کھیتی باڑی کرتے ہیں حسبِ ضرورت اناج لے لیتے ہیں باقی ویسے چھوڑ دیتے ہیں یعنی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے۔

شبِ معراج کا ایک منظر

شبِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ مجھے بنی اسرائیل کی اس قوم سے ملاقات کرایئے جس کی اللہ تعالیٰ نے اُمَّۃٌ "یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ہ سے تعریف فرمائی ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ آپ سے اتنی دور نہیں اُن تک پہنچنے کے لئے آنے جانے کا راستہ صرف بارہ دن رات کا ہے لیکن آپ اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجئے جو حکم ہو اس پر عمل فرمایئے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کی ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ جبریل علیہ السلام نے آمین کہی۔ آپ کی دُعا مستجاب ہوئی کہ بذریعہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ السلام کو ان لوگوں کے ہاں براق پر سوار کر کے لے جائے۔ آپ براق پر سوار ہوئے کہ چند قدم اٹھانے پر ان لوگوں کی آبادی میں پہنچے آپ نے انہیں السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر عرض کی کہ آپ کون ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "میں نبی اُمّی ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہوں نے عرض کی آپ کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اوصیا نے ہمیں بشارت دی تھی کہ ہم میں جو بھی آپ سے ملے تو آپ پر اُن کی طرف سے سلام عرض کرے۔ فلہٰذا ہماری طرف سے اُن کا سلام قبول فرمایئے آپ نے ان کا سلام قبول فرمایا پھر انہوں نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اُن کو دیکھ رہے ہو عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی جبریل علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اُن اسلاف کے مزارات دیکھے جو ان کے گھروں کے قریب ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا عرض کی یہ اس لئے تاکہ ہم اُن کی روزانہ زیارت کریں اور عبرت حاصل کر کے موت کو یاد رکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے مکانات بالکل زمین سے ملے ہوئے ہیں بلند مکانات کیوں نہیں بنوائے انہوں نے عرض کی اس لئے کہ کسی کا مکان دوسرے سے بلند ہو کر اُس کی دوسرے پر بزرگی نہ جتلائے۔ دوسرا اس طرح سے ہوا نہ رُکے اور سب کو برابر ہوا پہنچے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے ہاں نہ کوئی حاکم مقرر ہیں نہ قاضی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ عرض کی ہم ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتے ہیں کوئی بھی کسی کا حق نہیں کھاتا۔ اس لئے نہ ہمیں حق کی ضرورت ہے نہ قاضی کی۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے ہاں بازار نہیں اور نہ کوئی شہر۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم کھیتی باڑی کر کے اپنی ضرورت کا اناج وغیرہ لے لیتے ہیں باقی اپنے محتاج اور کمزور لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں نہ ہمیں

بھیجنے کی نوبت آتی ہے اور نہ بازار اور شہر بن سکتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا تم ہیں بعض ایسے ہیں جنہیں میں بہت ہشاش بشاش اور ہنستا چہرہ دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے ۔ عرض کی کہ اُن کے عزیز و اقارب کا ابھی تازہ انتقال ہوا ہے وہ ان پر اس لئے خوش ہیں کہ دینِ حق پر انہیں موت آئی ہے ۔ آپ نے فرمایا انہی بعض کو بہت غمگین پاتا ہوں اس کی وجہ کیا ہے عرض کی اس لئے کہ اُن کے ہاں بچے پیدا ہوئے ہیں ۔ اب وہ غمگین ہیں کہ نامعلوم وہ بڑے ہو کر کیسا دین اختیار کرتے ہیں ۔ خدانخواستہ بڑے ہو کر انہوں نے غلط راستہ اختیار کر لیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا ۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہو تو کیا کرتے ہو اور اگر لڑکی پیدا ہو تو کیا ۔ عرض کی لڑکے کی پیدائش ہر ایک ماہ شکرانہ کا روزہ رکھتے ہیں اور لڑکی کے لئے دو ماہ روزہ رکھتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا اس طرح کیوں عرض کی اسی طرح ہمیں موسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں لڑکوں کے دوہرا ثواب ملتا ہے ۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی زنا کرے تو کیا کرتے ہو ۔ عرض کی ہمارے ہاں کوئی زانی نہیں ۔ اگر خدانخواستہ ہمارے میں سے کسی سے ایسی غلطی ہو جائے تو اُسے آسمان اچک لے اور زمین نگل جائے ۔ آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی سود کھائے تو عرض کی ہمارے ہاں کوئی ایسی غلطی نہیں کرتا ۔ یہ وہ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کا رزّاق ہونے پر ایمان نہ ہو لیکن ہم میں ایسا کوئی نہیں آپ نے فرمایا تم بیمار بھی ہوتے ہو کہا کہ نہ ہم گناہ کرتے ہیں اور نہ بیمار ہوتے ہیں ۔ یہ آپ کی اُمت کا کام ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں پھر وہی بیماری اُن کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے ۔ آپ نے فرمایا تمہارے ہاں درندے اور موذی جانور نہیں ہیں عرض کی ہیں لیکن ہم اُن کے قریب آتے جاتے ہیں اور وہ ہمارے قریب سے گذرتے ہیں نہ ہم انہیں کچھ کہتے ہیں نہ وہ ہمیں ایذا پہنچاتے ہیں ۔ اس بڑی طویل گفتگو کے بعد آپ نے اپنی شریعت کی انہیں دعوت دی اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی چند اور سورتیں بھی سکھائیں اور پانچ نمازوں کی ادائیگی کا بھی حکم فرمایا ۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ شبِ معراج سے پہلے مکہ معظمہ میں آپ پر دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں آپ نے انہیں وہی سورتیں سکھائیں اور اس وقت نماز اور زکوٰۃ کا حکم بھی نازل ہو چکا تھا ۔ آپ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کی تعظیم بھی چھوڑ دو ۔ اور جمعہ کی نماز ادا کیا کرو ۔ اور وہیں پر تا قیامت مقیم رہو ۔ اس روز سے وہ مسلمان اور صحیح دین پر مضبوط ہیں اور ہمارے قبلہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ۔

فائدہ تجمیع کا لفظ حدیث مذکور میں واقع ہے اس کا معنےٰ ہے جمعہ کی نماز ادا کرنا ۔

سوال مذکورہ بالا احکام میں سے چند ایسے احکام بھی ہیں جو شبِ معراج کے بعد نازل ہوئے ہیں ؟

جواب جو احکام اُس وقت نازل ہو چکے تھے وہ اُس وقت بتا دیئے باقی بعد کو ۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو معراج صرف ایک بار ہوئی بلکہ آپ متعدد بار معراج سے مشرف ہوئے ۔ البتہ معراج جسمانی ایک بار ہوئی باقی روحانی طور آپ نے ان لوگوں کی تکمیل روحانی معراج کے طور فرمائی ۔

دیگر جواب بطرز عقیدہ حاضر و ناظر[1] آپ نے انہیں اس وقت نماز کی تلقین فرمائی اور سب کو معلوم ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ نے انہیں جسمانی طور بعد کو تلقین فرمائی اس لئے کہ آپ کے جسم اطہر کی پرواز ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی جیسا کہ متعدد بار ہوا کہ ہماری آنکھ کی پرواز اس پرواز سے عاجز ہے جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جسم مبارک کے ساتھ پرواز فرماتے اور آپ کے لئے قرب و بعد یکساں تھا۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہی جواب مجھے اہل تفاسیر کے مختلف بیانات سے ثابت ہوا اور مذکورہ بالا حدیثِ معراج سے جو اعتراض پیدا ہوا وہ اس تقریر سے باآسانی رفع ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ اس سے خواص اولیا اللہ مراد ہیں کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور خلقِ خدا کو بھی راہِ حق دکھلاتے ہیں۔ لیکن کتاب اللہ کی روشنی میں وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اسی سے عوام کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ موسیٰ علیہ السلام کے خواص اولیا کا حکم ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیاء کی شان بہت بلند ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے روحانیت کے بہت بڑے مقامات طے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ انانیت مٹا کر جذبات متابعت نبوی کے انوار سے مقامِ وحدۃ میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقام اُن کی بقاء وحدۃ کے لئے اُن کے وجود کا مصدر و مرکز ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَلِسَانًا فَبِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ وَبِيْ يَنْطِقُ میں اُس کا کان و آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

یہی اولیا جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو انہیں اُمّی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اب اس مقام پہ پہنچتے ہیں جو اُن کے ایجاد کا اصل ہے لیکن بنی اسرائیل کے اولیا کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا اس لئے کہ اُن کا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام انانیت کے حجاب سے محور ہے چنانچہ رؤیت کا سوال کیا تو انانیت کو مدِ نظر رکھا تھا۔ كَمَا قَالَ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اس کے جواب میں انہیں کہا گیا لَنْ تَرٰىنِيْ اس لئے کہ ابھی تم اپنی انانیت میں ہو مجھے اس وقت دیکھو گے جب انانیت مٹ کر ہویت غالب ہو جائے گی اس لئے کہ مجھے وہی دیکھ سکتا ہے جو میرے جلووں میں پورا پورا ڈوبا ہوتا ہے جس میں ابھی تک اپنے وجود کی بُو آتی ہے وہ دیدار سے محروم رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ انانیت کو مٹا کر میرے جلووں میں مستغرق ہو جاتا ہے تو پھر میں ہی اُس کی آنکھ ہوتا ہوں اسی سے مجھے دیکھتا ہے اور مقام صرف اس اُمّت کا ہے جس کے نبی اُمّی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضور علیہ السلام کی

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔

کی امت کے اس بلند مقام کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اُمتی بنا۔ (التاویلات النجمیہ)

(۱) مصطفےٰ را انبیاً امت شدند
جملہ در زیر لوأ اوشدند

(۲) پایۂ ایں اُمّت مرحوم بیں
کہ یقالوا بین ارباب الیقین

(۳) . رفعتش بین الامم چوں آفتاب
درمیاں انجم اے عالیجناب

(۴) پیشہ کن اے حقی شرع ایں نبی
تا نباشد فوت از تو مطلبی!

ترجمہ: (۱) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انبیاً علیہم السلام امتی ہوئے تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔

(۲) اس سے اُمّت (محمدیہ) کا مرتبہ دیکھ ان کو ارباب الیقین کے درمیان کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا

(۳) امتوں میں اس مرتبہ ایسے ہے جیسے ستاروں میں آفتاب۔

(۴) اے حقی[1] اس نبی علیہ السلام کی شریعت پر چل تا کہ تجھ سے تیرا مطلب فوت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَقَطَّعْنٰھُمُ اور ہم نے انہیں بنا ڈالا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ اس سے یہ لوگ مراد نہیں جن کی تفصیل ہم نے بیان کی ہے اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ یہ قطعنا کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ قطعنا تعبیر کے معنے کو متضمن ہے۔

سوال اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ مونث کا صیغہ ہے اور اس سے مراد قوم ہے اور اس کے لئے مذکر کا صیغہ لانا چاہیئے؟

جواب قوم بتاویل الجماعۃ یا القطعۃ ہے۔ یعنی ہم نے انہیں بارہ گروہ یا بارہ ٹکڑے بنا دیئے جو ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے تھے۔

اَسْبَاطًا یہ اثنتی عشرۃ سے بدل ہے اس لئے جمع کر کے لایا گیا ہے ورنہ نحوی قاعدہ ہے کہ احد عشر تا تسع عشرہ" کی تمیز مفرد اور منصوب ہوتی ہے اس قاعدہ کے مطابق اسباطًا تمیز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

---

[1] یہ تخلص صاحب رُوح البیان کا ہے۔

اور یہ سبط کی جمع ہے اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو سبط کہا جاتا ہے جیسے لفظ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر مستعمل ہوتا ہے۔ سبط دراصل ولد الولد یعنی پوتے کو کہا جاتا ہے (پھر مجازاً اولاد اسحاق (علیہ السلام) کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ اُمَمًا بدل کے بعد بدل ہے۔ یہ امت کی جمع ہے بمعنے الجماعۃ۔

سوال بنی اسرائیل کے بارہ گروہ کیوں بنائے گئے؟

جواب وہ اس لئے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادوں کی اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر انعام کے طور انہیں بارہ گروہ علیحدہ علیحدہ بنائے تاکہ ان کا انتظام درہم برہم نہ ہو اور معاشی حالات میں درست رہیں اس لئے کہ وہ لوگ سخت جھگڑالو اور ایک دوسرے سے بغض وحسد رکھنے والی اور متعصب قوم تھی۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جبکہ اُن کی قوم نے پانی مانگا۔ یعنی اُن کی قوم نے اس لئے پانی مانگا کہ اُن پر جنگل کی پیاس نے حملہ کیا جبکہ انہوں نے غلطی کی تو بطور سزا انہیں جنگل میں حیران وسرگردان کردیا گیا۔

اَنِ یہ اَوْحَیْنَا کے لئے مفسرہے اضْرِبْ بِّعَصَاكَ اپنے عصا کو ماریئے۔ آپ کا وہ عصا بہشت کے درخت مورد کا تھا اُسے آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر لائے۔ آپ کی وراثت میں انبیاء علیہم السلام کو ملا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔

الْحَجَرَ ج اس پتھر کے متعلق بہت بڑا اختلاف ہے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پتھر نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ مجھے ساتھ لے جائیے آپ کو میرے بہت فائدے ہوں گے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اُسے جنگل میں لے گئے تو جب قوم نے پیاس سے پانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس پتھر پر اپنا عصا مارا۔

فَانْۢبَجَسَتْ پس وہ پتھر چیر گیا یعنی کھل گئے مِنْهُ اس پتھر سے اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ط بارہ چشمے یعنی بارہ قبیلوں کے مطابق بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

فائدہ حدادی نے لکھا کہ تھوڑے پانی نکلنے کو الانبجاس کہتے ہیں اور اگر زور دار طریق سے ہو تو الانفجار کہا جاتا ہے۔

سوال فَانْۢبَجَسَتْ کبھی فَانْفَجَرَتْ کیوں؟

جواب ابتداً اس پتھر سے تھوڑا سا پانی نکلتا تھا اُس کے بعد زور سے چشمے نکلتے تھے اس لئے کبھی الانبجاس اور کبھی الانفجار۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ بے شک معلوم کرلیا ہر قبیلے نے۔

سوال یہاں پر الاسباط کے بجائے اناس کیوں کہا گیا؟
جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قبیلہ کثیر التعداد تھا۔
مَّشْرَبَهُمْ اپنے نامزد پانی کے چشمے۔ اس لئے کہ قبیلہ صرف اپنے چشمے سے پانی لیتا تھا کیا مجال ہوئی کہ کوئی دوسرا اس چشمہ سے پانی لے سکے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان لوگوں میں تعصب بہت زیادہ تھا کہ اپنے جتھے کے سوا دوسروں کو اپنا ہمنوا گوارہ نہیں کرتے تھے۔
فائدہ حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس پتھر کے بارہ سوراخ تھے جونہی کسی جگہ نازل ہوتے تو پتھر سے اپنے مخصوص سوراخ کو کھول کر اپنی منزل تک نالی کھود کر پانی لے جاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فرمایا **قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ** مشرب بمعنے موضع شرب یعنی پانی کا گھاٹ۔
وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور ہم نے اُن کے اوپر بادلوں کا سایہ کیا یعنی ہم ان پر بادلوں کا سلسلہ ایسے طریق سے کیا کہ دن کو جہاں جاتے بادل اُن کے سروں پر سایہ کیا کرتے تاکہ انہیں سُورج کی گرمی نہ ستائے اور رات کو وہی بادل نورانی گیس بن جاتے تاکہ راہ چلتے وقت انہیں تاریکی سے تکلیف نہ ہو۔
وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ اور ہم نے اُن پر منّ نازل کیا۔ اس سے بعض مفسرین نے ترنجبین مراد لی ہے قاموس میں ہے کہ دراصل منّ ہر اُس شبنم کو کہا جاتا ہے جو درختوں اور پتوں پر رات کو نازل ہوتی ہے اور وہ میٹھی ہوتی ہے جو جم جانے کے بعد شہد کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور خشک گوند کی طرح خشک کی جاتی ہے جیسے شیر خشت اور ترنجبین۔ **وَالسَّلْوٰى** امام قزوینی و ابن بیطار نے کہا ہے کہ وہ بٹیر تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ اور پرندہ ہے جو بٹیر کی طرح ہوتا ہے۔
فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ وہ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کی شکل میں یمن میں چڑیا سے بڑا اور کبوتر سے چھوٹا ہوتا ہے اور سلوٰی کو اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو سالن سے بے نیاز کر دیتا ہے۔
حدیث شریف میں ہے لحوم میں سے بہتر گوشت پرندوں کا ہے اور فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تمام سالنوں کا سردار گوشت ہے اور دنیا و آخرت کے پینے کی چیزوں کا سردار پانی ہے اور دنیا و دنیا کی تمام خوشبوؤں حنا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ **سيد الطعام اللحم**۔ تمام طعاموں کا سردار گوشت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "**فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام**"۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کو تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید[1] کو تمام طعاموں پر۔

---

[1] عرب کا سب سے افضل کھانا یعنی شوربا میں بھگوئی ہوئی روٹی (المنجد) اُویسی غفرلہ

فائدہ مَنْ برف کی طرح ایک شے تھی جو صبح سے طلوع شمس تک آسمان سے نازل ہوتی تھی اور ہر انسان کے لئے ایک صاع کی مقدار نازل ہوتی اور جنوب کی طرف بٹیرے (پرندے) نازل ہوتے جنہیں ہر انسان پکڑکر اپنے لئے ذبح کرتا ۔

كُلُوْا ہم نے انہیں کہا کہ کھاؤ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیں ۔ مَا موصولہ یا موصوفہ اس سے من وسلویٰ مراد ہے ۔

تفسیر فارسی میں ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمایا ۔ یعنی وہ روزی جو اللہ تعالیٰ سے نصیب ہو اُسے کھاؤ ۔ لیکن ذخیرہ مت کرو ۔ انہوں نے خلاف کرکے ذخیرہ بناکر من وسلویٰ کو چھپا کر رکھ چھوڑا جس سے وہ چند روز کے بعد بدبودار ہوگئے ۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا اس کا عطف جملہ محذوفہ پر ہے صرف اختصار کے پیش نظر اسے محذوف کردیا گیا ہے دراصل عبارت یوں تھی فَظَلَمُوْا بان کفروا تلك الانعم الجليلة وماظلمونا یعنی انہوں نے اتنی بہت بڑی نعمتوں کا انکار کرکے ہمارے اوپر نہیں بلکہ اپنے اوپر ظلم کیا ۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ہ لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے ۔ اس لئے کہ ظلم ضرر انہیں کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑیگا ۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دے کر اور وہ رزق جو دنیا میں بلا تکلف اور بلا مشقت ان پر نازل ہوتا اس کا مادہ کاٹ کر اپنے نفسوں کو نقصان پہنچایا حالانکہ بلا تکلف حصول کے علاوہ آخرت میں اس پر حساب کتاب بھی نہیں تھا ۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اور اے پیارے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے کہ اُن کے اسلاف کو کہا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ اسی گاؤں میں ٹھہرو ۔ اس کا منصوب ہونا مفعولیت کے طور مثلاً کہا جاتا ہے ”سکنت الدار“ بعض نے کہا اس کا منصوب ہونا بطور وسعت کے علی الظرفیۃ ہے ۔

فائدہ اَلْقَرْيَه سے بیت المقدس یا اریحاً کے قریب جبارین رہا کرتے اور یہ لوگ عاد کا بقایا تھے انہیں عمالقہ کہا جاتا اُن کا سردار عوج بن عنق تھا ۔

وَكُلُوْا مِنْهَا اور اس سے کھاؤ ۔ یعنی اس بستی کے باغات کے مطاعم وثمرات حَيْثُ شِئْتُمْ جہاں سے چاہو یعنی اس بستی کے گردونواح کے باغات اور کھیتوں میں جہاں سے چاہو تمہیں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کروں گا ۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ“ اور کہو کہ ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ معاف ہوجائیں حطۃ بروزن فعلۃ الحط سے ہے جیسے الردۃ رد سے ہے الحط بمعنے کسی شئے کو اوپر سے نیچے گرانا یہاں پر بمعنے گناہوں کی مغفرت یا ان کا

جھڑجانا مراد ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ اور اس بستی کے دروازہ سے داخل ہوجاؤ۔ سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر کو جھکا کر اور متواضع ہو کر سجدہ کرتے ہوئے شکریہ کے طور کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگل کے عذاب سے نجات دی۔

فائدہ اگر اس القریہ سے اریحا مراد ہو تو اب مطلب اس روایت کے مطابق ہے۔ مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بقایا بنی اسرائیل یا ان کی اولاد کو علی اختلاف الروایتین لے کر مذکورہ بستی میں داخل ہوئے تو یہ بھی ساتھ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کو فتح کیا جیسا کہ سورہ مائدہ میں گذرا۔ اور اگر اس سے بیت المقدس مراد ہو تو مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یہ لوگ اس میں داخل ہوئے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الباب سے وہ قبہ مراد ہے جس میں نماز پڑھتے تھے۔ (کذا فی الارشاد)۔

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيٰتِكُمْ تمہاری استغفار اور خضوع سے ہم تمہارے پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ یہ جملہ متانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں مغفرت نصیب ہوگئی تو پھر ان کے لئے مزید کیا چاہیئے تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نیکی کرنے والوں کے ثواب واحسان میں اضافہ فرمائیں گے خلاصہ یہ ہے کہ مغفرت انہیں فرمان کی تعمیل سے اور ثواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوا۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ان میں سے ظالموں نے تبدیل کیا۔ یعنی انہیں حکم ہوا کہ توبہ واستغفار کریں لیکن انہوں نے اس سے اعراض کر کے اس کے بجائے قَوْلًا دوسرا قول کہا جس میں اُن کی کسی قسم کی خیر وخوبی نہیں تھی۔

فائدہ مروی ہے کہ وہ بجائے سجدہ کی حالت کے چوتڑوں پر چلے اور حطہ کے بجائے حطتہ کہتے اور وہ بھی قول باری تعالیٰ کی حقارت اور موسیٰ علیہ السلام سے استہزا کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی طلب سے روگردانی کر کے دنیا فانی کمینی کے اسباب اور اپنی خواہشات کے مطابق چند اور باتیں طلب کیں۔

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ یہ قولًا کی صفت ہے یعنی جو کچھ انہیں کہا گیا اُس کے مخالف اور بات کی۔

سوال لفظ بدل سے تو ثابت ہوتا کہ انہوں نے غیر کا مطالبہ کیا۔ پھر آیت میں لفظ غیر کی تصریح کیوں؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ جو کچھ انہوں نے طلب کیا وہ ایک معمولی شے تھی اور واضح کرنا ہے کہ وہ ہر وجہ سے حکم الٰہی کے خلاف تھا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ پس ہم نے اُن پر بلا تاخیر نازل کیا یعنی جونہی اُن سے مخالفت صادر ہوئی۔ ہم نے بلا تاخیر اُن پر نازل کر دیا۔ ارسال بھی انزال کی طرح اوپر سے نیچے بھیجنے کو کہتے ہیں۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب جو کہ آسمان سے نازل ہوا۔ اس سے طاعون مراد ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ صرف ایک گھڑی میں چوبیس ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔

بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ اُن کے ظلم کی وجہ سے خواہ وہ پہلے ان سے سرزد ہوا یا اب۔ یہ عذاب صرف تبدیلیٔ کلمات کی وجہ سے نہ ہوا۔

سبق اسی طرح جو بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا نشانہ بنا کر اُسے مصائب و تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ بنی اسرائیل نے دو نعمتیں ضائع کیں۔

(۱) دنیوی یا یمعنی کہ ان پر من و سلویٰ اور دیگر کئی نعمتیں جو انہیں بلا مشقت نصیب ہوتی تھیں سب کی سب نافرمانی میں ضائع کر دیں۔

(۲) آخرت یا یمعنی کہ مغفرت و ثواب سے محروم ہو گئے کہ مرنے کے بعد اُس کا تدارک ناممکن ہو گیا پھر سوائے تحسر اور ندامت کے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا۔

حکایت عجیب و غریب زمانہ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لئے نکلے۔ صفات میں ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ شام ہوئی تو صفاۃ سے ایک سانپ نکلا۔ جس کے منہ میں ایک دینار تھا اُس نے وہ دینار ان مسافروں کے آگے ڈال دیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہاں کوئی بہت بڑا خزانہ ہے جس سے یہ سانپ اُٹھا کر لایا ہے تین دن دونوں بھائی وہاں ٹھہر گئے اور سانپ روزانہ اُن کے پاس ایک دینار لا کر رکھ دیتا انمیں ایک بھائی نے کہا یقیناً یہاں خزانہ ہے اب ایسا کریں کہ اس سانپ کو قتل کر کے خزانہ اُٹھا لیا جائے۔ دوسرے بھائی نے کہا یہ نامناسب ہے کہ اولاً احسان فراموشی ہوگی ثانیاً ممکن ہے خزانہ نہ ہو ہم خواہ مخواہ اتنی مشقت بھی کریں اور مراد بھی پوری نہ ہو۔ اُس نے بھائی کی بات نہ مانی جونہی سانپ اپنی بل سے باہر نکلا تو اس کے پاس ایک کلہاڑا تھا وہ سانپ پر دے مارا۔ سانپ کے سر پر لگا۔ لیکن ضرب خفیف تھی اس لئے سانپ پر اتنا اثر نہ ہوا۔ پھر سانپ نے جلدی سے اس پر حملہ کر کے اُسے ایسا ڈنس لگایا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ بھائی نے اسے دفنایا۔ وقت مقرر پر اس سانپ کا انتظار کیا۔ جب سانپ باہر نکلا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی لیکن خالی ہاتھ نکلا۔ اس شخص نے کہا کہ بھائی سانپ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے بھائی کے خلاف تھا اور آپ کے ساتھ لڑائی سے میں نے اُسے روکا تھا لیکن اس نے میری نہ مانی۔ اب آپ میرے ساتھ صلح کر لیں کہ میں یہاں پر زندگی بسر کروں نہ تو مجھے کچھ ایذا دینا اور نہ میں تیرے درپے آزار ہوں گا۔

سانپ نے کہا اے برادر! یہ سودا مجھے نامنظور ہے اس لئے کہ تم اپنے بھائی کی قبر کو دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور مجھے بھی سر کا زخم یاد آئے گا تو مجھ سے رہا نہ جائے گا۔ (کذا فی الحیوٰۃ الحیوان)

(باقی ص ۱۶۵ پر)

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ
إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ
كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ
لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا
مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا
الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ
بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا
لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ
يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ
وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ
وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا
الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ
أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا
مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ
وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ
الْمُصْلِحِينَ ۝ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ
وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ع

ترجمہ: اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کے کنارے تھی جب وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھتے جب
ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا نہ آتیں اسی طرح ہم انہیں آزماتے
تھے ان کی بے حکمی کے سبب اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک
کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب کرنے والا بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کو اور شاید انہیں ڈر ہو پھر
جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھیں ہم نے بچا لئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو برے
عذاب میں پکڑا۔ بدلا ان کی نافرمانی کا پھر جب انہوں نے ممانعت کے حکم سے سرکشی کی ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ
بندر دھتکارے ہوئے اور جب تمہارے رب نے حکم سنا دیا کہ ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں گا
جو انہیں بری مار چکھائے بے شک تمہارا رب ضرور جلد عذاب والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور انہیں
ہم نے زمین میں متفرق کر دیا گروہ گروہ ان میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں
سے آزمایا کہ وہ رجوع لائیں پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ اب ہماری بخشش ہو گی اور اگر ایسا ہی مال ان کے پاس اور آئے تو لے لیں کیا ان پر کتاب میں عہد نہ لیا
گیا کہ اللہ کی طرف نسبت نہ کریں مگر حق اور انہوں نے اسے پڑھا اور بے شک پچھلا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کو تو کیا تمہیں
عقل نہیں اور وہ جو کتاب کو مضبوط تھامتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم رکھی ہم نیکوں کا نیگ نہیں گنواتے اور جب ہم
نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا لو جو ہم نے تمہیں زور سے اور یاد کرو جو اس
میں ہے کہ کہیں تم پرہیزگار رہو۔

تفسیر عالمانہ وَسْئَلْهُمْ اور اُن سے پوچھئے۔ اس کا عطف اذکر پر ہے جو وَاِذْ قِیْلَ لَهُمْ میں مقدر ہے اور ضمیر
ہم اُن یہودیوں کی طرف راجع ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں موجود تھے اور اس سوال سے

(بقیہ صـ۱۶۳)

مثنوی شریف میں ہے ؎

بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست
باز ناید رفتہ یادِ آں ہباست

ترجمہ: گذشتہ حسرت یاد کرنا اچھا نہیں۔ اس لئے کہ گئی ہوئی واپس نہیں لوٹتی پھر آوارہ یاد سے کیا فائدہ۔

دعا اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو صبح آخرت سے پہلے جاگ اٹھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان لوگوں سے
بنا جو امور باطنہ اور ظاہرہ کی اہمیت سے غفلت کرتے ہیں بلکہ ہمیں توفیق بخش تاکہ ہم تیری تسبیح میں ہر وقت
لگے رہیں اور تیرے ذکر سے ہماری زبانیں تر رہیں۔ تو ہی ہمیں دیکھنے والا ہے تو ہی ہمارے حال سے باخبر ہے۔

یہ مطلب نہیں کہ حضور علیہ السلام کو اُن کے حالات کا علم نہیں تھا اور آپ اُن سے پوچھیں اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اُن کے تمام حالات سے آگاہی تھی بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انہیں تنبیہہ ہو کہ وہ خود اقرار کریں کہ واقعی ان کے حالات بگڑے اور اس سے قبل وہ کفر کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے بلکہ وہ حدود الٰہی سے متجاوز تھے اور وہ اپنے اسلاف کی طرح انبیا علیہم السلام کی مخالفت کرتے رہے اور اس سے انہیں ان کی غلطی کا اعتراف کرایا گیا۔ تاکہ انہیں حضور علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر یقین ہو جائے کہ باوجود اُمّی ہونے کے آپ تمام حالات سے باخبر ہیں فلہٰذا انہیں ماننا چاہیئے کہ آپ نبی برحق ہیں۔ آپ کو وحی سے وہ باتیں معلوم ہیں جو سوائے وحی کے اَور کسی طرح سے معلوم نہیں کی جاسکتیں اور نہ ہی تعلیم الٰہی کے بغیر انہیں کوئی جان سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کے باوجود اور کتب سابقہ کے مطالعہ نیز کسی خواندہ آدمی کی صحبت کے بغیر آپ نے بلا کم وکاست اور بلا اضافہ تمام حالات بتا دیئے اس سے یقین ہونا لازم ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی علم ہوا اور آپ کا پورے پورے حالات بتا دینا آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہوا۔

عَنِ الْقَرْيَةِ بستی کے متعلق۔ یعنی اُس کے حالات اور خبریں کہ اس کے مکینوں پر کیا گذری وہ کس طرح سخت مصائب و تکالیف اور عذاب میں مبتلا ہوئے اس قریہ سے ایلہ مراد ہے وہ مدین اور کوہ طور کے درمیان واقع ہے۔

سوال وہ تو ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں اسے القریہ (بستی) سے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب اہل عرب کے نزدیک القریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ وہ قریہ جو دریا کے کنارے کے قریب تھی **اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ** جبکہ وہ ہفتہ میں تجاوز کرتے تھے یعنی انہیں روکا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہ کریں اور اِذْ ظرف مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے **اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ** جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے۔ **حِيْتَانُهُمْ** جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے حِيْتَانُهُمْ حوت کی جمع ہے دراصل حوتان تھا۔ واؤ بوجہ کسرہ ماقبل کے یا سے تبدیل ہوئی جیسے نُون بمعنے مچھلی کی جمع نینان آتی ہے اُس کا اصل بھی نُونان تھا۔

فائدہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے **سُبْحَانَ مَنْ يَعْلَمُ اِخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ** پاک ہے اس ذات کے لئے جو دریا کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے اختلاف کو جانتی ہے

سوال حیتان کو ان کی طرف مضاف کیوں کیا گیا ہے؟

جواب چونکہ وہ مچھلیاں انہی کے علاقوں میں تھیں اسی معمولی نسبت کے تحت ان کی طرف مضاف ہوئیں۔

يَوْمَ سَبْتِهِمْ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرنے کے دن یہ تاتیہم کے متعلق ہے یعنی مچھلیاں اُس دن ظاہر ہوتیں

جبکہ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے سبت یہاں پر مصدر ہے سبت الیھود سے ماخوذ ہے یعنی یہود نے ہفتہ کے دن کی تعظیم کی کہ اسی دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ تفسیر فارسی میں سبت سے یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن مراد لیا ہے۔

شُرَّعًا۔ شارع کی جمع ہے شرع علیہ سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے قریب ہو کر اس کی طرف جھانکے۔ یہ حِیتَانُهُمْ سے حال ہے یعنی اُن کے ہاں ہفتہ کے دن مچھلیاں ساحل بحر پر پانی پر ظاہر ہو کر آجاتی تھیں۔ **وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ** اور جس دن کو وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم بجا نہ لاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہفتہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ہے کہ مچھلی سرے سے ہفتہ کے دن کے سوا باقی دنوں میں ظاہر ہوتی ہی نہیں تھیں۔ **لَا تَأْتِيهِمْ** تو اُن کے ہاں مچھلیاں نہیں آتیں۔ جیسا کہ ہفتہ کے دن کھل کر آجاتیں۔ اُن کے شکار کے خطرے سے چھپی رہتیں۔

فائدہ ہفتہ کے دن کھل کر آنے کی دو وجہیں تھیں۔

① اُس وقت کے نبی علیہ السلام کے معجزہ کا اظہار۔

② ہفتہ کے دن مچھلیوں کا ہرائد دنوں میں نہ ہونا ان لوگوں کے لئے آزمائش اور امتحان تھا۔

كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُمْ ہم اسی طرح انہیں آزمائیں گے۔ کَذٰلِکَ محلاً منصوب اور اُس کا ناصب نبلوھم ہے یعنی اس میں عجیب وغریب آزمائش سے ہم ان سے وہ معاملہ کریں گے جو آزمائش اور امتحان والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ اُن کی عداوت و سرکشی کھل جائے پھر اس عداوت سے ان کا مواخذہ کیا جائے۔

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ان کے فسق کی وجہ سے جو اوامر و نواہی میں خلاف ورزی کرتے تھے **وَإِذْ قَالَتْ** اس کا عطف اِذ یعدون پر ہے اور یاد کرو جبکہ کہا **أُمَّةٌ مِّنْهُمْ** انہیں سے ایک جماعت نے اس سے ان کے وہ نیک بخت لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انہیں نصیحت کی۔ اگرچہ انہوں نے اس کی پاداش میں ان نیک بختوں کو بہت ذلیل و خوار کیا یہاں تک کہ وہ اب ان کی نصیحت سے نا اُمید ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ملنے والے نہیں اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کا وعظ و نصیحت اثر کرتا اور انہیں اپنے وعظ و نصیحت کے اثرات اُن پر غیر مفید پائے اور سمجھ گئے کہ اب انہیں ہمارا ڈرانا اور سمجھانا اور سمجھانا بے سود ہے تو اُن میں سے بعض نے دوسروں

کو کہا **لِمَ تَعِظُونَ** کیوں نصیحت کرتے ہو **قَوْمًا** ایسی قوم کو **ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ** جنہیں اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے گا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زمین کو اُن سے پاک و ستھرا کرے گا **أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا** یا انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

سوال وعظ سے روکنا یا رُکنا تو گناہ ہے یہاں نیک لوگوں نے کیوں روکا؟
جواب بطور مبالغہ کے کہا یہ کہا کہ جب دیکھا کہ وہ کوئی بات مانتے ہی نہیں پھر انہیں وعظ و نصیحت کرنے کا کیا فائدہ اس سے نہ تو ان کا وعظ سے انکار کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی ان کی ان غلطیوں پر وہ راضی تھے۔
قَالُوْا وعظ کرنے والوں نے مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ اپنے رب کریم سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ معذرۃ مفعول لہٗ ہے یعنی ہم انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے معذرت کر کے۔ المعذرۃ مصدر ہے بمعنے العذر بضم والاوّل وسکون الثانی۔ انسان کا اپنی غلطیوں کے ازالہ کے لئے جدوجہد کرنا تاکہ اس کی غلطیاں معاف ہو جائیں۔ مثلاً معذرت کرتے ہوئے بندہ کہے کہ میں نے یہ اس لئے نہیں کیا۔ یا اُس کے کرنے کی وجہ یہ ہے یا کہے کہ اب مجھ سے یہ غلطی ہو گئی مجھے آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔
اور مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ بھی ایک قسم کی توبہ ہے اس لئے کہ ہر عذر کو توبہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر توبہ کو عذر نہیں کہا جا سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ المعذرۃ بمعنے الاعتذار ہے مثلاً کہا جاتا ہے اِعْتَذَرْتُ اِلٰى ذُلَانٍ مِنْ جُرْمِیْ میں نے فلاں کے آگے اپنی غلطی کا عذر پیش کیا اور یہ من سے متعدی ہوتا ہے اور عذر کرنے والا کبھی بطور احقاق کے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ (کذا فی تاج المصادر)۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیاء را چہ جائے معذرت است
(۲) پردہ از لطف گو کہ بردارد
کاشقیا را امید مغفرت است

ترجمہ: (۱) اگر محشر میں اللہ تعالیٰ قہر کا حکم فرمائے تو انبیاء علیہم السلام کو کونسا عذر ہے۔
(۲) عرض کیجئے کہ وہ لطف سے پردہ ہٹائے کہ اس وقت اشقیاء کو بھی مغفرت کی امید ہے۔
وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ اس کا عطف معذرت پر ہے یعنی امید ہے کہ وہ غلطیوں سے بچ کر گناہوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ واضح حق کا قبول کرنا سمجھدار سے اُمید کی جا سکتی ہے اور نا اُمیدی ہلاکت و تباہی و بربادی ہونے والوں میں سے نہیں تھے ورنہ لَعَلَّهُمْ کے بجائے لَعَلَّكُمْ ہوتا۔
فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ پس جبکہ بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی یعنی جتنا انہیں نیک لوگوں نے نصیحتیں کیں سب کو پس پشت ڈال دیا جیسے بھولنے والے کے ذہن سے بات بالکل اُتر جاتی ہے ایسے انہوں

نے واعظوں کی بات کو خیال تک نہ لائے کہ نصیحت کرنے والوں کے تمام کلمات سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ گویا انہوں نے سُنا ہی نہیں۔ مسبب بول کر سبب مُراد لیا ہے۔ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ہم نے انہیں نجات دی جو بُرائیوں سے روکتے تھے۔ یعنی شکار کرنے سے ہم نے انہیں بچایا جو بُرائیوں سے روکنے والے تھے وہ دو گروہ تھے جن کا ابھی ذکر گذرا ہے۔

فائدہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مداہن اور متحمل ہر دو نوں عذاب میں مبتلا ہوتے۔

فائدہ دو فرقے نجات پا گئے صرف ایک فرقہ ہلاک و تباہ ہوا۔ یہ امام حسن کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تردید فرمائی ہے جس کا ناجی ہونا یقینی ہے دوسرا جس نے وعظ و نصیحت اگرچہ نہیں کی لیکن وعید تو سُنائی اور وعید سُنانا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہترین طریقوں سے ہے اور انہوں نے فرمایا وعید کا بلیغ کلمہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ِۙاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ہے۔

فائدہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اقوی ہے (کذا فی تفسیر مدادی)

وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور ہم نے ظالموں کی گرفت کی۔ یہاں پر ظالموں سے حد سے تجاوز کرنے اور امر الٰہی کی مخالفت کرنے والے مُراد ہیں۔ بِعَذَابٍ بَىِٕیْسٍۭ بمعنی شدید معنیً بھی وزنًا بھی۔ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ اخذنا کے متعلق ہے پہلی بأ جارہ کی طرح۔

سوال دو ظرفین اور ایک متعلق یہ کیسے؟

جواب جب دونوں معنًا مختلف ہوں تو جائز ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا ہم نے اُن کے فسق میں سرکشی کی وجہ سے انہیں مذکورہ عذاب میں گرفتار کیا۔

فائدہ فسق بمعنے خروج عن الطاعۃ ہے۔ یہ بھی ظلم اور عدوان ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے معمولی سے عذاب میں مبتلا کیا پھر وہ جب اس مہلت سے گمراہی و ضلالت اور سرکشی و بغاوت میں بڑھے تو انہیں مسخ میں مبتلا کر کے اُن کی جڑ کاٹ دی۔ چنانچہ فرمایا۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ پس جب وقت ممانعت کے باوجود انہوں نے سرکشی کی یعنی اللہ تعالیٰ کی نہی سُن کر اُلٹا سرکشی اور تکبر کیا۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے اس لئے کہ دراصل ترک مانہوا عنہ تھا۔ مضاف اس لئے محذوف مانا گیا ہے کہ صرف منہی عنہ سے انکار و تکبیر مذموم نہیں بلکہ اس کے ترک سے تکبر و بأ مذموم ہے یہ آیت اس حکم کے مطابق ہے کما قال تعالیٰ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ یعنی جبکہ انہوں نے امر رب کے امتثال سے سرکشی کی۔ یہاں بھی امر سے پہلے امتثال کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ عاتی ہر وہ سرکش جو فساد برپا کرے۔ کسی کی نصیحت کو ماننے کو بھی تیار نہ ہو قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِىِٕیْنَ ہم نے انہیں کہا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل و خوار کر کے

خٰسِئِیْنَ بمعنے صاغرین۔ ذلیل ترین اور لوگوں سے دور ہونے والے۔ قاموس میں ہے خسا الکلب بروزن منع یعنی کتے کو دفع کیا اور دور بھگایا۔ القِردۃ قرد کی جمع ہے بمعنے بندر۔ اس کی مونث قِردۃٌ آتی ہے اس کی جمع قمرد ہے جیسے قربۃ کی جمع قرب ہے اور کونوا امر تکوینی ہے نہ قولی نہ تکلیفی اس لئے کہ انہیں بندر بلنے کی از خود طاقت نہیں تھی اور یہ تکلیف مالا یطاق محال ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتاً نہ یہاں قول ہے اور نہ امر نہ مامور۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں بندر بنا دے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۶۵

مسخ ہونے والوں کا واقعہ مروی ہے کہ یہود کو ہماری طرح کا حکم ہوا کہ وہ جمعہ کی تعظیم بجا لائیں انہوں نے جمعہ ترک کرکے ہفتہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے اُن کے اس غلط اختیار کی انہیں سزا ملی۔ اُس دن اُن پر شکار کرنا حرام ہوگیا۔ اور مامور کئے گئے کہ اس دن صرف عبادت کریں۔ اسی طرح اُس کی تعظیم بجا لانا ہوگی۔ ادھر مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ظاہر ہوں چنانچہ ہفتہ کے دن بہت بڑی بڑی اور بہترین اور موٹی مچھلیاں پانی پر تیرتی نظر آتیں اور اتنی کثیر التعداد کہ پانی کو ڈھانپ لیتیں اور باقی دنوں میں ایسی چھپ جاتیں کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہتا۔ عرصہ دراز تک ایسے ہی رہا۔ اُن کے ہاں ابلیس پہنچ گیا اور کہا کہ ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت ہے تو تم ایسے کرو کہ ہفتہ سے پہلے دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے نالے بنا کر کچھ فاصلے پر بڑے بڑے گڑھے کھودو۔ اور پانی کا بہاؤ انہی گڑھوں کی طرف کردو۔ جب ہفتہ کے دن امنیں مچھلیاں جائیں گی تو تم ہفتہ چھوڑ کر اتوار کے دن اُٹھا لینا اس طرح نافرمانی بھی نہ ہوگی اور مچھلیاں بھی کھا لو گے انہوں نے ایسے ہی کیا۔ چنانچہ انہیں سے ایک نے ایک مچھلی اتوار کے دن بھون کر کھائی۔ ہمسایہ نے اُس کی خوشبو سونگھی تو جھانک کر دیکھا کہ وہ مچھلی کھا رہا ہے اُس نے اسے بطور نصیحت کہا کہ ایسا مت کرو۔ کہیں عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور خطرہ ہے کہ ہفتہ کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے لیکن وہ ہفتہ امن وامان سے گذرا تو دوسرے ہفتہ دوسری پکڑ لی اور بھون کر مزے سے کھائی انہوں نے جب دیکھا کہ اس کی خلاف ورزی پر کوئی عذاب نہیں نازل ہو رہا تو ان کے اکثر مچھلیوں کے شکار میں لگ گئے اور ہفتہ کے دن بلا دھڑک کئی مچھلیاں پکڑ کر ہفتہ تک مزے سے کھاتے رہے بلکہ اس کی بیع و شرا شروع کر دی۔ اس بستی کے باسی ستر ہزار افراد تھے اور وہ تین گروہ ہو گئے۔

(۱) ارشاد الٰہی یعنی مچھلی کے شکار کی ممانعت پر پابند رہے بلکہ دوسروں کو بھی مانع ہوتے۔

(۲) ممانعت کے پابند تو تھے۔ لیکن باغیوں کی سرکشی سے تنگ آکر خود بھی نصیحت کرنے سے باز آگئے بلکہ دوسرے ناصحین کو بھی یوں مشورہ دیتے کہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ الخ

(۳) بغاوت و سرکشی میں یکتا تھے کہ مچھلی کے شکار کے خوب مزے لوٹتے۔ جب ناصحین نے دیکھا کہ باغی

کوئی بات بھی نہیں مانتے تو انہیں کہا گیا کہ تم علیحدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام مکانات بیچ ڈالے اور بستی سے باہر خیمے قناتیں لگا دیں اور طے پایا کہ اہل اسلام اور باغیوں کے درمیان ایک بڑی دیوار ہو کہ نہ وہ مسلمانوں میں آئیں اور نہ مسلمان اُن کے ہاں جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُن باغیوں سے تنگ آکر اُن پر لعنت کی چنانچہ صبح کو اہل اسلام بسلامت اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ لیکن باغیوں میں سے ایک بھی گھر سے باہر نہ آیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ آج شراب کے نشے میں زیادہ مخمور ہیں بنا بریں باہر نہیں آئے۔ حالانکہ عذاب الٰہی سے اُن کی شکلیں تبدیل ہو چکی تھیں اور بعض اُن میں زمین میں دھنسا دیئے گئے اور بعض کو پتھروں سے مار مار کر فنا کر دیا گیا لوگوں نے دیواروں کے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو وہ بندر بنے بیٹھے تھے بعض روایت میں ہے کہ اُن کے نوجوان بندر بن گئے اور اُن کے بوڑھے خنزیر۔ جب ان کے دروازے کھولے گئے تو مسخ شدہ بندروں نے اپنی اپنی نسب کے لوگوں کو پہچان لیا اور لوگوں نے انہیں نہ پہچانا۔ وہ بندر مسخ شدہ اپنے نسب والوں کے قریب آکر اُن کے کپڑے سونگھتے اور دھاڑیں مار کر روتے تو لوگ انہیں کہتے کیا ہم نے تمہیں نہیں سمجھایا تھا۔ وہ بندر سر ہلاتے اور زار و قطار روتے یہاں تک کہ اُن کی آنکھوں کے آنسو چہروں پر بہتے نظر آتے۔ وہ تین دن تک زندہ رہ کر پھر سب کے سب مر گئے۔

مسئلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسخ شدہ انسان تین دن زندہ رہ کر مر جاتا ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا نامعلوم اُن کے ساتھ کیا ہوا البتہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہی چوہا انہی سے ہو گیا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اُس کے سامنے اگر اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو نہیں پیتا اگر گائے کا ہو تو پی جاتا ہے اور مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوہ کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر کے فرمایا نامعلوم یہ اس قوم سے نہ ہو جن کی پہلے زمانہ میں شکلیں تبدیل ہو چکی تھیں؟

جواب یہ آپ نے اس وقت فرمایا جبکہ آپ پر اس بارہ میں وحی نازل نہ ہوئی جب آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مسخ شدہ مخلوق کی نسل نہیں بڑھاتا۔ اس کے بعد آپ سے خوف مذکورہ دور ہو گیا۔ اور یقین کر لیا کہ نہ چوہا مسخ شدہ قوم ہے اور نہ گوہ۔ چنانچہ اس کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق خود تصریح فرمائی جبکہ آپ سے سوال ہوا کہ چوہا اور گوہ مسخ شدہ قوم تو نہیں آپ نے فرمایا ان اللہ لم یہلک قوما او یعذب قوما یجعل لھم نسلاً اللہ تعالیٰ ہلاک کردہ اور مسخ شدہ قوم سے نسل کا سلسلہ جاری نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں سب کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کے مسخ ہونے سے پہلے بھی بندر اور خنزیر موجود تھے۔

مسئلہ، آپ کے سامنے گوہ کا گوشت کھایا گیا اور آپ کے دسترخوان پر پائی گئی۔ آپ نے انکار فرمایا۔ اور

اور یہ کئی نصوص سے ثابت ہے ۔(کذا فی حیٰوۃ الحیوان)۔

فائدہ مذکورہ بالا مسئلہ شوافع کے مسلک کے مطابق ہے ورنہ گوہ کا گوشت کھانا احناف کے نزدیک ناجائز ہے (حدیث کے جوابات فقیر کی کتاب وہابی شتر بے مہار میں دیکھئے ۔اُویسی غفرلہٗ)

فائدہ مجاہد سے منقول ہے کہ اُن کے دل مسخ اور اُن کے افہام بندروں جیسے ہوگئے لہٰذا وہ فہم وادراک سے محروم کردیئے گئے ۔

فائدہ یہ حضرت مجاہد کی اپنی رائے ہے جس پر اہل اسلام میں سے کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا ۔

فائدہ پہلی اُمتوں میں گناہ کی سزا پر دنیا میں سخت سے سخت اور نہایت ہیبت ناک عذاب میں مبتلا کیا جاتا اور اس سے اور شدید ترین عذاب کیا ہو سکتا ہے کہ انسانی صُورت جیسی حسین وجمیل شکل سے بندر اور خنزیر جیسی مسخ ترین شکل میں تبدیل کیا جائے ۔

یاد رہے کہ مسخ قلب اور مسخ المعنیٰ صورت اور جسمانیت کی مسخ کا سبب بنتا ہے (العوذ باللہ)

اعجوبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف ایک مچھلی خلافِ حکم خداوندی کھانا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے میں ہے ۔صرف فرق اتنا ہے کہ انہیں دنیا میں سزا ملی اور مسلم کے قاتل کو قیامت میں جس کے لئے ایک وعدہ مقرر ہے اور وہ دن نہایت ہیبتناک اور سخت ترین دن ہے ۔

اُمت نبوی کا مسخ اور اُس کے علامات ونشانات

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال ہوا کہ آپ کی اُمت میں بھی مسخ ہوگا ۔ آپ نے فرمایا ہاں ہوگا ۔لیکن اُس وقت جبکہ وہ لوگ ریشم پہنیں گے اور زنا کو مباح جانیں گے اور شراب عام پئیں گے پھر تول میں کمی بیشی کریں گے اور گانے بجانے اور اُس کے سننے سنانے میں مشغول ہو جائیں گے اور دف بجائیں گے اور حرم شریف کے اندر شکار حلال سمجھیں گے ۔[1]

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں القریہ سے جسدِ حیوانی اور البحر سے بشریت اور اہل قریہ سے صفاتِ انسانیہ مُراد ہیں اور صفات انسانیہ تین قسم ہیں ۔

(۱) روحانی جیسے رُوح کے صفات ۔

(۲) قلبی جیسے قلب کے صفات ۔

(۳) نفسانی جیسے نفس امارہ کے صفات ۔

---

[1] مسلمانو! بتاؤ اب ان اُمور میں باقی کونسی کمی رہ گئی ہے ۔سنبھلو اب وقت ہے ورنہ پھر پچھتانا کام نہ دے گا ۱۲ اویسی غفرلہٗ

ان سب کو روکا گیا ہے کہ وہ محارم الٰہی کے ہفتہ میں دواعی بشریہ کی مچھلیوں کا شکار نہ کریں انسان کی ایک قسم وہ ہے جس نے حکم سنتے ہی تعمیل کے لئے سرِتسلیم خم کر دیا۔ یعنی شکار کرنے سے رُک گئی۔ یہ صفات روحانیہ ہیں دوسری وہ ہے جس نے خود تو شکار نہ کیا لیکن دوسروں کو بھی نہ روکا۔ یہ صفات قلبیہ ہیں تیسری وہ جو جس نے شکار میں بھرپور حصّہ لیا۔ یہ صفات نفسانیہ ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے

صاحب روح البیان کے شیخ یعنی پیرومُرشد کی صوفیانہ تقریر

فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ نفس امارہ کا طور یوم سبت میں یہی ہے کہ وہ اپنے تمام اہل و عیال سے منقطع ہوگیا جبکہ اُس نے طاغوت و جبت کی اتباع قبول کی اور اُس کے شہر حرام یہی ہیں کہ مُرادا ور قربت و وصال الٰہی سے محرومی کا طوق گلے میں ڈالا اور اُس کا نجم قمر اور اس کا فلکِ آسمان دُنیا ہے اور اس کی نصیحت کے متعلق آیت یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کافی ہے۔

فائدہ نفس کی عادت ہے کہ وہ شیطان کو دھوکہ دینے اور اُس کے اُبھارنے پر دواعی بشریت میں منہمک ہوجاتا ہے اس لئے کہ انسان کی عموماً عادت ہے کہ جس چیز سے اُسے روکا جائے اس پر بہت زیادہ حریص ہوتا ہے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا ان میں نفس کو رغبت تک نہیں ہوتی۔ جس میں روحانی صفات اور نفس پر غلبہ اور اُس کے صفات کا تزکیہ و تحلیہ جیسے اوصاف پائے جائیں یقین کرلو کہ وہ اہل نجات و ارباب درجات و اصحاب قربات سے ہے اگر اس پر نفس کا غلبہ اور اُس کے صفات کا حملہ ہو تو سمجھو کہ وہ اہل ہلاکت و ارباب درکات و اصحاب مباعدات سے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نفس تو تا مست و تازہ است و قدید
وانکہ روحت حاسۂ غیبی ندید

(۲) کہ علامتست زاں دیدار نُور
التجافی منک عن دار الغرور

(۳) وانکہ آنکہ عقل او مادہ بُود
نفس زشتش نرو امادہ بود

(۴) لاجرم مغلوب باشد عقل او
جز سوئے خسران نباشد نقل او

۵ وصف حیوانی بود بر زن فنزوں
زانکہ سوئے رنگ و بُو دارد رُکون

ترجمہ ① تیرا نفس مکمل اور تازہ اور مضبوط ہے تیری رُوح نے غیبی حس کو بھی نہیں دیکھا۔
② اس نُور کے دیدار علامات میں سے ہے کہ تُو دار الغرور سے کنارہ کش رہ۔
③ اس پر افسوس ہے جس کی عقل مادہ ہے اس کا نفس پلید نر اور ہوشیار رہے۔
④ اس اعتبار عقل ہمیشہ اس سے مغلوب رہے گی اسے سوائے خسارہ کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔
⑤ حیوانی وصف مادہ میں زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ رنگ و بو کی طرف مائل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ تاذن بمعنے آذن جیسے توعد بمعنے واعد اور الایذان بمعنے الاعلام اور بمعنے عزم اس لئے جو شخص کسی امر کا پختہ ارادہ کر کے قصد مصمم رکھتا ہے تو اس سے اس کا نفس اُس کے ساتھ بولتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کے وقوع کو ایک مقرر وقت تک اپنے علم و ارادہ سے معلق کیا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے حبیب کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے مقدر فرمایا کہ لَيَبْعَثَنَّ البتہ اٹھائے گا۔ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اُن پر قیامت تک۔ علیہم لَيَبْعَثَنَّ کے متعلق ہے اور لَيَبْعَثَنَّ کی لام جواب قسم کے لئے ہے اس لئے کہ وَاِذْ تَاَذَّنَ الخ قسم کے قائم مقام ہے جیسے لفظ علم اللہ و شہد اللہ قسم کے قائم مقام آتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں اپنی خبر موذن کی تاکید کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ بنا بریں انہیں قسم کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ ایسے لوگ جو انہیں رنج پہنچائیں گے۔ اَسَوْم بمعنے رنج بچشانیدن (کذا فی تاج المصادر)

سُوْٓءَ الْعَذَابِ، سخت عذاب سے۔ جیسے ذلیل و خوار کرنا اور جزیہ مقرر کرنا۔ اسی طرح کے اور گوناگوں عذاب چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بخت نصر کو اُن پر مسلط فرمایا جس نے اُن کی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیا اور اُن کے بقایا جزیہ مقرر کیا جو مجوسیوں کو ادا کرتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ وآلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے بھی اُن پر جزیہ مقرر فرمایا۔ اور وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک یہود کو عزت و احترام نصیب نہیں ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ؕ بے شک تمہارا رب جلد حساب لینے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کرے گا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک جو ان کے حضور میں تائب ہو کر ایمان لائے ان کے لئے غفور رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی انسانی مخلوق کو تکالیف و مصائب کا شکار بنائے یعنی قربت الٰہی سے دُور کرے اور گمراہی پر اُبھارے اور عبودیت میں کمزوری پیدا کرے اور راہ مستقیم سے پھیرے اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ اور انہیں دنیا میں سزا دیتا ہے اور مہلت بھی تاکہ گناہوں میں منہمک ہوں اور یہ اُن کی دنیوی سزا ہے اور یہی اُخروی سزا کا موجب بنتی ہے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہ بخشتا ہے جو اس کی طرف تائب ہو کر رجوع کریں۔ یعنی اگر قلوب و ارواح نفس کی متابعت اور اُس کی خواہش سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ غفور ہے اور جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے تو اس کے لئے رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ کی دوسری تقریر اِنَّهٗ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ یعنی اہل ایمان کو دنیا میں مختلف تکالیف و مصائب میں مبتلا کرتا ہے یعنی خوف اور بھوک اور نقص اموال والانفس والثمرات جیسے مصائب اُس کے گناہوں کا کفارہ بنیں یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوں تو گناہوں سے بالکل پاک ہوں انہیں آخرت میں کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہنس پڑے۔ یحییٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کیا وجہ ہے کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطمئن ہیں۔ یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں رہا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو آپ اتنا افسردہ کیوں ہیں۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کوئی اُمید نہیں۔ دونوں نے کہا ہم دونوں اپنے نظریہ پر قائم نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وحی آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم میں سے مجھے وہی زیادہ محبوب ہے جو میرے ساتھ حُسنِ ظن رکھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) نہ یوسف کہ چندیں بلا دید و بند
چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند

(۲) گنہ عفو کرد آل یعقوب را
کہ معنے بود صورت خوب را

(۳) بکردار بدشاں مقید نہ کرد
بضاعات مزجات رد نہ کرد

(۴) زلطفت ہمی چشم داریم نیز
بریں بے بضاعت ببخش اے عزیز

ترجمہ: (۱) دیکھئے یوسف علیہ السلام نے کتنی مصیبتیں اور قیدیں دیکھیں تب ان کا حکم جاری اور قلندر بلند ہوا۔
(۲) آل یعقوب (علیہ السلام) کا گناہ معاف فرمایا حسین صورت کو ایسا معنیٰ ہونا ہوتا ہے۔
(۳) انکے بُرے کردار سے انہیں مفید نہ کیا اور نہ ہی انکی معمولی پونجی رد کی۔
(۴) ہم بھی تیرے لُطف سے (اے اللہ) بھی اُمید رکھتے ہیں اے غالب (رب تعالیٰ) ہماری بے لفیائی کے باوجود ہمیں بخش دے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب پر حُسنِ ظن کے عقیدہ پر مضبوط رہے اور عبادت کے متعلق معمولی طور بھی سستی اور تکامل نہ برتے اس لئے کہ کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی۔

حکایت مع نصیحت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بصرہ کے ایک جنگل میں سعدون مجنون کو دیکھ کر کہا آپ کا کیا حال ہے اور زندگی کیسے گذر رہی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا اے مالک اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح شام بہت بڑے سفر کو گلے لگا رہا ہو اور اُس کے ہاں زادِ سفر اور سامانِ راہ بھی نہ ہو اور جانا بھی ایسے مالک کے ہاں ہو جو عادل ہو اور اُس کا فیصلہ بھی عوام کے سامنے ہوگا۔ یہ کہہ کر خوب رویا۔ میں نے اُس سے پوچھا آپ روتے کیوں ہیں انہوں نے فرمایا نہ مجھے غم دُنیا ہے اور نہ ہی موت سے گھبرایا ہوں رونا اس لئے آتا ہے کہ زندگی آوارگی میں گذر گئی کوئی نیکی بھی پلے نہ باندھ سکا۔ اب گریہ و زاری کے سوا اور کیا کروں جبکہ جانتا ہوں کہ زادِ راہ بالکل نہیں لیکن سفر بہت لمبا ہے اور سفر کی منزلیں بھی پُرخطر ہیں۔ سفر طے کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ میرا مالک مجھے جنت میں بھیجتا ہے یا کہ دوزخ میں۔ میں نے اُن کی پُرحکمت گفتگو سے متاثر ہو کر عرض کی کہ لوگ آپ کو مجنون (پاگل) کہتے ہیں حالانکہ آپ کی باتیں حکیمانہ اور دانشمندانہ ہیں انہوں نے فرمایا آپ کو بنی اسرائیل کی طرح دھوکہ ہوا۔ لوگوں کا غلط خیال ہے مجھے جنون نہیں بلکہ اپنے محبوب کی محبت میں ایسا پگھل گیا ہوں کہ اب میرا قلب اور آنتیں ایک ہو گئی ہیں اور عشق نے میرے گوشت اور خون اور ہڈیوں کو جلا کر راکھ بنا دیا ہے۔ بس میں اگر مجنون ہوں تو اُسی کے عشق کا جنون ہے اور حیرانی چھائی ہے تو اُسی کی محبت کے شغف نے مجھے دنیا سے ناآشنا بنا دیا ہے۔ میں نے اُس سے عرض کی تو پھر آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے کیوں نہیں اُن سے متنفر ہو کر جنگلوں اور ویرانوں میں کیوں پھرتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

کن من النّاس جانبا
وارض با اللهِ صاحبا
قلب الناس کیف شئت
تجدهم عقاربا

ترجمہ: لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی دوستی میں زندگی بسر کرو۔ اس لئے کہ لوگوں کے خیالات

کا کیا کہنا وہ تو دوسروں کو زک پہنچانے میں بچھوؤں سے کم نہیں ہیں ۔

(روض الریاحین للیافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ وَقَطَّعۡنٰهُمُ اور ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ بنائے فِی الۡاَرۡضِ زمین میں ۔ یعنی ہم نے ہر فرقہ ان سے بنایا ۔ زمین کے سرسبز علاقہ میں کہ کوئی علاقہ بھی اُن سے خالی نہیں کہ جہاں پر ان سے کوئی فرقہ نہ ہو ۔ بطور سزا کے جبکہ انہوں نے حق سے روگردانی کی تاکہ متحد رہنے سے اُن کی شان و شوکت نہ بڑھے ۔

اُمَمًا ج یہ قَطَّعۡنٰهُمُ کے مفعول سے حال ہے ۔ یعنی اُن کا حال یہ تھا کہ وہ بہت بڑی جماعتیں تھیں ۔ یا قَطَّعۡنَا مفعول ثانی ہے باعتبار اس کے کہ وہ صیرنا کے معنے کو متضمن ہے ۔

مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ بعض اُن میں نیک بخت ہیں ۔ یہ اُمَمًا کی صفت ہے ۔ اُن سے وہ حضرات مُراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے سچے پیروکار تھے وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ اور بعض ان کے ماسوا تھے دُوۡنَ ذٰلِكَ موصوف محذوف کی صفت ہے یہ دراصل وَمِنۡهُمۡ نَاسٌ دُوۡنَ ذٰلِكَ تھا اور وہ محذوف موصوف یعنی ناس اپنی صفت سے مل کر مُبتدا اور منہم اس کی خبر ہے ۔

سوال ظرف مبتدا بننے بلکہ وہ کسی مسند الیہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہاں پر دونوں ظرفین ہیں ؟

جواب علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ عرب میں عام شائع و ذائع ہے کہ مُبتدا و خبر دونوں ظرف واقع ہو سکتی ہیں ۔ اس قاعدہ پر نحویوں نے کہا جب ایسی صورت واقع ہو تو ظرف اوّل کو مبتدا اور دوسری کو خبر بشرطیکہ اس ظرف میں موصوف محذوف نہ مانا جائے ۔ جیسے یہاں کیا گیا ہے ۔ لیکن اس کے برعکس کرنا نا جائز ہے ۔ اگرچہ معنوی لحاظ سے یہ بہت بعید ہے ایسی صورت میں خبر کو مؤخر کرنا اَولیٰ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ نحویوں نے کہا ہے کہ ایسی صُورت میں موصوف کو محذوف ماننا اولیٰ ہے ۔

فائدہ اسمیں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ یہاں بھی صلاحیت کو محذوف ماننا مناسب ہو گا ۔ جیسے اس سے قبل وَمِنۡهُمُ الصالحون اس پر دلالت کرتا ہے ۔ گویا اصل عبارت وَمِنۡهُمۡ اهل ذلك الصلاح ہونی چاہیئے تھی ۔ یعنی یہ لوگ اہلِ صلاح کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں اس سے کافر یا فاسق لوگ مراد ہیں ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ذٰلِكَ بمعنے اُولٰٓئِكَ ہوا اور اُس کا مشار الیہ صالحون ہے ۔

قاعدہ نحویہ نحویوں کا مسلّم قاعدہ ہے کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی[1])

---

[1] والتفصیل فی شرح نعم الحامی شرح جامی ۱۲ ۔ اُویسی غفرلہٗ ۔

وَبَلَوْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں آزمایا - یعنی اُن سے وہ معاملہ کیا جو آزمائش و امتحان والوں سے کیا جاتا ہے بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ نیکیوں اور برائیوں یعنی نعمتوں اور سزاؤں سے کہ کبھی انہیں بہت زیادہ مالدار بنا دیا اور تندرستی سے نوازا - کبھی بھوک اور فاقہ اور دیگر تکالیف میں مبتلا کر دیا - لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ تاکہ لوٹ آئیں یعنی برائیوں سے رُک جائیں - اور کفر و معاصی کو چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کریں - اس لئے کہ حسنات وسیئات ہر دونوں طاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتی ہیں - کیونکہ حسنات میں طاعات کی ترغیب اور سیئات میں خوفِ خداوندی کی تذکیر ہوتی ہے ۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ نعمت میں شکر کرنے کے بجائے سرکشی اور تکبر میں مبتلا ہو گئے - مثلاً کہا - اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ اور تکالیف میں بجائے صبر کرنے کے ناشائستہ باتیں کیں - مثلاً يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ بے چارے یہ دونوں امتحانوں میں کامیاب نہ ہو سکے - ؎

خوش بود محک تجربہ آید میاں
تا سیہ رُوئی شود ہر کہ دروغش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی کا تجربہ درمیان میں آئے اس لئے کہ جس میں جھوٹ ہوتا ہے اسے رسوائی ہوتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ ہم نے اُن کی طاعت سے آزمائش کی کہ وہ کثرت طاعت سے عجب میں مبتلا ہو گئے جیسے ابلیس کا حال ہوا کہ کثرت عبادت پر عجب میں مارا گیا - وَالسَّیِّاٰتِ اور سیئات یعنی معاصی میں مبتلا ہو کے انہیں غلطی تصور کر کے تائب ہونے اور ندامت کے اظہار سے ہم نے انہیں آزمایا کہ غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیہ سے تائب و نادم ہونے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے کیا کہ گندم دانہ کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو کر عرض کی - رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا

تفسیر عالمانہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی مذکورہ لوگوں کے بعد اُن کے جانشین ہوئے - خَلْفٌ نااہل لوگ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمزمان یہود مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جانشین تھے - لیکن اُن کی مخالفت کر کے حضور علیہ السلام کے دشمن بن گئے - اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا - جیسے آج بھی اُن کی حالت ہے کہ کوئی روس میں دھکے کھا رہا ہے انمیں کوئی امریکہ کی چاپلوسی میں سرمست ہیں کوئی برطانیہ کے کاسہ لیس وغیرہ -

بعض اُن میں نیک بھی تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی جنہوں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری قبول کر کے تہ دل سے اسلام کے شیدائی و مِنْهُمُ دُوْنَ ذٰلِكَ اور بعض اُن میں صلاحیت سے خالی ہیں جیسے عام یہود یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے باغی اور اپنے اصلی دین موسوی سے بھی منحرف

الخلف مصدر ہے لیکن صفت کا معنٰی دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ واحد وجمع دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "خلف فلاں فلانا" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو پارٹی میں اپنا نائب اور جانشین بنا جائے یعنی اسے اپنا قائم مقام چھوڑ جائے کہ قوم اور برادری کے جملہ اُمور کی تدبیر اس کے سپرد ہوں ۔

فائدہ ابن الاعرابی نے فرمایا الخلف بفتح اللام ہو تو بمعنے نیک اور جانشین اگر باسکان اللام ہو تو بُرا جانشین مراد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ردی کلام کو بھی خلف کہا جاتا ہے ۔

فائدہ محمد بن جریر نے کہا کہ مدح میں اکثر بفتح اللام مستعمل ہوتا ہے اور ذم میں بتسکین اللام اور کبھی اس کے برعکس یعنی بفتح اللام ذم میں اور بتسکین اللام مدح پر بولتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ذم پر جب مستعمل ہوگا تو خلف اللبن سے ماخوذ ہوگا ۔ وہ اُس وقت بولتے ہیں جب دودھ کھٹا ہو جائے جبکہ اُس کے برتن میں آتا دیر تک رکھا جائے تو وہ خراب ہو جائے ۔ اس سے وہ محاورہ بھی ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں خلف فم الصائم یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے منہ کی بو میں تغیر آجائے ۔ گویا مراد اہلِ فساد مشبہ بہ اور فم الصائم مشبہ اور وجہ تشبیہ تغیر و فساد ہے ۔

خلاصہ یہ کہ خلف خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے البتہ بفتح اللام اکثر خیر کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی تفسیر الحدادی) ۔

وَرِثُوا الْكِتٰبَ وہ کتاب کے وارث ہوئے یعنی اپنے بڑوں سے کتاب تورات کے وارث ہوئے جسے وہ پڑھتے اور اُس کے مضامین کو سمجھتے تھے ۔

فائدہ میراث ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے جو مرنے والے سے کسی کو ملے اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ خلف کی صفت ہے ۔

يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ اس ادنیٰ کے اسباب حاصل کرتے ۔ یہ جملہ متانفہ ہے یعنی دُنیا کمینی کے اسباب حاصل کرتے ہیں ای دلی دنو سے مشتق ہے بمعنے القرب هذا الدار و هذه الحیلوة ۔

فائدہ دُنیا سے اسے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو قریب اور جلدی سے ملتی ہے ۔ مثلاً کہتے ہیں دنوت منه دنوًا یعنی میں اُس کے قریب ہوا اور الدانی بمعنے القریب یا الدنیا الدناة سے مشتق ہے مثلاً کہا جاتا ہے دنا الرجل دناءة یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خسیس اور کمینہ ہو جائے کہ اُس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو اور یہودیوں کا تورات کے ذریعے دنیوی اشیاء لینے سے اُن کی رشوتیں لینا اور کلام حق (تورات) کی تحریف مراد ہے ۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ متاعِ دنیا کو عرض سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام سازوسامان فانی ہیں گویا عارضی طور چند لمحات کے لئے حاصل ہو کر فنا ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هذا عارض ممطرنا اس میں عارض سے بادل مراد ہے کہ وہ بھی عارضی طور نمودار ہو کر چھپ جاتا ہے ۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ج کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں غلطیوں پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا۔ مثلاً کہا جاتا ہے غفر اللہ ذنبہٗ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ چھپا کر معاف فرمادے۔

سَيُغْفَرُ یہ جار مجرور یعنی لنا کی طرف سند یا محذوف کی ضمیر کی طرف سند ہے جیسے عدلوا ھو اقرب میں۔
اب عبارت یوں ہوگی۔ سَيُغْفَرُ لَنَا اَخْذُ الْعَرَضِ الارضِ الادنیٰ

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ بعض نفوس کی عادت ہے کہ وہ مواہبِ ربانیہ اور کشوف روحانیہ کو عروض دنیوی کا ذریعہ سمجھ کر انہیں مال وجاہ اور لذات وشہوات رائی میں صرف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ سَيُغْفَرُ لَنَا ہمیں بخش دیا جائے گا اس لئے کہ ہم بہت بڑے مقام ومرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہماری غلطیاں اور تمام گناہ معاف فرمائے گا جیسے بعض اہل اباحت کا مذہب[1] ہے۔ یہ ان کا سراسر دھوکا اور فریب اور جہالت اور حماقت ہے۔

فائدہ یہاں ایک اور معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ جب ہم بخشش مانگتے ہیں تو ہم کو بخش دیا جاتا ہے حالانکہ اُن کی یہ استغفار صرف زبان تک محدود ہوتی ہے دل سے نہیں اس لئے کہ ان کی یہ بات بھی دھوکہ اور فریب کاری سے خالی نہیں۔

وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ط اور اگر ان کے ہاں اُس جیسا اور سامان آئے تو اُسے لے لیتے ہیں اور يَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ حکم الٰہی غلط بتا کر اور عوام کے رجحان کے مطابق تورات میں تحریف کرنے پر رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس کاروبار پر اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں پکڑے گا یعنی جو کچھ ہم اسباب دنیوی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا یہ کہتے جاتے ہیں اور دنیوی اسباب یعنی رشوتیں لیتے بھی جاتے ہیں اس رویہ سے تائب نہیں ہوتے۔

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ کیا اُن سے عہد مذکور کتاب تورات میں نہیں لیا گیا تھا۔

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کہ اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے اور کوئی بات نہ کہنا۔ یہ میثاق سے عطف بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر تہمت پردازی چھوڑدو۔ مثلاً یقینی طور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے گا اور گناہوں کا دھڑا دھڑ ارتکاب کئے جارہے ہیں وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ط اور جو کچھ تورات میں ہے اُسے انہوں نے پڑھا بھی ہے کیا یہ حکم انہیں انہوں نے نہیں پڑھا ہوگا۔ من حیث المعنیٰ اس کا عطف اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ الخ پر ہے اس مضمون کی تقریر یہ ہے یعنی واقعی اُن سے کتاب میں وعدہ لیا گیا اور واقعی وہی حکم انہوں نے خود بھی کتاب میں پڑھا۔

---

[1] بعض صوفیوں کا۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

فائدہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف لَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ پر ہو تو استفہام کا تعلق ہر دو نوں افعال سے ہو۔ اس معنی پر یہ استفہام تقریری ہے۔

وَالدَّارُ الْآخِرَةُ یہ نجات کی دار یعنی آخرت۔ خَيْرٌ دار دنیا سے بہتر ہے لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ان لوگوں کے لئے —— جو حرام خوری اور افترا علی اللہ سے بچتے ہیں أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا وہ سمجھتے نہیں یعنی جب انہیں معلوم ہے تو ان پر لازم ہے کہ اعلیٰ یعنی دائمی نعمت کے عوض ادنیٰ یعنی دنیوی اسباب نہ لیں۔

وَالَّذِينَ اور اُن لوگوں کے لئے بھی بہتر ہے۔ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ جو اپنے دینی امور میں کتاب سے تمسک پکڑتے ہیں۔

فائدہ يُمَسِّكُونَ کا مادہ تمسک ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مَسَّک بالشیٔ و تمسّک بہ یعنی تفعّل اور تفعیل کا ایک معنیٰ ہے۔

فائدہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اُس سے وہ لوگ مراد ہیں جو تورات کے سچے اور صحیح عامل تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔ اس لئے کہ ان حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب سے تمسک پکڑا اور اس کے صحیح اور سچے عامل رہے نہ انہوں نے تورات کی تحریف کی اور نہ ہی اس سے کوئی احکام چھپائے اور نہ اسے لوگوں سے کھانے پینے اور مال بٹورنے کا سبب اور وسیلہ بنایا۔

فائدہ حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ اس سے حضور نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت مراد ہے تو اَلْكِتَاب سے قرآن مجید مراد لینا ہوگا۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور انہوں نے نماز قائم کی۔

سوال نماز کا ذکر يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ میں عمومی طور ہوگیا پھر اُسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب یہ ذکر الخاص بعد ذکر العام کے قبیل سے ہے تاکہ نماز کی فضیلت اور اُس کے مہتم بالشان ہونے پر تنبیہ ہو اس لئے کہ ایمان کے بعد نماز کی پابندی تمام عبادات سے افضل ہے اس لئے اسے ذکر کیا گیا تاکہ باقی انواع احکام سے اُس کی شرافت اور بزرگی نمایاں ہو۔

① خانۂ دین خویش را چوں خدا
بر ستونِ نماز کرد بنا

② بے شکے تا ستون بجائے بوَد
خانۂ دین حق بپائے بوَد

ترجمہ: ① جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے گھر کی بنا نماز پر رکھی ہے۔

ترجمہ: (۲) تو یقیناً جب تک ستون قائم رہیں گے تو دین کا گھر بھی قائم رہے گا۔

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ بے شک ہم نیک لوگوں کی نیکی ضائع نہیں کرتے یعنی اُن کے قول و عمل کا انہیں پورا اجر دیتے ہیں۔

فائدہ کاشفی نے کہا کہ نیک بخت لوگ نیکی کرتے ہیں ہم انہیں ان کی نیکی کا اجر اور ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اصلاح دو قسم ہے۔

(۱) اصلاح ظواہر۔

(۲) اصلاح بواطن۔

اصلاح ظواہر یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر پابندی اور اصلاح بواطن یہ ہے کہ نفس کی ایسی تربیت کی جائے کہ اسمیں فیض الہٰی کے نور قبول کرنے کی استعداد ہو جائے۔

سبق دور حاضرہ میں قرآن پاک پر عمل نہ کرنے کی عادت بن گئی ہے بہت بڑے نیک بخت لوگوں بلکہ بہت بڑے اولیاء اللہ کی اولاد بد اعمالی کے شکار ہو کر بد بختوں کے زمرے میں شریک ہو گئی ہے[1] اور دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔

حکایت حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنکھوں سے دیکھا کہ وہ حلال اشیأ سے پرہیز کرتے کہ نا معلوم اس کے متعلق ہم حساب دے سکیں گے یا نہ۔ لیکن تم حرام کردہ اشیأ سے نہیں بچتے بلکہ اُن کے ارتکاب کے بہت منہمک نظر آتے ہو حالانکہ وہ اپنے دور میں تمہارے سے زیادہ سخت تکالیف میں مبتلا تھے لیکن اس کے با وجود شاد کام تھے۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ مجنون (پاگل) ہیں اگر وہ آج تمہارے بہتر سے بہتر لوگوں کو دیکھ لیں تو کہیں گے کہ انہیں بد اخلاقیاں کہاں سے نصیب ہوئی ہیں۔ اگر وہ تمہارے اشرار کو دیکھ لیں تو فوراً فتویٰ صادر فرما دیں کہ انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) پر ایمان نہیں۔ اگر وہ ان حضرات کو اپنا حلال پیش کریں تب بھی وہ اس خطرہ سے قبول نہ کریں گے کہ اُن کی حالت خراب فلہٰذا نا معلوم یہ مال حلال کا ہے یا حرام کا۔ اس شک و شبہ کی بناء پر اُسے ترک کر دیں گے۔

حکایت سیدنا اُویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت ھرم نے عرض کی کہ مجھے کہاں رفاقت پذیر ہونا چاہیئے آپ نے انہیں شام کے علاقہ کے لئے اشارہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کی وہاں کے لوگوں کی معاش کیسی ہے حلال کی معاش کے خوگر ہیں یا حرام خوار۔ آپ نے فرمایا یہ مت پوچھیئے اُن کے دلوں پر مشتبہات کا اثر ہو چکا۔ ہاں اللہ تعالیٰ

---

[1] جیسے آج کل ہمارے مشائخ کے بعض سجادہ نشین اور پیرزادگان کا حال ہے ۱۲ اُویسی

کو توفیق شاملِ حال ہو تو وہ علیحدہ بات ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

خانہ پر گندم و یک جو نفرستادہ بگور

غم مرگت چو غم برگ زمستانی نیست

ترجمہ: گھر گندم سے پُر ہے لیکن تو نے اپنی قبر کے لئے ایک جو بھی نہ بھیجا۔ تجھے موت کا اتنا غم بھی نہیں کہ جتنا سردیوں کی موسم میں تیری کھیتی کے پتے جھڑنے پر تجھے غم ہوتا ہے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ سالک کے لئے مُرشد کامل کی تربیت ضروری ہے اس لئے کہ وہ نفس کے مصالح و مفاسد کو خوب جانتا ہے

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر

برو فتراک صاحبِ دولتے بگیر

ترجمہ: اے دوست مجھ سے ایک نصیحت قبول کر ابھی سے کسی صاحبِ دولت (ولی) کا دامن پکڑ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو اکھیڑ کر اُن کے اوپر کر دیا النتق بمعنے شے کو اپنی جگہ سے اکھیڑنا۔ الجبل سے کوہ طور مُراد ہے کہ جس پر حضرت موسٰی علیہ السلام نے کلام الٰہی سُنا اور وہیں پر انہیں تورات کی تختیاں عطا ہوئیں یا فلسطین کا کوئی پہاڑ مُراد ہے یا وہ پہاڑ مُراد ہے جو بیت المقدس میں تھا اور فوقہم منصوب ہے۔ نتقنا اس کا ناصب ہے متضمن بمعنے رفعنا گویا یوں فرمایا گیا کہ ہم نے پہاڑ کو آپکے اوپر کر دیا۔ اس معنٰی پر نتق رفع اور اس کے حصول کے مقدمات اور اُس کا ایک سبب ہوگا۔ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ گویا وہ ایک سائبان تھا۔ ظُلَّةٌ بمعنے سقیفہ جسے فارسی میں سائبان کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر وہ شے جو کسی پر سایہ افگن ہو وَّظَنُّوْٓا اور انہوں نے یقین کیا کہ اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ کہ وہ اُن پر گرنے والا ہے اس لئے کہ جب پہاڑ اکھڑ جائے تو وہ خلا میں نہیں ٹھہر سکتا۔ علاوہ ازیں انہیں اس سے قبل کہا گیا کہ اگر تم تورات کے احکام نہیں مانوگے تو پہاڑ تمہارے اوپر گرایا جائے گا۔

پہاڑ کے گرنے کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہاں تورات لائے اور انہیں پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے تورات کے احکام قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اس میں تکالیف اور مشقت بھرے احکام تھے۔ انہوں نے انکار کے ساتھ اپنی بات منوانے کی باتیں شروع کر دیں اللہ تعالٰی نے پہاڑ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کے سروں پر کھڑا ہو جائے چنانچہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کے تمام لشکر کے سروں پر آ کر کھڑا ہو گیا اور سارا لشکر اُس کے نیچے آگیا۔ کوئی ایک بھی پہاڑ سے باہر نہ تھا اور پہاڑ ۲×۲ میل تک لمبا چوڑا تھا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ اگر تورات کے احکام قبول نہ کروگے تو تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ جب انہوں نے

دیکھا کہ پہاڑ گرنے کو ہے تو سب کے سب منہ کے بل بائیں جانب سجدہ میں گر گئے اور دوسری جانب سے پہاڑ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے یہی وجہ ہے کہ اب یہود منہ کی بائیں جانب سجدہ کرتے ہیں اس کی علت یہی بتاتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اسلاف سے پہاڑ اسی طرح سجدہ کرنے سے اُٹھایا گیا فلہٰذا اب ہم بھی اسی طرح سجدہ کریں گے۔

نکتہ چونکہ انہوں نے تورات کے احکام بادلِ ناخواستہ مجبور ہوکر مانے تھے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی بات کو مجبورًا بادل ناخواستہ مانے تو وہ اس بات سے ہٹ جاتا ہے چنانچہ یہودیوں کے اسلاف و اخلاف کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ چند روز کے بعد نہ صرف اپنے معاہدہ سے ہٹ گئے بلکہ تورات میں تحریف کر ڈالی۔

خُذُوْا یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم نے انہیں کہا کہ لے لو **مَآ اٰتَیْنٰکُمْ** جو کتاب احکام ہم نے صادر کئے ہیں **بِقُوَّةٍ** بڑی مضبوطی اور عزم بالجزم سے اگرچہ انمیں مشقت اور تکالیف بھی ہیں۔ اور یہ **خُذُوْا** کی ضمیر سے حال ہے۔ **وَاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ** اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو۔ یعنی اس پر عمل کرو لاپرواہی کرکے اسے پسِ پشت ڈالو۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** تاکہ تم تورات کے احکام پر عمل کرنے سے قبیح اعمال اور رذیل اخلاق سے بچ جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اگر انسان کو نفس کے رحم وکرم پر چھوڑا جائے تو وہ طبعًا امور دینیہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی شرعی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اگر اسے کسی طریق سے منوا لیا جائے اور وہ اُن کے ظاہر یا باطن پر عمل کرتا بھی ہے تو مجبور ہوکر قبول کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ارباب عنایت کو توفیق بخشتا ہے تو بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات کا عامل بن جاتا ہے لیکن عنایتِ الٰہی سے نہ از خود اور اپنے ارادوں سے احکام بجا لاتے ہیں۔ مثنوی شریف ہے ؎

(۱) چشمہا و گوشہا را بستہ اند
جز مرآنہا کہ از خود رستہ اند

(۲) جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبت کہ نشاید خشم را

(۳) جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہاں واللہ اعلم بالرشاد

ترجمہ: (۱) انہوں نے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں اس کے سوا باقی تمام دُور ہیں۔
(۲) عنایت الٰہی کے سوا کون آنکھ کھولے محبت کے سوا غضب کو کون فرو کرے۔

③ بے توفیق الٰہی کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو جہاں میں اللہ تعالیٰ ہی رہبری کو خوب جانتا ہے ۔

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت الہدائی قدس سرہما سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ بہت سے لوگ تیس سال تک عبادات و مجاہدات میں لگے رہتے ہیں لیکن انہیں مراتب و کمالات حاصل نہیں ہوتے جتنا آپ حضرات کو معمولی سے ریاضت و طاعت سے حاصل ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دروازے کے ہم بھکاری ہیں وہ بہت بلند و بالا ہے اور وہ اُس دروازے تک پہنچتے نہیں بلکہ وہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہتے ہیں لیکن یہ اپنی ہمت سے نہیں بلکہ اُس کے فضل و کرم سے عنایت ہوا۔ شیخ آفندی اُن کی آخری بات سُن کر ہنس پڑے ۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے ایک عرصہ تک خربوزہ نہ کھایا اس خیال پر نا معلوم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے کس طرح تناول فرمایا ۔ (کاٹ کر یا ویسے ہی) ۔

نکتہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تربوز کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ تا حال حجاب میں تھے ۔

سبق حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ کا مطلب یہ ہے کہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے کمالات میں نقص نہیں تھا جیسے شمس تبریزی کے کمال میں نقص کا احتمال نہیں ہو صرف فرق اتنا کہ بایزید بسطامی سرہٗ زہد کے ذریعہ کمال کو پہنچے اور شمس تبریزی قدس سرہٗ کو معرفت کے ذریعے حال ہوا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے طریقے کثیر اور مختلف ہیں لیکن یاد رہے کہ ریاضت سے جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ اَحکم و اثبت ہوتا ہے اس لئے کہ صاحب زہد کو اگرچہ عرصہ دراز تک راہ نہیں ملتا لیکن جب ملتا ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت حلاج اس کو ضبط نہ کر سکے اس لئے کہ شریعت و طریقت کے فتویٰ کی زد میں آگئے لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ انہیں بھی یہ کمال نصیب ہوا تو مذکورہ طریقہ کے مطابق ملا ۔

قاعدہ صاحب کمال کو پہلے عنایت رہبری کرتی ہے پھر اُسے زُہد کی توفیق نصیب ہوتی ہے ۔ پھر وہ ریاضت و مجاہدہ میں لگ جاتا ہے ۔ اس کے عشق سے سرشار ہوتا ہے پھر ایک خصوصی حال سے مشرف ہوتا ہوا عالم حقیقت میں پہنچتا ہے ۔

قاعدہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے راہ مخلوقات کے سانس کے برابر ہیں جب بھی کسی راہ سے وصال نصیب ہوتا ہے وہ حق ہوتا ہے ۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے ملنے کی کوئی راہ متعین نہیں جیسے بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ملنے کے چند مخصوص راہ ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس کے اسلوب ظاہر نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا اس آیت میں ابواب سے وہ طریقے مراد ہیں جو ہر ایک کے حال مناسب ہیں ۔

قاعدہ وصال الہٰی کا بہترین طریقہ تقویٰ و ذکر اللہ ہے۔

قاعدہ کتب الٰہیہ اور انبیاء و رُسل علیہم السلام کا تشریف لانا بھی رحمت و عنایتِ حق ہے جو بھی اُن کی اتباع کرتا ہے تو وہ جمیع عقبات سے نجات پا جاتا ہے بلکہ اس عالم دنیا کے گورکھ دھندوں سے محفوظ ہو کر عالم ملکوت اعلیٰ میں پہنچ جاتا ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

ترجمہ: جس کام کے لئے ہمت باندھ لی جائے اگر وہ کانٹا ہو تو گلدستہ ہو جائے گا۔

نسخۂ تسخیر بلادِ ہند میں ایک ایسی قوم تھی کہ جب کوئی ارادہ کرتے تو لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اس تصوّر میں لگ جاتے یہاں تک کہ جیسے وہ چاہتے ویسے ہو جاتا۔

حکایت حضرت سُلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بار دیارِ ہند کو فتح کرنے کے لئے غزنی سے ہند تشریف لائے۔ ہند میں ایک شہر کو فتح کرنے کی ٹھان لی لیکن جونہی اس کے لئے جنگ کا ارادہ کرتے بیماری میں مبتلا ہو جاتے۔ بار بار اس طرح ہونا لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں ایک جماعت ہے کہ جیسے وہ تصور باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ سُلطان نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ انکے قرب میں طبل اور نقارہ وغیرہ وغیرہ بجوائیں تاکہ وہ تشویش میں پڑ کر تصور نہ باندھ سکیں۔ سُلطان نے ایسے کیا۔ اُدھر ان کے خیالات منتشر ہوئے اُدھر بادشاہ کو نصیب اور تندرستی ملی۔ پھر وہ شہر فتح ہوا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ ذکر بالجہر کے طبل بجائے تاکہ نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے منتشر ہوں۔ اس طرح قلب کا شہر نفس و شیطان کے پنجہ سے آزاد ہوگا۔ لیکن عنایت الٰہی ہر وقت شامل حال سمجھے۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر کا ثبوت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جونہی نماز سے فراغت پاتے تو جہر سے پڑھتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الملکُ ولہ الحمد وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

فائدہ حضرتِ ابو النجیب سہروردی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اِنْ تُبْدُوا الصَّادِقَاتِ فنعما ہی الصادقات سے ذکر بالجہر مُراد ہے۔

ذکر بالجہر کے فوائد

حضرت عمر نسفی اور امام واحد رحمہما اللہ نے اپنی اپنی تفسیر میں لکھا کہ ذکر بھی فرائض میں سے ہے اور

اور فرائض کو علی الاعلان کرنا محبوب ترین طریقہ ہے تاکہ لوگ بدگمان اور تہمت نہ لگائیں۔ ذکر بالجہر دل کو بیدار اور فکر کو بلند کرتا اور توجہ الی اللہ کو بڑھاتا اور نیند کو ہٹاتا اور سرور و فرحت لاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① یا دہانِ خویشتن را پاک کُن
رُوح خود را چابک و چالاک کن

② ذکرِ حق پاکست چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بیروں آید پلید

③ می گریزد ضدہا از ضد ہا
شب گریزد چوں برفروزد ضیا

④ چوں در آید نام پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے اند ہاں

ترجمہ: ① اے بندہ خدا اپنا منہ پاک بنا اور روح کو چست و چالاک بنا۔
② اللہ کا ذکر پاک ہے جب پاکی پہنچتی ہے تو پلیدی وہاں سے چلی جاتی ہے۔
③ نقیض نقیض سے بھاگتی ہے۔ رات بھاگ جاتی ہے جب روشنی چمکتی ہے۔
④ جب پاک نام منہ میں آئے گا تو پلیدی اور گندگی بھاگ جائیں گی۔

فائدہ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ذکر لفظی اور حفظ ظاہری کو بھی شامل ہے اگر ان سب میں سے عمدہ عمل ہے حضرت شیخ مفتی سعدی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا کہ مراد از نزول قرآن سورت خوب کا حصول کرنا ہے نہ کہ لکھی ہوئی سورت کی ترتیل عامی پیدل چل کر منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے اور عالم بے عمل سواری (علم) کے باوجود (اس پر عمل نہ کرنے سے) سو گیا تو محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت و جہالت کی نیند سے بیداری بخشے اور ہمارے خاتمے احسن حال پر سرانجام ہوں۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ○ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا
مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ○
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ
الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ
الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ
يَلْهَثْ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ
الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا
يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ
بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ
بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۗ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ○ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی یا کہو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد بچے ہوئے تو کیا ہمیں اس پر ہلاک فرمائیگا جو اہل باطل نے کیا اور ہم اسی طرح آیتیں رنگ رنگ سے بیان کرتے ہیں اور اس لئے کہ کہیں وہ پھر آئیں اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہوگیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں۔ کیا بری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جان کا برا کرتے تھے جسے اللہ راہ دکھلائے تو وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو وہی نقصان میں رہے اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ ہے کہ حق بتائیں اور اس پر انصاف کریں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیل کے اسوقت کو یاد کیجئے جبکہ تیرے رب تعالیٰ نے لیا۔ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ آدم علیہ السلام کی اولاد سے آدم علیہ السلام سمیت۔

سوال آیت میں صرف بنی آدم علیہ السلام کہاں سے نکال لیا؟

جواب عرف میں بنی آدم نوع انسان بشر کو کہا جاتا ہے بنا بریں آدم علیہ السلام کا شامل ہونا اس عرفی معنے کے اعتبار سے ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے اولاد کا سلسلہ جاری ہو حقیقۃً یا حکماً۔ حکماً سے یہ مراد ہے کہ اُن سے اولاد کا ہونا بالقوہ پایا جائے خواہ بالفعل موجود نہ ہو بوجہ کسی عارضہ اور سبب کے جیسے عقیم ہونا یا مرے سے شادی نہ کرنا یا بچپن میں مر جانا۔

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ یہ بنی آدم سے بدل ہے یعنی اُن کی پشتوں سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ہر انسان سے اصلابِ آباء میں عہد لیا گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ ماں کے پیٹ میں منتقل نہ ہوئے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ اُن کی اولاد سے۔ یہ اخذ کا مفعول ہے یعنی ہر دور کی نسل سے اس کا یہ طریقہ کیا گیا کہ جس ترتیب سے پیدا ہوں گے اور جس طرح اُن کے زمانہ کی ترتیب ہوگی اسی طرح انہیں ایک دوسرے سے نکال کر وعدہ لیا گیا جو سب سے آخر میں پیدا ہوگا **وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ** اور اُن کو اپنے نفسوں پر گواہ بنایا جنہیں پشتوں سے نکال کر ظاہر کیا گیا ان سب کو صرف اپنے اپنے نفس کے لئے گواہ بنایا گیا دوسرے پر نہیں کہ سب نے اپنے طور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرکے اس پر مضبوط اور قائم رہنے کا وعدہ کیا اور معاہدہ ہوا کہ ہم عبودیت معبودِ حقیقی سے مخصوص کریں گے۔ اُس کے غیر کے لئے عبودیت کا حق نہیں سمجھیں گے اسی طرح معبودِ حقیقی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے۔

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا نہیں ہوں۔ یہاں قائلا محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد لے کر فرمایا أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب اور تمہارے جملہ اُمور کا مالک نہیں ہوں اور علی الاطلاق تربیت میرے قبضہ میں ہے کہ اسمیں اور کسی کو دخل نہیں۔ کیا اسے تم مانتے ہو یا نہ۔

قَالُوا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مگر سوال یہ ہے گویا کسی نے کہا تو پھر اللہ تعالیٰ کو بندوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا۔ قَالُوا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی بَلَىٰ شَهِدْنَا ہاں ہم اپنے نفوس پر گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو ہمارا رب کریم اور معبود برحق ہے تیرے سوا نہ کسی کو رب مانیں گے اور نہ معبود۔

فرق مابین بلیٰ و نعم بلیٰ نفی کے بعد واقع ہو کر اپنے مابعد کو مثبت بناتا ہے مثلاً یہاں پر أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ واقع ہوا ہے تو اُس کا مابعد مثبت یعنی بے شک اے رب کریم تو ہمارا رب ہے۔ اس نفی کے بعد اثبات کے اقرار سے ایمان ثابت ہوا اور نعم نفی کے بعد واقع ہو کر اس کی نفی کی تاکید کرتا ہے مثلاً اس عبارت کو لیجئے کہ اگر کوئی أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے بعد نعم کہہ دے تو اب معنے ہوگا کہ بے شک اے اللہ تعالیٰ تو ہمارا رب نہیں اس طرح کا اقرار سراسر کفر ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ایک خیالی اور تمثیلی امر ہے نہ کہ تحقیقی اور واقعی اسے اس شخص سے تمثیل دی گئی ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت پر آفاقی و انفسی دلائل موجود ہوں جنہیں وہ دیکھ کر اقرار و اعتراف کرے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت حق اور ثابت ہے ورنہ نہ کوئی اشہاد تھا نہ اخذ و عدا ورنہ ہی کوئی اور نہ جواب۔ یہ صرف ایک خیالی اور تمثیلی مثال قائم کی گئی ہے اور ایسے تخیلات و تمثیلات عرب میں عموماً ہوتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث اور کلام بلغاء میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین و

آسمان سے فرمایا فقال لہا و الارض ایتیا طوعا او کرہا

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ اخذ و اشہاد کا مفعول لہٗ یعنی ہم نے یہ امور اس لئے طے کئے کیونکہ جب قیامت میں تمام معاملہ کھل کر سامنے آ جائے گا اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا بے شک ہم تھے اس سے یعنی ربوبیت اور وحدانیت اور اس کے احکام سے غٰفِلِيْنَ ۙ بے خبر۔ اور ایسے غافل کہ ہم کسی دلیل سے متنبہ نہ ہو سکے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر معرفت حق انسان کا جبلی فطری امر ہے لیکن عوارض سے محجوب ہو کر یونہی معذوری پیش کریں گے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا اشہاد و اخذِ میثاق وغیرہ تمثیلی و تخیلی امر ہیں۔ ورنہ اگر حقیقی و وقوعی ہوتے تو یوں کہنا پڑے گا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر بے التفاتی اور نسیان طاری فرما دی ہے اس وجہ سے قیامت میں جواب دیں گے۔ اِنْ كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ یہ بات عبث اور بے فائدہ ہوئے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے شان کے خلاف ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی)۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا یا تم کہو کہ بے شک ہمارے آباء نے شرک کیا۔ اس کا عطف اَنْ تَقُوْلُوْا پر ہے۔ یہ واؤ منع الخلو کے لئے ہے جمع کے لئے نہیں یعنی ہمارے آبا و اجداد نے شرک کو اختراع کیا اور وہ انہی کا گھڑا ہوا طریقہ تھا۔ ہم اُن کے تابع تھے۔ مِنْ قَبْلُ ہمارے زمانہ سے پہلے وَكُنَّا اور ہم تھے ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اُن کی اولاد اُن کے بعد ہمیں کسی قسم کی خبر نہیں تھی اور نہ ہی ہم حق و باطل کی تمیز کر سکتے تھے اَفَتُهْلِكُنَا کیا پس تو ہمارا مواخذہ کر کے ہمیں تباہ و برباد نہ کیجئے۔ بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ اس کی وجہ سے جو گمراہ کن لوگوں نے کیا۔ اگرچہ وہ ہمارے آباء و اجداد تھے یہ اس وقت کہیں گے جب اُن کے آبا و اجداد کی گمراہی ظاہر ہو جائے گی اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی مجرم ہیں تو معذرت کرتے ہوئے عرض کریں گے ہم تدبیر اور معاملہ اور فہم و ادراک سے بالکل عاجز تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ تم بڑی استعداد کے مالک تھے اب تمہارا یہ عذر نا معقول اور غیر قابل قبول ہے اس لئے کہ دلائل و براہین قائم ہونے کے بعد ان سے استدلال کی قوت و طاقت کے باوجود عذر غیر مسموع ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اوریہ اشارہ اس اشارہ مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے اور یہ محلاً منصوب اور مفعول مطلق ہے یعنی تفصیل بیع جو بہت منافع کی جامع ہے کی طرح۔ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ہم واضح طور آیات بیان کرتے ہیں۔ اس سے مذکورہ آیات مراد ہیں نہ کوئی اور وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ تاکہ جو لوگ گناہوں میں منہمک ہیں یا آباء کی تقلیدِ باطل میں گرفتار ہیں اور دیگر خرابیوں سے روگردانی کر لیں۔ ہم اس لئے ان کو واضح دلائل و براہین دکھاتے ہیں اس معنے پر اس جملہ کی دونوں واؤیں ابتدائی ہیں یا دوسری واؤ عاطفہ ہے جس

کا معطوف علیہ مقدر ہے اور اُس کا ترتب تفصیل مذکور پر ہے اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ ہم آیات کو مفصل طور اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان آیات کو ملاحظہ کریں اور اُن کے ترغیب دہندہ اُمور اور بھڑکنے والی باتوں پر غور کر کے برائیوں سے رُک جائیں۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اُمور یعنی اشہاد و اخذ میثاق وغیرہ خیالی یا تمثیلی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ہیں۔

ارواح سے اخذ میثاق حقیقی تھا نہ کہ خیالی و تمثیلی اور اس کے دلائل

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اُن کی پیٹھ پر رحمت کا ہاتھ پھیر کر اُن سے ہر پیدا ہونے والی روح کو ظاہر کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو انہوں نے جواب دیا بَلٰی اس وقت "جف القلم" کا اعلان ہوا۔ یعنی اب کے بعد کسی کو اقرار و انکار فائدہ نہ دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ مذکورہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا جبکہ آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم پیدا فرما کر ان کی پیٹھ مبارک پر سیدھا دستِ (قدرت) پھیرا اور اُن سے کی بعض اولاد کی روحیں باہر نکالیں اور فرمایا ان کو بہشت کے لئے پیدا فرمایا۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل بہشت کے عمل (نیک) کریں گے پھر بایاں دست (قدرت) پھیر کر بقایا رُوحیں نکالیں اور فرمایا ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ دوزخیوں کے بُرے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر عمل کی جدوجہد کا کیا فائدہ ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس بندے کو بہشت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے بہشت کے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور جسے دوزخ کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے دوزخ کے اعمال کی عادت ہو جاتی ہے ہر دونوں کی یہی کیفیت موت تک ہوتی ہے کہ مرتے وقت اگر بہشتیوں کے اعمال کا عادی ہے تو مرتے ہی اُسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرماتا ہے اگر مرتے وقت اس سے دوزخیوں کے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ میں داخل کرے گا۔

فائدہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تمام ارواح بالذات آدم علیہ السلام سے نکالے بلکہ اس طرح ہوا کہ پہلے اُن کی پُشت مبارک سے وہ نکالے جو اُن سے بلا واسطہ پیدا ہونگے پھر ان ارواح کو جتنے پیدا ہوں گے۔ اسی طرح تا قیامت کے سلسلہ کی ترتیب ہے۔

سوال آیت تو مطلق ہے تم نے اپنی طرف اسے کیسے مقید کر لیا ؟

جواب چونکہ آیت میں سلسلہ کی ترتیب کا بیان مطلوب نہیں اس لئے وسائط مذکورہ کی تصریح نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت حدیث شریف میں بھی اجمالی طور ذکر کیا گیا ہے۔ آیت وحدیث شریف میں اصلی مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے دور کے کافروں پر حجت قائم کی جائے کہ تمہارا یہ عذر غیر مفید ہوگا کہ ہم آبا ؤ اجداد کے مقلد رہے ہیں ذاتی طور رب تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا اعتراف کر چکے ہو کہ تمہاری روحیں اصلاب آبا سے نکالی گئیں اور تم نے خود سوال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بَلٰی کہا تھا۔ پھر اب تمہارا عذر نامعقول ہے جو کہتے ہو اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ الخ مطلوب مذکورہ کے پیش نظر وسائط کی ضرورت نہیں تھی ورنہ اخراج ارواح کا سلسلہ وار تھا جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے (کذا فی الارشاد)

سوال تفسیر مدادی میں ہے کہ کفار پر میثاق کی باتیں کیسے حجت بن سکتی ہیں۔ جب انہیں یاد ہی نہیں (جیسے کہ ہمیں یاد نہیں) کہ واقعی انہیں اصلاب آدم علیہ السلام سے سلسلہ وار اُن کے آبا کی سے نکال کر سوال وجواب کیا گیا تھا؟

جواب حضرات انبیاء علیہم السلام نے انہیں دلائل و براہین قائم کر کے تمام باتیں واضح طور پر بتائیں جن کے سامنے انہیں سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ صرف ہٹ دھرمی اور ضد سے منکر رہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تذکیر اُن کے لئے حجت کافی ہے اس وجہ سے پھر قیامت میں انکا عذر غیر مسموع ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے ایک رکعت چھوڑ جاتا ہے اور اُس سے نسیان کی وجہ سے ایک وہ رکعت متروک ہوئی اب فراغت کے بعد معتبر اور ثقہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نے ایک رکعت چھوڑ دی۔ ان لوگوں کی بات اس پر حجت ہوگی کہ اگر نماز کا اعادہ نہ کرے گا تو مجرم ہوگا۔ اگرچہ خود کو اسے یاد نہیں اور یاد کرنے پر زور لگاتا ہے تب بھی یاد نہیں پڑتا۔ تو اب اس کا غیر مسموع ہے کہ مجھے خود کو یاد نہیں آتا۔ جب لوگوں نے تجھے بتا دیا تو اب انکار کیسا۔ ایسے کفار کو کہا جائیگا کہ جب تمہیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے یاد دلایا تھا تو اب تمہیں انکار کیوں؟

فیصلہ کن تقریر بعض مفسرین نے اس میثاق وغیرہ کو خیالی اور تمثیلی سے تعبیر کیا۔ لیکن حضرت ابو السعود مفسر قرآن نے فرمایا کہ یہ حقیقی اور وقوعی معاملہ تھا۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور وہ جو بعض مفسرین نے اَنْ تَقُوْلُوْا الخ کو اَشْهَدَهُمْ الخ کا مفعول قرار دیا ہے اور کہا کہ اگر یہ حقیقی میثاق ہوتا تو معنیٰ فاسد ہوگا چنانچہ اُن کی تقریر پہلے گذر چکی ہے۔ اُن کا یہ قول بھی غلط ہے اس لئے کہ اَنْ تَقُوْلُوْا الخ فعل مقدر کا مفعول ہے جیسے کلام کا سیاق وسباق بتاتا ہے۔ اب معنیٰ اس فعل مضمر کے مطابق یہی ہوگا کہ "ہم نے ان سے کیا جو کرنا تھا کہ میثاق لیا ارواح کو ظاہر کر کے انہیں اپنے نفوس پر گواہ بنایا تا کہ قیامت میں اے کافرو یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس میثاق سے بے خبر تھے۔ اس سے ہم دنیا میں متنبہ نہیں ہو سکے ورنہ ہم نیک عمل کرتے۔

فائدہ کاشفی صاحب نے فرمایا کہ یہی آیت الست کے عہد کا مرکز ہے تا کہ بے خبر کو متنبہ کرے ورنہ ہوشمند اور بیدار دل حضرات اس روز کے سوال وجواب سے غافل نہیں۔ ؎

ندائے الست ہمچناں شان بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ خروش

ترجمہ: الست کی ندا تا حال ان کے کانوں میں گونج رہی ہے اسی لئے وہ ابھی قالوا بلیٰ کی فریاد کر رہے ہیں۔

حکایت مست الست نفحات میں مذکور ہے کہ حضرت علی سہل اصفہانی سے سوال ہوا کہ الست کے دن کی کوئی بات آپ کو یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دن بھی کوئی بھولنے کا ہے اس لئے کہ وہ تو میرے لئے کل کی بات محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ انصاری نے فرمایا یہ جواب ابھی ناقص ہے اس لئے کہ صوفی کو شب و روز سے کیا مطلب صوفی تو تا حال اُسی الست کی گھڑی میں ہے ؎

(۱) روز امروز است اے صوفی وشان
کے بود از دی و فردا نشان

(۲) آنکہ از حق نیست غافل یک نفس
ماضی و مستقبل و حالست و بس

ترجمہ (۱) صوفیوں کا ہر روز امروز (الیوم) ہے ان کے ہاں تو آج اور کل کا کوئی نشان نہیں۔

(۲) جو حق سے لمحہ بھر غافل نہیں اس لئے ماضی و مستقبل و حال یکساں ہیں۔

حکایت بادہ خوار اَلَسْتُ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی الست کی گھڑی یاد ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں وہی آواز میرے کانوں میں تا حال گونج رہی ہے۔

اَلَسْتُ کی صوفیانہ تحقیق بعض کاملین کی ارواح کو اس مزاج جزی عنصری کے تعین سے پہلے علمی اوصاف حاصل ہوتے ہیں یعنی یہی عنصری مزاج جو مرتبہ عین اور خارج میں ہے اس سے بھی پہلے وہ باخبر ہوتے ہیں اور یہ مرتبہ علینی خارجی از جہتہ کلیہ روحانیہ مرتبہ نفس کلی مراد ہے جو نفس تعین روح الہٰی اصلی سے متعلق تھا یس رُوح کلی وَصفاً ہو یا ذاتاً کاملین کی ارواح کے لیے مراتب و عوالم میں ایک مرتبہ اور ایک عالم متعین ہوتا ہے اور ان کاملین کے ارواح پر نزول و ہبوط کے وقت وہ عوالم و مراتب گذرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا نزول مرتبہ حس ظاہری اور عالم مزاج عنصری پر ہوا۔ اُن کا اس نشاۃ عنصریہ سے متصل ہونے کا بھی ایک تعین ہے اس تعین میں بھی اس کا حکم روح اصلی کے مقتضیٰ پر ہوتا ہے یعنی جیسے اس عالم و مرتبہ میں اس کا مقتضیٰ تھا اس تعین میں بھی اس کا وہی تقاضا ہے پھر اس تعین میں کہ اب نشاۃ عنصریہ سے متصل ہوا روح اصلی الہٰی ہے جتنا اللہ چاہتا ہے اُسے اپنے علوم سے باخبر فرماتا ہے۔ جسے مذکورہ تحقیق ذہن نشین ہو گئی وَکُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّینِ کے راز سے واقف ہو جائے گا۔ اور اُسے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا جواب

کا حال منکشف ہو جائے گا۔ اس سے تحقیق مطلوب ہو تو" مفتاح الغیب" مصنفہ حضرت صدرالدین قونوی کا مطالعہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں چند اشارات ہیں۔

① موجود کا اخذ موجود سے یہ مخلوق کے حق میں ہے۔

② معدوم کا اخذ عدم سے مثلاً فرمایا خلقتك من قبل ولم تك شيئًا۔

③ معدوم کا اخذ معدوم سے کما قال تعالیٰ و اذ اخذ ربك من بنی آدم ظهورهم۔

اس وقت بنو آدم معدوم تھے اور ان کا ظہور بھی معدوم تھا اور ذریات بھی معدوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے ذریات معدوم الیٰ یوم یوم القیمۃ اور اُن کے ظہور معدوم اور بنو آدم معدوم سے اس طور وعدہ لیا کہ ان معدومین کو اس حالت مخصوصہ میں پیدا فرما کر انہیں اس حال کے مناسب ایک مخصوص وجود بخش کر اُن سے الست کا خطاب فرمایا ہے۔

عالم میثاق میں ارواح کی تقسیم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے اُن کی اولاد کے ذرات نکال کر اُن کی پشتوں سے اُن کی ذریات اور قیامت تک آنے والی ارواح (جن ذرات میں امانت رکھے گئے تھے) کو ظاہر کیا تو اُس وقت وہ تین گروہ تھے۔

① صف اوّل میں سابقین کی ارواح۔

② اصحاب میمنہ۔

③ اصحاب مشئمہ۔

فائدہ وہ ذرات ارواح کے انوار سے چمک اُٹھے انہیں ذرات موجودہ نے وجود ربانی سے لباس روحانی پہنایا۔ اسی طرح ان کے کانوں اور آنکھوں اور قلوب کو روحانی لباس پہنایا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خطاب فرمایا۔ سابقین کی ارواح نے سمع نورانی وروحانی سے حقتعالیٰ کا خطاب سنا اور نورانی آنکھوں سے ذاتِ حق کے جمال کا مشاہدہ فرمایا۔ اور روحانی نورانی ربانی قلوب میں نورِ محبت کے ساتھ ذاتِ حق کے دیدار کا عشق پیدا کیا۔ محبت بھرے انداز میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خطاب کے جواب میں عرض کی۔ بے شک اے رب کریم تو ہمارا محبوب ومعبود ہے۔ ہم نے تیری محبوبیت ومعبودیت کا مشاہدہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ لیا کہ سوائے میرے نہ کسی سے محبت کرنا اور نہ کسی کی عبادت کرنا اُس کے بعد اصحابِ میمنہ کی باری آئی تو انہوں نے خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا اور اُس کے جلال کا ابصارِ روحانیہ سے مطالعہ کیا۔ قلوب ربابیہ الٰہیہ کے ساتھ ایمان لاکر عبودیت کے رنگ میں عرض کی کہ اے رب کریم ہم نے مانا کہ تو ہمارا معبود ہے۔ ہم نے تیرا خطاب سُن لیا اور پورا یقین کر لیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اس کے بعد اصحاب مشئمہ کی نوبت آئی انہوں نے بھی خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا لیکن ان کے آگے عزت کا حجاب تھا اور ان کے کانوں میں عزت الٰہی کا بوجھ رکھا گیا اور اُن کی آنکھوں پر شقاوۃ کی پٹی باندھی گئی اور اُن کے دلوں پر محنت کی مہر لگائی جس کی وجہ سے نہایت تکلف سے جواب دیا کہ یا اللہ

ہم نے مانا کہ تو ہمارا رب ہے لیکن ہم مجبور ہو کر کہہ رہے ہیں لیکن دل نہیں مانتا اللہ تعالیٰ نے اُن سے عبودیت کا وعدہ لیا۔ اس اعتبار سے مخلوق کئی قسم ہے۔ کوئی کافر ہیں اور کوئی مومن اس لئے جس طرح میثاق میں روحانی استعداد تھی وہی نصیب ہوا۔ اسے پورے طور سمجھ لو کیا بہترین مضمون ہے

دیگر صوفیانہ تقریر ہم جانتے ہیں کہ عدم میں اپنی مخلوق سے اللہ تعالیٰ نے صرف انسان سے کلام فرمایا باقی کسی کو ایسا شرف نہ ملا۔ انسان ابھی معدوم تھا تو اس سے روز میثاق میں ہمکلامی کا شرف بخشا گیا پھر اس انسان کا خاصہ ہے کہ معدوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب دیا۔ یہ بھی اس کریم کی مہربانی ہے کہ وجود کے بغیر ہی انسان کو جود وکرم ہی سے نواز رہا ہے۔

نکتہ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کی ابتدا یہی ہے تو انتہا بھی یہی ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ انسان ایسی محویت پیدا کرے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سمع وبصر اور زبان ہو جائے چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا کنت لہ سمعًا وبصرًا ولسانا فبی یسمع وبصروبی ینطق یعنی میں بندے کی سمع وبصر اور زبان ہوتا ہوں کہ وہ مجھ سے سنتا دیکھتا اور بولتا ہے۔ اس طرف حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ سالک منتہی کب ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا جب وہ بدایت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی معدوم محض ہو کر محویت کلی حاصل کرنے سے سالک منتہی بنتا ہے اور یہی عدم انسان کی بدایت (ابتدا) ہے۔

نتیجہ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مذہب اہل حق کا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور بات حق بھی یہی ہے اور جسے روحانیت کا غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ اُسے یہ بات معمولی اور آسان معلوم ہوتی ہے کہ محویت کا حصول کچھ مشکل نہیں۔ بخلاف اہل ظواہر اور معتزلہ[1] کے کہ وہ اس طریقہ کے منکر ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اخذ میثاق بصورت مذکورہ محال ہے اس لئے کہ یہی ظاہری جسمانیت حیاة اور عقل وادراک کے لئے شرط ہے اور جن ذرات کے متعلق تم کہتے ہو کہ انہیں ظہور بنی آدم سے باہر نکالا گیا ان میں نہ تو شعور تھا اور نہ فہم و ادراک اور یہ امور تو انہیں اس وقت نصیب ہوئے جب انہیں گوشت پوست اور خون وغیرہ میسر آیا اور ظاہر ہے کہ گوشت پوست وغیرہ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہو کر قیامت تک تدریجاً ہر ایک کو حاصل ہوا اور ہوتا رہے اور ہو گا۔ اور یہ امور عرصۂ دنیا کے ہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ یہی اشخاص صُلب آدم میں موجود تھے پھر یک وقت انہیں وہاں سے نکالا گیا۔

معتزلہ اور اہل ظواہر کا رد سابقہ مضامین اُن کے مذکورہ بالا غلط استدلال کا رد ہو چکا ہے لیکن ان بے وقوفوں کو کون سمجھائے کہ قادر قدیر کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں۔ یہ تو معمولی

---

[1] یہی بات آج کل کے معتزلہ وہابی غیر مقلد اور اُن کے بیٹی بند بھائی دیوبندی کہتے ہیں۔

اجساد و اشخاص کا معاملہ ہے اگر وہ کریم چودہ طبقات آسمان و زمین کے علاوہ تمام پہاڑ اور اشجار اور تمام دریا و دیگر اشیاء ایک انڈے میں سمو دیئے اور انڈے میں نقص بھی نہ آئے تو وہ قادر ہے ۔ سرسری طور ان عقل کے اندھوں سے پوچھا جائے تو بلا تامل اور بے دھڑک کہہ دیں گے کہ یہ تو نا ممکن ہے ۔ (العیاذ باللہ) ۔

سبق طالب حق پر لازم ہے کہ وہ الست کے عہد کو ہر وقت خیال میں رکھے پھر وہ بھید اور اسرار کھلیں گے کہ جنہیں مشاہدہ کر کے حیران ہوگا ۔ اور وہ غیبی خزانے ایسے کھل کر سامنے آجائیں گے جیسے سورج چمک رہا ہے یہ دل کے سودے ہیں جو عمل کرتا ہے ۔ اس لئے سُورۃ و معنےٰ اور ظہور و خفا ایک ہوجاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے (آمین)

وَاتْلُ اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ سنایئے **عَلَيْهِمْ** یہودیوں کو **نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا** اس کے بلند مرتبہ اور عالیشان کا حال کہ ہم نے اپنی آیات عنایت فرمائیں ۔

سوال تم نے نبا کا معنےٰ بلند مرتبہ اور عالیشان کا کہاں سے نکال لیا ؟

جواب نبأ کا استعمال امر عظیم کے لئے ہوتا ہے اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسی استعمال کی بناء پر معنے مذکور کیا ہے ۔ آتینا آیاتنا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اسے اپنی الوہیت و وحدانیت کے دلائل سکھلائے اور سمجھائے ۔

فائدہ اس شخص کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں یہاں مقام و حال کی مناسبت سے کہ یہودیوں کو زجر و توبیخ کرنا مطلوب ہے اس لئے بنی اسرائیل کا کوئی عالم مراد ہے ۔ (کذا فی الارشاد) ۔

یا اس سے بلعم باعُورا مراد ہے (کذا فی منہاج العابدین للامام غزالی قدس سرہٗ ۔

سوال مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ کنعانین اور جبارین سے تھا ۔ امام غزالی قدس سرہٗ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھا ؟

جواب انسان ہمیشہ منشا و مولد کی طرف منسوب ہوتا ہے ۔ چونکہ اس کی ولادت اور نشو ونما وہاں ہوئی تھی اس لئے اُن کی طرف منسوب ہوتا تھا ۔

بلعم باعورا کا تفصیلی واقعہ حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کسی شہر میں ایک عابد رہتا تھا ۔ اس شہر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حملہ کرنے کا ارادہ ہوا اس لئے کہ اس شہر کے مکین کافر تھے اور بلعم باعورا کو اسم اعظم معلوم تھا ۔ اس شہر کے بادشاہ نے استدعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی اہل ایمان کے لئے بددعا کیجئے تاکہ وہ ہمارے شہر پر حملہ نہ کر سکیں ۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا اور اُن کا ایک دین ہے اور اپنے دین والے کے تباہی کے لئے بددعا کرنا میرے لئے لائق نہیں ۔ علاوہ ازیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اُن کے ساتھ مدد کے لئے فرشتے اور اہل ایمان ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُن کے لئے بددعا

کروں گا تو نہ دنیا کا رہوں گا اور نہ دین کا اور آخرت بھی برباد۔ بادشاہ اور اس کے حوارین نے اسے مال اور جاہ و جلال کی بڑی پیشکش کی اور بہت سے ہدایا و تحائف بھی پیش کئے یہاں تک کہ اس کے ورغلانے میں کامیاب ہوگئے بعض روایات میں ہے کہ اسے اپنی عورت سے بڑی محبت تھی اس لئے اس کا مطیع و فرمانبردار رہتا تھا اس کے شہر کے لوگوں نے بہت بڑے تحفے اور مال و دولت جمع کرکے اس کی عورت کے سامنے رکھدیئے۔ لالچ میں آکر اس نے ان ہدایا و تحائف کو قبول کر لیا۔ قوم نے کہا کہ ہم بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں جسے تم دیکھ رہی ہو براہِ مہربانی بلعم باعورا کو سفارش کریں تاکہ وہ ہمارے دُکھ درد کا مداوا کریں۔ بلعم کو اس کی بیوی نے کہا دیکھئے قوم کے ہمارے اُوپر بہت بڑے احسانات ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کے حقوق ہمسائیگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اُن کی مدد کریں اور آپ تو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ہمسائیگان کے دُکھ درد کے وقت مدد کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فرض ہے اور وہ اس سے قبل آپ کے ساتھ احسان و مروّت سے پیش آتے رہے اور آپ احسان کا بدلہ احسان کے ضابطہ کو بھی جانتے ہیں اور پھر آپ میں اُن کی مشکلکشائی کی صلاحیت و اہلیت بھی ہے۔ بلعم باعورا نے جواب دیا کہ چونکہ یہ حکم خدائی ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی تو مجھے مجبور کرسکتی ہے۔ اگر شرعی مجبوری مجبوری نہ ہوتی تو میں اُن کی ضرور مدد کرتا لیکن عورت بضد ہوگئی اور بالآخر منوا ہی لیا۔ بلعم باعورا گدھی پر سوار ہوکر پہاڑ کی طرف چل دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددُعا کرے۔ گدھی تھوڑی دیر چل کر گر پڑی۔ بلعم باعورا کو غصّہ آیا نیچے اُتر کر بےچاری کو خوب مارا۔ یہاں تک کہ گدھی کی جان لبوں پر آگئی مجبوری کھڑی ہوئی اس پر پھر سوار ہوا مگر وہ تھوڑی دُور چل کر پھر گر پڑی۔ پھر بلعم باعورا نے اُسے مارا۔ اللہ تعالیٰ نے گدھی کو بولنے کی طاقت دی بلعم باعورا کو کہا اے بدبخت! ذرا سوچ تو کہاں جا رہا ہے دیکھ میرے آگے فرشتے ہیں جو مجھے وہاں جانے سے روکتے ہیں۔ میں وہاں کیسے جاؤں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددُعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور پھر اُن کے ساتھ اہلِ ایمان ہیں۔ بلعم باعورا نے گدھی کو چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کیا اور پہاڑ پر جاکر دعا مانگنی شروع کی جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لئے بددُعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پھیر کر اُس کی اپنی قوم کا نام زبان پر جاری کرا دیتا۔ اگر دعائے خیر کرتا اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کا نام جاری کرا دیتا قوم نے کہا یہ کیا کر رہے ہو بددُعا ہمیں کرتے ہو اور دعائے خیر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لئے اس نے جواب دیا یہ میرے بس کی بات نہیں بخدا میری زبان اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اس کے بعد اس کی زبان بڑھتی ہوئی سینہ پر لڑھک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا اب مجھ سے دنیا بھی گئی اور دین بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ اس نے کہا کہ اب میرے اندر جو جوہر تھا وہ چھن گیا۔ اب سوائے حیلہ اور مکر و فریب کے کوئی چارہ کار نہیں ہوسکتا۔ اب یوں کرو کہ اپنی عورتوں کو سنگار کرکے بنی اسرائیل میں بھیج دو اور انہیں کہہ

دو کہ اُن کے ساتھ بنی اسرائیل جس طرح کریں اُن کا حکم مانیں۔ اگر اُن پر تمہاری عورتوں کا جادو چل گیا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حسین وجمیل عورتوں کو سنگار کرکے بنی اسرائیل کے ہاں بھیج دیا ان میں سے ایک نہایت حسین وجمیلہ عورت کا ایک بنی اسرائیل کے ہاں سے گذر ہوا اُس نے اُسے پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ کا تو فتویٰ ہے کہ یہ عورت میرے لئے حرام ہے لیکن اب بات میرے بس کی نہیں رہی فلہٰذا اب میں اسے لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے حجرے میں جا کر اُس سے زنا کیا اس کی اس نحوست سے بنی اسرائیل پر طاعون پھوٹ پڑا۔ حضرت فخاص بن الغیرار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشیر کار تھے۔ وہ اس موقعہ پر موجود نہیں تھے۔ واپس لوٹے۔ حالات پوچھے تو ایک بدبخت کی نحوست سے بنی اسرائیل پر یہ مصیبت ہے وہ اپنا خنجر جو لوہے کا تھا لے کر اسی بدبخت کے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ دونوں بدبخت جرم میں مبتلا ہیں انہوں نے انہیں خنجر کا وار کیا۔ اُن کے حملہ سے دونوں ان کے خنجر میں پھنس گئے۔ آپ نے دونوں کو خنجر میں لے کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہا یا اللہ تعالیٰ ہم یہی سزا دیں گے جو ایسے جُرم میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے طاعون کو فوراً اٹھا لیا اس طرح سے بقایا بنی اسرائیل طاعون کی زد سے بچ گئے اور جو اس وبا میں ہلاک ہوئے اُن کی تعداد ستر ہزار تھی جو زنا کی گھڑی سے لے کر اس کے جرم کی سزا کے درمیان میں مرے تھے وہ ستر ہزار تھے اُس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام یا اُن کے جانشین حضرت یوشع بن نون نے اس شہر کے لوگوں سے جنگ کی۔ اُن پر غلبہ پایا بعض کو قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا۔ ان قیدیوں میں بلعم باعورا بھی تھا جسے بعد کو قتل کیا گیا۔ اُسے جو مال و دولت قوم سے ہدایا و تحائف کے طور ملا وہ بھی لایا گیا۔ جسے مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔

فَانْسَلَخَ مِنْهَا پس وہ اُن آیات سے صاف نکل گیا جیسے بکری اور سانپ سے کھال اُتر جاتی ہے اور اُسے اپنی بدانجامی کا دل میں خیال تک نہ ہوا۔ **فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ** پس اُس کے پیچھے شیطان لگا۔ اتبع اور تبع اردف اور ردف کے ہم معنیٰ ہیں اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ شیطان اس کے گمراہ کرنے کے درپے رہا اور وہ ایمان وطاعت کی وجہ سے اس کے قابو میں نہیں آتا تھا لیکن جب اُس کی شومئی قسمت کہ اُس نے آیات کو چھوڑا تو شیطان کو اُس کے گمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔

فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ہ گمراہوں میں سے یعنی منجملہ گمراہوں کے جو کہ گمراہی میں راسخ ہوتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے تھا۔

فائدہ الغی کبھی بمعنےٰ ہلاک اور کبھی بمعنے خیبۃ آتا ہے۔ قاموس میں ہے غوی بمعنے ضَلَّ (گمراہ ہوا)۔

ولی اللہ اور عرشِ مُعلّٰے حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ بلعم باعورا اتنا بلند مرتبہ تھا کہ زمین پر بیٹھ کر عرشِ مُعلّٰے کو دیکھ لیتا لیکن جونہی تھوڑا سا دنیا کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ

کو غیرت آئی کہ اس نے ولایت کو دھبہ لگایا تو اس کی ولایت چھین لی۔ اس کا ایک وقت تھا کہ اس کے ملفوظات لکھنے والے بیک وقت بارہ ہزار قلم دوات لئے پیچھے بیٹھے رہتے کہ اس کے علم و حکمت کے جو ہر و موتی جمع کر لیں لیکن جب مردود ہوا تو منحوس نے خود ایک کتاب لکھی کہ جہان کا کوئی صانع نہیں کمیونسٹ (دہری) ہو گیا۔ نعوذ باللہ من سخطہ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلا مصنف یہی بلعم باعورا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے اہل حق عبرت پکڑیں کہ وہ قادر مطلق کیسا بے پرواہ ہے فلہذا کتنے بہت بڑے بلند مقامات طے ہو جائیں یہاں تک کہ پیغمبروں کے درجات سے فائز ہو یا آئمہ اور صحابہ کے مقامات حاصل کرے اور تابعین اور مشائخ کاملین کا رتبہ پالے تب بھی خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈرتا ہے اور اپنے او پر دنیوی عیش و عشرت کا دروازہ نہ کھولے نہ کھانے میں نہ پینے میں نہ لباس میں نہ نکاح کے معاملات میں اور نہ مکانات وغیرہ۔ اس لئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کے لئے عالم غیب میں کئی طرح کے احسانات و احسانات رکھے ہیں کہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھے ہیں نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل پر ان کا تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی ان کیلئے بلائیں اور مصائب و تکالیف پوشیدہ ہیں۔ کامل عارف بلکہ واصل منتہی پر لازم ہے کہ دنیا کے عیش و عشرت کی طرف جھکاؤ کر کے اللہ تعالیٰ کی ان کی بلاؤں اور مصیبتوں کو دعوت نہ دے۔ ہر حال میں خواہشات نفسانیہ اور لذات دنیویہ سے بچتا رہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ نامعلوم بادِ تقدیر کھلتے ہی کیا گل کھلاتی ہے اگر فضل و کرم لائے تو بہرام جیسے کافر سے زنا اتروا کر دین حق کا شیدائی بنا دے۔ اگر عدل کا ترازو لے کر آئے تو بلعم باعورا جیسے ولی کامل سے ایمان بلکہ شرافت انسانی چھین کر کتوں کے ہم پلہ بنا دے ؎

① آنرا بری از صومعہ بر دیر گبران افگنی
دین را کشی از بتکدہ سر حلقہ مرداں کنی
② چوں و چرا در کار تو عقل ذبونرا کے رسد
فرمان دہ مطلق توئی حکمیکہ خواں آں کنی

ترجمہ: ① اسے صومعہ (عبادتگاہ) سے اٹھا کر کافروں کے بتکدہ میں پھینکتا ہے اسے بتکدہ سے نکال کر مردانِ خدا کا سرخیل بناتا ہے۔
② کسی کی عقل کو چوں و چرا کی طاقت ہے مطلق فرمان دینے والا تو ہی تو جیسے چاہے حکم فرماتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا اور اگر ہم کسی کو بلند قدر بنانا چاہیں۔ لَـرَفَعْنٰـهُ تو ہم اسے اولیاء ابرار کے

مراتب عنایت فرمادیں۔ بِھَا انہیں آیات اور اُن پر مداومت کرنے کے سبب سے۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات سے صحف ابراہیم علیہ السلام مُراد ہیں جنہیں بلعم باعوراننے پڑھا تھا یا وہ کلمات مراد ہیں جو اسم اعظم پر مشتمل تھے۔

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ زمین کو چمٹ گیا۔ یعنی دنیا کی طرف جھکا تو ہم نے اُس کے مراتب بلند نہ کئے اس لئے کہ اس نے بلندی درجات و مراتب کے خلاف ارتکاب کیا۔

فائدہ اَلاخلاد الی الارض سے آیات پر غور و فکر کے مداومت اور اُن کے مقتضی کے مطابق عمل کرنے سے روگردانی کرنا مراد ہے اور معانی کا قاعدہ ہے کہ اکنایۃ ابلغ من التصریح" یعنی کلام میں کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور دنیا کو مرغوب بنا کر اور اسے پسند کر کے خواہش نفسانی کے تابع ہوا اس وجہ سے گرا تو سر کے بل اور بہت زیادہ گرا اور مُرتد ہو کر بہت ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا فَمَثَلُهٗ پس رذیل و خسیس ہونے میں اس کی مثال۔

فائدہ لفظ مثل مشترک ہے مابین صفت و کہاوت کے لیکن یہاں پر بمعنے صفت ہے (کذا فی البحر)۔

كَمَثَلِ الْكَلْبِ کتے کی طرح یعنی اس کے خسیس ترین احوال میں سے اس کا ایک حال کتے کی طرح تھا۔

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ اگر اس پر حملہ کرو اور اسے ہٹاؤ۔

فائدہ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو خطاب کے لائق ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ کسی کی شناعت اور خرابی کی اشاعت اس طریق سے ابلغ ہوتی ہے۔

يَلْهَثْ ہانپے۔ اللہث بمعنے سخت سانس کھینچ کر زبان کو باہر نکالنا اَوْ تَتْرُكْهُ یا اُسے چھوڑ دو تو بھی ہانپے۔ گویا اُس کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے اسے جھڑکیاں دے کر بھگایا جائے یا رہنے دیا جائے وہ اپنی مذکورہ حالت کو نہیں چھوڑتا۔ اس لئے کہ اپنی قلبی ضعف کی وجہ سے نہ گرم ہوا کہ ہٹا سکتا ہے اور نہ ٹھنڈی ہوا کو کھینچ سکتا ہے بنا بریں وہ مجبوراً لمبے لمبے سانس کھینچتا ہے بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ وہ لمبے لمبے سانس کھینچنے کے محتاج نہیں اور نہ انہیں ضرورت ہوتی ہے ہاں تھکان اور دوسری تکالیف کے وقت وہ ایسا کر لیتے ہیں پس جیسے کتا ہمیشہ زبان نکال کر سانس کھینچتا ہے اور تنگی میں رہتا ہے اسی طرح اس کافر کا حال ہے کہ اُسے نصیحت کرو اور غلطی سے روکو تو نہ وہ اپنی غلطی سے ہٹتا ہے اور نہ نصیحت قبول کرتا ہے اگر اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو تب بھی ہدایت نہیں پاتا اور اُسے اپنی اس غلطی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ خساست و رذالت اور کمینگی کی حد تک پہنچنے کی جدوجہد کرتا ہے۔

دُنیا کی مذمت غور کیجئے دنیا کس طرح ذلیل وخوار کرتی ہے بالخصوص علمائؒ کے لئے تو زہر قاتل ہے۔
حدیث شریف جو علمی پرواز تو بلند رکھتا ہے لیکن اس سے ہدایت نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ سے بھی اُسے بُعد اور دُوری نصیب ہوگی۔

نکات جو شخص نعمت پر شکر نہیں کرتا اسے ناشکرا کہا جاتا ہے پھر اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ جیسے کتا عزت وشرافت اور بزرگی صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کو جانتا ہے اسے جس سے ٹکڑا ملے اسی کا غلام ہے جو اُسے ٹکڑا روٹی کا کھلائے یا ہڈی چبوائے خواہ وہ اسے مٹی پہ لٹوا دے یا گندگی پہ ڈالو یا بہترین تخت پہ بٹھاؤ اس کے لئے برابر ہے اسی طرح لالچی انسان کا حال ہے کہ اُسے بزرگی وشرافت سے کیا مطلب اور نہ ہی وہ کسی نعمت کا حق جانتا ہے بلکہ وہ فضل وکرامت اور شرافت کا لباس پھینک کر قہر وتکبر کی چادر اوڑھ لیتا ہے[1]۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جاہل احمق اس پر خوش نہ ہو کہ اتباع ہوائے نفس اُسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام[3] کو اتباع ہوائے نفس سے روکنا بلکہ انہیں طرح کی وعیدیں سناتا ہے پھر ہم کس باغ کی مولی۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام سے فرمایا یَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

مباش غرہ بعلم وعمل فقیہہ مدام
کہ ہیچکس ز قضائے خدا جاں نبرد

ترجمہ: اے فقیہ (عالم دین) ہمیشہ علم وعمل سے دھوکہ میں نہ رہ کیونکہ اس کی قضا سے کوئی جان بر نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔ اس سے مراد یہود ہیں یعنی جیسے بلعم باعورا باوجود دیگر آیات الٰہی سے نوازا گیا لیکن اُن سے نکل کر دنیا کی طرف جھکا۔ یہاں تک کہ کتے کی طرح ہو گیا ایسے ہی یہود ہیں کہ انہیں تورات عطا ہوئی جو دیگر احکام کے علاوہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعمت پر مشتمل تھی اور اس میں قرآن کریم کے متعلق بھی مذکور تھا کہ وہ بھی اُس آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ معجزوں کے ایک معجزہ ہوگا اور

---

[1] لیکن ہمارے بعض علماء صاحبان تو اس کمینی کو شیر مادر سمجھتے ہیں۔ نامعلوم اس کے حصول میں کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔
[2] جیسے آج کل کاروباری حضرات اور دکاندار صاحبان اور دنیادار وں وغیرہ وغیرہ کا حال ہو گیا ہے۔
[3]، علیہم السلام۔ اُویسی غفرلہٗ

اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے متعلق جو خوشخبری بھی تھی کہ وہ عنقریب تشریف لائیں گے چنانچہ آپ کے وسیلہ وحیلہ سے کفار پر فتح ونصرت کی دعا بھی مانگتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اُن امور سے نکل کر حضور علیہ السلام کے خلاف ہو گئے اور آپ کی جی بھر کر تکذیب کی بلکہ آپ کے متعلق تورات میں تحریف کی۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ پس انہیں خبر دیجئے۔ القصص سلب کی طرح مصدر بمعنے مفعول اور اس میں الف لام عہدی ہے لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ اس سے تفکر کی امید رکھئے جو وہی تفکر انہیں نصیحت قبول کرنے کی طرف پہنچا دے۔ سَآءَ مَثَلًا ۔ سَاءَ بمعنے بئس ہے اور مثلاً ساء کے فاعل مضمر سے تمیز اور اس فاعل مضمر کی تفسیر ہے۔ الْقَوْمُ مخصوص بالام اور اس کا مضاف محذوف ہے اُس کے اور فاعل و تمیز کے درمیان تصادف کے وجوب کی وجہ سے دراصل عبارت یوں تھی۔ سَآءَ مَثَلًا نِ القوم وبئس الوصف وصف القوم" یعنی قوم کا طریقہ یا وصف بُرا ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ یہاں بُرائی اور قباحت اُن کے فعل کی مطلوب ہے نہ کہ نفس مثل کی اب مطلب یہ ہوگا۔ کہ ان کا فعل بُرا ہے جس کی وجہ سے انہیں وصف قبیح سے موصوف ہونا پڑا ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی ہے اور اس کا ہر فعل پر از حکمت اور نہایت صواب ہی صواب ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی باوجودیکہ اُن پر حجج و براہین قائم تھے اور وہ انہیں جانتے بھی تھے۔ وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ اور وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے یعنی تکذیب سے ان کا اپنا نقصان ہوا۔ اس لئے اُس کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت کی تخلیق فرماتا ہے فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ پس وہی ہدایت یافتہ اس کے سوا اور کوئی ہدایت نہیں پا سکتا خواہ وہ کیسا ہی بلند قدر ہو۔

سوال جب اس کی تخلیق پر منحصر ہے پھر وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ؟

جواب وعظ و نصیحت اس ہدایت تخلیقی کا وسیلہ ہیں یہ نہیں کہ انمیں کسی قسم کی تاثیر ہو کہ اُن سے خواہ مخواہ ہی ہدایت نصیب ہو جائے۔ صرف اُن سے اتنا فائدہ ہوگا کہ اُن کی وجہ سے بندہ اپنے اختیارات کے حصول کے لئے صرف کرے گا۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس کے لئے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت پیدا فرمائے کہ بندہ اپنے اختیار کو ضلالت پر صرف کرے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ پس وہی ہیں خسارے والے نہ اُن کے غیر۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جسے عنایتِ الٰہی اور ہدایت ابدی نصیب ہوتی ہے وہ بلند مراتب سے نہیں گرتا۔ دراصل یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ازلی نور کے چھینٹے نصیب ہوئے جبکہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے چھینٹے ڈالے وہ ہدایت پاگیا اور جو اس نور کے چھینٹے سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا اور وہ خواہش نفسانی کے گھیرے میں آکر اللہ تعالیٰ کے راہ سے ہٹ گیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ازلی نور کے چھینٹوں سے محرومی ہوئی نہ انہیں وہ نور نصیب ہوا اور نہ وہ ہدایت پا سکے۔

حکایت حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ہر وقت بارگاہِ حق میں عرض کرتے۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ اے اللہ تعالیٰ سلامتی بخش۔ اس شخص کی طرح کہ جس کی کشتی دریا کے بھنور میں پھنسی ہو وہ نہایت عجز و نیاز سے عرض کرتا ہے اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔

حکایت سیدنا یعقوب علیہ السلام کو جب یوسف علیہ السلام کی خوشخبری گئی تو آپ نے پوچھا وہ کس دین پر ہیں عرض کی گئی وہ دین اسلام پر ہیں۔ آپ نے کہا "اب ان کے لئے نعمت کی تکمیل ہوئی۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب کلمہ یہ ہے کہ بندہ اس کا شکر کرتے ہوئے کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ هَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ جمیع محامد اللہ کے لئے ہیں کہ اس نے ہمیں نعمت سے نوازا اور دولت اسلام بخشی۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ شکر سے غافل نہ ہو مثلاً کہے کہ میں مسلمان ہوں یا عارف ہوں یا نیکی کی توفیق یافتہ ہوں یا گناہوں سے محفوظ ہوں بلکہ یہ سمجھے کہ یہ سب اسی کی کرم نوازی ہے ورنہ وہ بے نیاز ہے اگر چاہے تو اس گھڑی میں معاملہ برعکس کر دے اس لئے کہ تمام اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

حکایت اللہ تعالیٰ سے کسی ولی کامل نے عرض کی اے الٰہ العٰلمین تو نے بلعم باعورا کو کیوں اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے کتنی ہی بڑی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا لیکن اس نے کبھی میرا شکر نہ کیا اگر وہ زندگی میں ایک دفعہ بھی شکر کرتا تو میں اس سے کبھی دی ہوئی نعمت نہ چھینتا۔

سبق کسی کے پاس نفیس جوہر ہو کہ جس کی قیمت کروڑوں روپے ہوں۔ لیکن وہ کسی کو ایک دمڑی (دیڑی پیسہ) میں بیچ ڈالے تو دنیا میں اس جیسا غبی جاہل خسارے والا اور کون متصور ہوگا اور ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ خسیس و ذلیل اور بے وقوف ہے ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ وہ عمر جیسے بے بہا گوہر کو کوڑیوں کے عوض بیچ رہا ہے اسے سوچنا چاہیئے کہ میرے ہاں ایک بیش بہا گوہر ہے۔ اسے محفوظ کرنا لازم ہے دنیا چند ساعت ہے۔ عمل میں کوتاہی کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ پھر اسے احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہونا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اس پر یہ کوئی مشکل بھی نہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے۔ اے مولا کریم اپنے کوتاہ اندیش بندے کی تمام امیدیں پوری فرما دے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا اور بخدا ہم نے پیدا کیا۔

حل لغات قاموس میں ہے ذرأ جَعَلَ کی طرح بمعنے خلق الشیٔ ہے اس سے ذریۃ کو لیا گیا ہے۔ اس کا اسم جن پر اطلاق ہوتا ہے۔

لِجَهَنَّمَ دخول جہنم اور اسمیں عذاب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو آخرت کا جیل خانہ بنا دیا ہے اسے اس جہنم کہتے ہیں کہ اس کا گڑھا گہرا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "بئر جہنام" یہ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو۔ اور جہنم کئی طریقے کی ہے بعض طبقات سخت گرم تو بعض نہایت ٹھنڈے۔ ان کے اندر سخت گرمی بھی ہے اور سخت سردی بھی اور پھر دونوں ہر وقت انتہائی درجہ پہ ہوتی ہیں۔

فائدہ جہنم کی گہرائی اور اس کی بالائی حصہ کے درمیان کی مسافت ایک سو پچھتر سال کی ہے۔

كَثِيرًا بہت سے ہیں مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ جیسے ان جنوں اور انسانوں سے جو کفر پر مرے جن کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ فلاں اپنے اختیار سے کفر پر زندگی بسر کر کے مرے گا۔ بنا بریں وہ اہل نار سے ہے۔

جن کیسی مخلوق ہے؟ جن ہوائی اجسام رکھتے ہیں اور انہیں مختلف شکلیں اختیار کرنے کی قدرت حاصل ہے انہیں عقول بھی ہیں اور افہام بھی اور بہت بڑے سخت کام سرانجام دے سکتے ہیں بخلاف انسانوں کے اور انہیں جن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ رہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے "جنۃ اللیل" یعنی اسے رات نے ڈھانپ لیا اور جن کا مادہ یہی ہے۔ اور انس و بشر ایک شے ہے اور وہ آنس الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے البصرہ یعنی اسے دیکھ لیا۔ چونکہ انسان بشر دیکھا جاتا ہے جن کی طرف پوشیدہ انہیں اس نام سے موسوم ہے [1]

---

[1] حضور علیہ السلام اس معنے پر بشر و انسان ہیں۔ باقی رہی حقیقت اس کے متعلق یہی کہا جائے گا ؎

حقیقت محمدؐ دی پا کوئی نی سگدا

اتھاں چُپ دی جا ہے الاکوئی نی سگدا

اسی لئے کہا گیا ہے ؎

خدا جانے محمدؐ کی رسائی ہے کہاں سے کہاں تک

وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے۔

؎ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ (اُویسی غفرلہٗ)

سوال آیت میں جن کا ذکر مقدم کیوں؟

جواب ① گنتی میں بھی وہی زیادہ ہیں اور تخلیقاً بھی وہی پہلے ہیں اس لئے انہیں مقدم کیا گیا۔

جواب ② لفظ انس زبان پر اتنا بوجھل نہیں جتنا جن ہے اس لئے کہ انس میں نون خفیفہ اور سین مہوسہ ہیں اور یہ دونوں زبان کے لئے آسان ہیں بخلاف لفظ جن کے کہ اس میں ثقالت ہے پھر تکلم میں ثقیل لفظ کا مقدم ہونا اَولیٰ ہوتا ہے اس لئے کہ متکلم کو بولنے میں اسی طرح راحت محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جن ہماری شریعت کے مطابق عبادت پر مامور ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دونوں (جن و انسانوں) بلکہ جملہ کائنات کی طرف مبعوث ہوئے۔

مسئلہ سابقہ اُمم میں بھی جنات ہمارے نبی علیہ السلام کے اُمتی ہونے کی طرح احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

سوال صرف انسان و جن کا نام کیوں لیا گیا ہے حالانکہ عبادت تمام ملائکہ اور دوسری مخلوق بھی کرتی ہے؟

جواب چونکہ فطرت عبادت و سعادت کی استعداد صرف انہی میں ہے اس لئے اُن کا نام لیا گیا اگر انہیں استعداد مذکورہ نہ ہوتی تو انہیں مکلف نہ بنایا جاتا۔

سوال کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہل اسلام سے زیادہ بنایا ہے؟

جواب ① تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ عبادت سے مستغنی ہے اگر اُسے عبادت کی ضرورت ہوتی تو کفار کو تھوڑا اور اہل اسلام کو زیادہ بناتا۔

جواب ② تاکہ کفار کے درمیان اہل اسلام کی عزت و عظمت کا اظہار ہو۔ اس لئے کہ اشیاء کو اضداد سے پہچانا جاتا ہے۔

جواب ③ شے تھوڑی مقدار میں ہو تو وہی ذیشان متصوّر ہوتی ہے۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ رحمتِ الٰہی اُس کے غضب پر غالب ہے اس بنا پر اہل رحمت بہ نسبت اہل غضب ہزار میں سے نو سو ننانوے ہیں اور اہل رحمت صرف ایک؟

جواب ① کثرت بہ نسبت بنو آدم کے ہے ورنہ فرشتوں اور حور و غلمان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کثرت اہلِ رحمت کو حاصل ہے۔

جواب ② اہل غضب اس لئے زیادہ ہیں تاکہ اخیار کے لئے فدیہ بن سکیں۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ہر مؤمن کافر کی پیشانی سے پکڑ کر اُسے جہنم میں ڈال کر کہے گا یہ میرے نفس کا فدیہ ہے۔

ایک مشکل حدیث شریف کی بہترین تحقیق حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کے لئے اولاد الزنا کو پیدا کیا گیا ہے یعنی جہنم میں زنا سے پیدا شدہ انسان زیادہ ہوں گے اس حدیث شریف سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زنا زانی کا فعل ہے اسے اولاد کے ذمہ کیا قصور۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

اولاد الزنا اس وقت جہنم کی مستحق ہے جبکہ وہ بھی اپنے آباء و امہات کی طرح زنا کا ارتکاب کریں اگر حدیث مذکور صحیح ہو تو اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تمام علماً کا اتفاق ہے کہ حدیث مذکور اپنے ظاہر کے معنے پر نہیں بلکہ اس کی تاویل ضروری ہے۔ ایک تاویل اوپر بیان ہوئی (کذا فی المقاصد الحسنہ)۔

جو زانی و زانیہ زنا پر مواظبت کریں وہ جہنم میں جائیں گے اسی مواظبت کی وجہ سے اسے اس فعل کا ولد کہا جاتا ہے مثلاً شہود کو بنو الصحف اور بہادروں کو بنو الحرب اور مسلمانوں کو بنو الاسلام کہتے ہیں۔

فائدہ مشائخ کا اتفاق ہے کہ ولد الزنا ولایت خاصہ کے لئے نااہل قرار دیئے گئے ہیں۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ کثیرا کی صفت ہے۔ **لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا** یہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ قلوب کی صفت ہے۔ یعنی ان کے قلوب تو ہیں لیکن ان سے کچھ سمجھتے نہیں اور انہیں معرفتِ حق اور دلائل پر غور و فکر نہیں لگاتے۔

فائدہ قلب شیشہ کی طرح ہے جو انکار و غفلت سے زنگ آلود اور تصدیق اور رجوع الی اللہ سے روشن ہو جاتا ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) غبارِ ہوا چشم غفلت بدوخت
سموم ہوا کشت عمرت بسوخت

(۲) بکن سرمۂ غفلت از چشمِ پاک
کہ فردا شوی سرمہ درچشم خاک

ترجمہ: (۱) خواہشات نفسانی کی غبار نے تیری عقل کی آنکھیں سی دی ہیں۔ نفسانی خواہشات کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلا دی ہے۔

(۲) آنکھوں سے غفلت کا سرمہ دُور کر کیونکہ کل تو نے خاک کی آنکھ کا سرمہ بننا ہے۔

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کو بنظرِ عبرت نہیں دیکھتے۔

دو چشم از صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ: دو آنکھیں صنعت باری تعالیٰ دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کے عیب سے انہیں بند رکھ۔

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ اور اُن کے کان تو ہیں لیکن اُن سے قرآنی آیات اور وعظ و پند تامل و تذکر سے نہیں سنتے ؎

گذرگاہ قرآن و پنداست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ: کان قرآن و نصیحت کی گذرگاہ ہے۔ بہتان اور باطل سننے کی کوشش نہ کر۔

اُولٰٓئِكَ اوصاف مذکورہ کے موصوف لوگ كَالْاَنْعَامِ جانوروں کی طرح ہیں کہ جیسے انہیں سمجھنے اور عبرت کی نگاہ اور تدبر کے استماع کی صلاحیت نہیں یہ بھی ویسے ہی ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے مشاعر و قویٰ کی توجہ عیش و عشرت کے اسباب کی طرف لگی ہوئی ہے اور وہ رات دن صرف اُن کے حصول میں منہمک ہیں۔

حل لغات الانعام بالتحریک کبھی اُس کی عین ساکن ہوتی ہے یہ جمع ہے اس کا اطلاق۔ اونٹ۔ بکری یا صرف اونٹ پر ہوتا ہے (کذافی القاموس)۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہ بل اضراب کا ہے ابطال کا نہیں بلکہ یہاں پر ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنی پہلے جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اُن پر دوسرا حکم لگایا گیا ہے وہ یہ کہ جانور پھر بھی سکھانے پر کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں لیکن یہ کافر اُن سے بھی گئے گذرے ہیں کہ انہیں جونہی سیدھی راہ بتاؤ تو وہ اُلٹے پاؤں چلتے ہیں۔ جانوروں میں یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان اپنے لئے نفع مند چیزوں کے لئے جد و جہد اور جو چیزیں انہیں نقصان پہنچائیں اُن سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُن میں یہ بھی نہیں۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ دائمی نعمتوں کو چھوڑ کر دائمی عذاب میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانور اپنے مالک کو پہنچانتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اپنے مالک کی یاد سے غافل بھی نہیں ہوتا بخلاف اُن کے وہ نہ اپنے مالک کا عرفان رکھتے ہیں اور اُسے یاد کرتے اور نہ ہی اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہ نسبت بنی آدم کے باقی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ اور فرمانبردار ہیں ؎

دریغ آدمی زادۂ پُر محل
کہ باشد چو انعام بَلْ هُمْ اَضَلُّ

ترجمہ: آدم زادے بلند مرتبہ پر افسوس کہ وہ جانوروں جیسا بلکہ اُن سے گیا گذرا ہو۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ وہی لوگ امر آخرت اور جو کچھ آخرت میں اُس کے لئے تیار کیا گیا ہے سے غافل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان میں طرف روحانیت کی ہے دوسری جانب جسمانیت کی۔ اُسے عقل و شہوت سے مرکب کیا گیا ہے اگر اُس کا عقل شہوت پر غالب ہو تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اگر وہ شہوت نفسانی سے مغلوب ہو جائے تو پھر جانوروں سے بھی ذلیل و خسیس تر ہے۔ اسی کی ترجمانی کی گئی ہے ؎

بہرۂ از ملکت ہست و نصیبے از دیو

ترک دیوی کن و بگذر بفضیلت ز ملک

ترجمہ: تیرا کچھ حصہ ملک اور کچھ دیو (شیطان سے ہے) دیوی (شیطانگی) چھوڑ کر فضیلت میں فرشتوں سے آگے نکل آ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کئی قسم بنائی ہے ایک وہ ہیں جنہیں صرف اپنے قرب و محبت کے لئے پیدا فرمایا ہے یہ اہل اللہ اور خواص اللہ ہیں۔ انہیں اپنے حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے اور یہی حضرات اس کلام کو بلا واسطہ سنتے ہیں اور اُس کے جمال کو بلا واسطہ دیکھتے ہیں اور اس کی معرفت کو بلا واسطہ پہچانتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنہیں بہشت اور اپنی نعمت کے لئے پیدا فرمایا تاکہ اُن پر اپنا لطف اور رحمت ظاہر فرماتے اور ان میں وہ قلوب ہیں کہ جن سے وہ توحید و معرفت کے دلائل سمجھتے ہیں اور اُن کی دونوں آنکھیں آیاتِ حق کو دیکھتی ہیں اور تیسرے وہ ہیں جو نارِ جحیم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ اُن پر اپنا قہر و جلال ظاہر فرمائے۔ یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں وہ نہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور نہ اُن کے دل میں اس کی طلب ہے بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ اس لئے کہ جانوروں میں فطری طور سعادت و معرفت اور طلب الٰہی کی استعداد رکھی ہی نہیں گئی اور انمیں یہ استعداد پیدا کی گئی لیکن بدبختوں نے اس استعداد کو شہواتِ نفسانی اور دنیا کی طرف میلان سے ضائع کر دیا کہ آخرت بیچ کر دنیا خریدلی۔ دین دیکر دنیا لے لی اور اپنے مالک و مولیٰ کو چھوڑ دیا اس لئے وہ جانوروں سے بھی گمراہ تر ہوئے بوجہ استعداد ضائع کرنے کے وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل اور کمالاتِ اہل معرفۃ اور اُن کی عزت و عظمت سے جاہل ہیں (التاویلات النجمیا)۔

تفسیر عالمانہ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (اللہ تعالیٰ کے بہترین اسماء ہیں) الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے یعنی اُس کے تمام اسما سے اجل و افضل ہیں۔ اس لئے کہ اسم معنے پر دلالت کرتا ہے جیسے معانی احسن و اشرف ہیں تو اسما بھی۔ اسما سے وہ الفاظ مراد ہیں جو مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ اس سے واضح ہوا کہ اسم معنے کا غیر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر اسم مسمیٰ کا عین ہوتا تو اسمیٰ کی طرح مسمیٰ بھی ذو عدد ہوتا۔ حالانکہ اس کا ذو عدد ہونا محال ہے۔

فائدہ امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اسم تسمیہ اور مسمّٰی غیر ہے اس لئے کہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں جو ہیں بھی آپس میں متباینہ ۔ مترادفہ نہیں ۔

فَادْعُوْا بِهَا پس انہیں سے انہیں پکارو ۔ یعنی اُسے انہیں اسمأ سے موسوم اور یاد کرو ۔

ننانوے اسمآالٰہیہ اور اُن کے فوائد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو اسمأ گرامی ہیں جو پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا

وہ یہ ہیں هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اَلْمَلِكُ۔ اَلْقُدُّوْسُ۔
اَلسَّلَامُ۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ اَلْعَزِيْزُ۔ اَلْجَبَّارُ۔ اَلْمُتَكَبِّرُ۔ اَلْخَالِقُ۔ اَلْبَارِئُ۔
اَلْمُصَوِّرُ۔ اَلْغَفَّارُ۔ اَلْقَهَّارُ۔ اَلْوَهَّابُ۔ اَلرَّزَّاقُ۔ اَلْفَتَّاحُ۔ اَلْعَلِيْمُ۔ اَلْقَابِضُ
اَلْبَاسِطُ۔ اَلْخَافِضُ۔ اَلرَّافِعُ۔ اَلْمُعِزُّ۔ اَلْمُذِلُّ۔ اَلسَّمِيْعُ۔ اَلْبَصِيْرُ۔ اَلْحَكَمُ۔ اَلْعَدْلُ
اَللَّطِيْفُ۔ اَلْخَبِيْرُ۔ اَلْحَلِيْمُ۔ اَلْعَظِيْمُ۔ اَلْغَفُوْرُ۔ اَلشَّكُوْرُ۔ اَلْعَلِيُّ۔ اَلْكَبِيْرُ۔ اَلْحَفِيْظُ۔
اَلْمُقِيْتُ۔ اَلْحَسِيْبُ۔ اَلْجَلِيْلُ۔ اَلْكَرِيْمُ۔ اَلرَّقِيْبُ۔ اَلْمُجِيْبُ۔ اَلْوَاسِعُ۔ اَلْحَكِيْمُ۔
اَلْوَدُوْدُ۔ اَلْمَجِيْدُ۔ اَلْبَاعِثُ۔ اَلشَّهِيْدُ۔ اَلْحَقُّ۔ اَلْوَكِيْلُ۔ اَلْقَوِيُّ۔ اَلْمَتِيْنُ
اَلْوَلِيُّ۔ اَلْحَمِيْدُ۔ اَلْمُحْصِيْ۔ اَلْمُبْدِئُ۔ اَلْمُعِيْدُ۔ اَلْمُحْيِيْ۔ اَلْمُمِيْتُ۔ اَلْحَيُّ
اَلْقَيُّوْمُ۔ اَلْوَاجِدُ۔ اَلْمَاجِدُ۔ اَلْوَاحِدُ۔ اَلْاَحَدُ۔ اَلصَّمَدُ۔ اَلْقَادِرُ۔ اَلْمُقْتَدِرُ۔
اَلْمُقَدِّمُ۔ اَلْمُؤَخِّرُ۔ اَلْاَوَّلُ۔ اَلْاٰخِرُ۔ اَلظَّاهِرُ۔ اَلْبَاطِنُ۔ اَلْوَالِيْ۔ اَلْمُتَعَالِ
اَلْبَرُّ۔ اَلتَّوَّابُ۔ اَلْمُنْتَقِمُ۔ اَلْعَفُوُّ۔ اَلرَّءُوْفُ۔ مَالِكُ الْمُلْكِ۔ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔
اَلْمُقْسِطُ۔ اَلْجَامِعُ۔ اَلْغَنِيُّ۔ اَلْمُغْنِيْ۔ اَلْمَانِعُ۔ اَلضَّارُّ۔ اَلنَّافِعُ۔ اَلنُّوْرُ۔ اَلْهَادِيْ
اَلْبَدِيْعُ۔ اَلْبَاقِيْ۔ اَلْوَارِثُ۔ اَلرَّشِيْدُ۔ اَلصَّبُوْرُ۔

فائدہ متقدمین فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ ان کے اول میں یوں کہا جائے ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ الخ یعنی ہر اسم مبارک پر حرف ندا داخل کرے پھر آخر میں کہے ۔ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَنْ تَرْزُقَنِيْ وَجَمِيْعَ مَنْ يَّتَعَلَّقُ بِيْ بِتَمَامِ نِعَمِكَ وَدَوَامِ عَافِيَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیج مجھے اور میرے متعلقین کو اپنی تمام نعمتیں اور دائمی عافیت عطا فرما اے تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ۔ (الاسرار الحمدیہ)

فائدہ حضرت عبدالرحمٰن بسطامی قدس سرہٗ نے ترویح القلوب میں فرمایا کہ عرفا اسمأ گرامی میں الف لام کو کلمہ کا اصل سمجھ کر پڑھتے ہیں ۔ مثلاً الرحمن الرحیم الخ لیکن ملامیہ الف ولام اسمأ گرامی میں نہیں لاتے وہ کہتے

ہیں کہ الف لام ایک زائد حرف ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مستجاب دُعا کی کُنجی دُعا کی قبولیت ایک مخفی راز ہے وہ یہ ہے کہ اسمائے گرامی میں سے کسی ایک کو لیا جائے مثلاً الکبیر المتعالی وغیرہ۔ اس میں الف اور لام کو چھوڑ کر۔ مثلاً کبیر۔ متعال کہا جائے پھر اس اسم کے ابجد کے قانون پر عدد نکالے جائیں۔ انہی اعداد کے مطابق اس اسم کو تنہائی یا جہاں شور و شغف نہ ہو مع شرائط معلومہ (جو عامل حضرات جانتے ہیں) کے پڑھا جائے لیکن اعداد کی شمار نہ زائد ہو نہ کم تو انشاء اللہ دُعا جلد قبول ہو جائے گی۔

نکتہ زیادہ و نقصان کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اسمائیں گنتی بمنزلہ کنجی کے دندانے کے ہے کنجی میں اگر دندانے بڑھ جائیں یا کم ہو جائیں تو تالہ نہیں کھلتا ایسے ہی ذکر الٰہی کے وقت گنتی میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو دعا قبول نہ ہو گی اس راز کو سمجھ کر بہترین انمول موتی متصور کر کے محفوظ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ دین کے تین مقام ہیں۔

(۱) اسلام۔
(۲) ایمان۔
(۳) احسان۔

ایسے ہی بہشت کے بھی اہل بہشت کے لئے تین مراتب ہیں۔

(۱) جنۃ الاعمال۔
(۲) جنۃ المیراث۔
(۳) جنۃ لامتنان۔

مرتبہ اوّل مقام اسلام سے اس وقت متعلق ہو گا جب سالک اسمائے مذکورہ کے جملہ احکام اپنے اندر سمو دینے کی کوشش بلکہ ایسی جد وجہد کرے کہ جملہ اسمائے کے آثار اسمیں پائے جائیں پھر ہر اثر کا اپنے عمل کے ساتھ مقابلہ کرے مثلاً انعام پر شکر بلا پر صبر وغیرہ وغیرہ اسی حیثیت کو برقرار رکھنے سے جنۃ اعمال میں داخل ہو گا اور یہ جنت اعراض کے ستر کا محل ہے۔ یعنی و اعراض جو اعیان ثابتہ باقیہ سے زائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ ہے جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ کھلا میدان ہے اس کے اندر باغات بونا چاہتے ہو یعنی سبحان اللہ و الحمد للہ کی کثرت کرو۔

مقام ایمان کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان اسما کے حقائق و معانی و مفہومات پر روح روحانیہ سے مطلع ہونے کی جد وجہد کرو۔ اور ان اسما کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تخلقو باخلاق

اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے عادات اپنے اندر پیدا کرو۔ اور ان اوصاف میں ایسا کمال حاصل کرو کہ ان اسمأ میں محو ہو جاؤ اس مرتبہ کی تکمیل پر جنۃ المیراث میں جگہ ملے گی۔ یہی جنۃ اولیٰ کا مقام ہے بلکہ اس کا باطنی درجہ ہے جیسے عالم ملک کے لئے عالم ملکوت کا درجہ ہے ایسے ہی جنۃ اولیٰ کو یہی مقام حاصل ہے۔ اس مرتبہ کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ "ہر ایک کی بہشت اور دوزخ میں ایک منزل ہے۔ جب وہ مرتا ہے اور اُسے دوزخ میں داخل کیا جائے تو اس کے بہشت والے مرتبہ کا وارث اہل جنت کو بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآنی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور مقام احسان کے حصول کا تحقق تقویٰ اور صور و معانی جنہیں حدوث اور وہ حضرات حق کے آگے پردہ اور حجاب سے تعلق مٹانے سے ہوگا۔ چنانچہ فرمایا ؎

تسترت عن دھری بظل جناحه
بحيث اری دھری وليس يرانی
فلو تسئال الايام ما اسمی مادرت
واين مكانی مادرين مكانی

ترجمہ: (۱) میں زمانہ سے اس کے پروں کے ذریعہ پوشیدہ رہا۔ میں اسے دیکھتا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔
(۲) اگر تم زمانہ کے ایام سے میرا نام پوچھو تو وہ میرے نام سے بے خبر ہیں اور نہ ہی وہ جانتے ہیں کہ میرا مکان کہاں ہے۔"

جو اس مقام کو عبور کر لیتا ہے تو اُسے جنۃ الامتنان میں داخل کیا جاتا ہے۔ دراصل یہی غیب الغیب کے پوشیدہ اسرار و مخفی بھیدوں کا محل ہے۔ اس کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ وہ ایسا مقام ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اُس کا تصور آ سکتا ہے۔ اُس کی تائید قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان المتقين فی جنٰت ونهر فی مقعد صدق عند مليك مقتدر نیک متقین باغات اور نہر اور اپنے مالک مقتدر کے نزدیک مقعد صدق میں ہوں گے۔

اسمأ کے متعلق دوسری تقریر حضرت ابن الملک نے فرمایا جو ان اسمأ گرامی کے حقوق کی پابندی یعنی اقتضا کے مطابق عمل کرتا ہے۔ مثلاً جب کہتا ہے "یا رزاق" تو رزق کا بھروسہ صرف اسی پر کرے اور خیر و شر اسی کی جانب سے مانے جب کہے "الضار۔ النافع" تو یقین کرتے ہوئے ہر نفع پر شکر اور ہر ضرر پر صبر کرے۔ اسی طرح باقی اسمأ گرامی کے متعلق ہے۔

تیسری تقریر بعض مفسرین نے کہا کہ جملہ من احصاھا جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ جو اُن کے معانی کو سمجھ کر اُن کی تصدیق کرتا ہے ۔

چوتھی تقریر بعض کہتے ہیں کہ جو ان کا علیحدہ علیحدہ تبرک کے طور ذکر کرتا ہے ۔

امام بخاری کی تقریر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس سے ان کو حفظ کرنا مراد ہے چنانچہ دوسری روایت میں مَنْ احصاھا کے بجائے (من حفظھا ہے) یہی موزوں تر ہے ۔

فائدہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہی اسمأ زیادہ مشہور ہیں اور فضائل میں ایک دوسرے سے متفاوت بھی ہیں جبکہ معانی کے لحاظ سے متفاوت ہیں جیسے "جلال و شرف" کی صفت جس میں ہوگی وہ دوسرے اسمأ سے افضل ہوگا ۔ چونکہ ان ننانوے اسمأ میں شرف و جلال کا معنےٰ بطریق اتم ہے ۔ بنابریں یہ باقی اسمأ سے افضل ہے ۔

اسمأ الٰہی کی گنتی اللہ تعالیٰ کے اسمأ صرف انہی ننانوے کی تعداد میں محصور نہیں بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ اسمأ الٰہی ان گنت ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کسی بندے کو دکھ اور تکلیف پہنچے تو کہے

اللّٰھم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصیتی بیدك ماضی فی حكمك اسئالك بانّكَ انت الله لاَ اله اِلاَّ انتَ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یكنْ كفُوًا احَدٌ ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کا وسیلہ پیش کر کے دُعا مانگتا ہے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور اس کی دُعا مستجاب ہوگی ۔

فائدہ ان ننانوے اسمأ میں اسم اللہ اسم اعظم اور شان و فضیلت میں افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور وہی جمیع صفات کا جامع ہے کہ کوئی صفت بھی اس سے خارج نہیں ہوتی بخلاف باقی اسمأ کے ان میں یہ جامعیت نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے معانی پر دلالت کرتے ہیں ۔ مثلاً علیم علم پر ۔ قدیر قدرت پر وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ لفظ اللہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اس لئے کہ سوائے اُس کے اور کسی پر اس کا اطلاق جائز نہیں نہ حقیقتًا نہ حکمًا بخلاف باقی اسمأ کے اُن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے ۔ مثلاً قادر علیم ۔ رحیم وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بولے جاتے ہیں لیکن بعض علمأ فرماتے ہیں کہ یہ اسمأ بھی صرف اس سے مخصوص نہیں کما قال اللّٰہُ الاسماء الحُسنیٰ ۔

تقریر صوفیانہ در مراتب اسمأ الٰہیہ ہمارے شیخ حضرت علامہ ابقاہ اللہ بالسلامۃ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ ہویت الٰہیہ جمیع مراتب میں جاری و ساری ہے مثلاً پہلے مرتبۂ حیات میں متعین ہوئی ۔ اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہوکر متعین ہوئی

اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہو کر متعین ہوئی پھر مرتبۂ علم میں ہویت دوبارہ متعین ہوئی اور یہی اُس کا آخریت عظمٰی کا تعین ہے۔ پھر عالم معانی سے منسوب ہو کر متعین ہوئی۔ اس مرتبہ کی صورت میں پھر مرتبۂ ارادہ میں اس کا۔ پھر بار ثالث ظاہریۂ اوّل کے ساتھ تعین ہوا پھر عالم ارواح سے منسوب ہو کر متعین ہوئی پھر مرتبہ قدرت میں متعین ہوئی اور یہ چوتھا باطنہ اولی کہلاتا ہے۔ پھر عالم شہادت میں منسوب ہو کر متعین ہوئی۔ اس ترتیب سے اس کے اسما کی ترتیب یوں ہے۔ ھو الحی العلیم المرید القدیر۔ ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن۔ ہویت کے اس سریان سے حقائق اربعہ کا ظہور ہوا اور اُن کے امہات جمیع حقائق اور امہات الاسماء الالٰہیہ کہلاتے ہیں وہ اسماء الٰہیہ ننانوے ہوں یا ایک ہزار ایک اور حقائق کلیہ انہی امہات کے ہر چہار عوالم میں دورہ کرنے متعین ہوئے۔ چار کو چار میں ضرب دینے سے سولہ ہوئے۔ ظہور و بطون کے اعتبار سے انہیں ضرب دی گئی تو کل بتیس ہوئے پھر احدیت کے جمع الجمیع کے اعتبار سے تینتیس ہوئے پھر عالم سمع و رتبۃ البصر والکلام میں دوران کے اعتبار کے تعین سے ننانوے ہو گئے۔ پھر باعتبار احدیت جمع الجمیع کے سَو ہو گئے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ تینتیس ۳۳ بار الحمد للہ تینتیس بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ پھر اس کی ایک سو گنتی پورا کرنے کے لئے کہا کرو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کُلِّ شیءٍ قدیر ۔

پھر یہ ظہور بطون میں متعین ہونے کی وجہ سے سَو کو دس میں ضرب دی جائے تو ایک ہزار ہو جاتے ہیں پھر احدیت جمع الجمیع کا اعتبار ہو تو ایک ہزار ایک اسماءِ گرامی ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امہات الحقائق والاسماء سات ہیں اُن کے کلیات ننانوے یا ایک ہزار ہوا کہ احدا ور اُن کی جزئیات لاتعداد و لاتحصٰی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ اور چھوڑ و ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔

حل لغات الالحاد واللحد بمعنے میانہ روی سے ہٹنا۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اپنے معاملات میں حق سے ہٹ کر باطل کی طرف جھکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو اس نے اپنے لئے مقرر نہیں فرمائے اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں وہ نام اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہونا معلوم ہے اور نہ ہی اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصریح ملتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا جس میں فساد و بطلان کا وہم ہو جیسے بادیہ نشین لوگ اللہ تعالیٰ کو ابو المکارم اور ابیض الوجہ کے نام سے پکارتے ہیں اگرچہ ابو المکارم ہر اُس ذات کو کہتے ہیں جو جمیع صفات کمالیہ کا جامع ہو۔ اگرچہ یہ معنٰی اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں لیکن ابو المکارم ایسا کلمہ ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ناموزوں ہے۔ ابیض الوجہ کا شرعاً معنےٰ بن

سکتا ہے کہ ہر وہ ذات جو تمام گندے اور خراب اخلاق و عادات بلکہ جملہ نقائص سے منزہ و مقدس لیکن چونکہ لفظی معنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے نامناسب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ناجائز ہے۔

فائدہ آیت میں ترک سے اس فعل سے اجتناب مُراد ہے اور اسمآ سے وہ نام مراد ہیں جو اپنے ظن فاسد[1] سے انہیں اللہ تعالیٰ کے سمجھتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسمآ ہیں وہ بھی اس کے لئے استعمال کرنا چھوڑ دو۔

فائدہ یا مُراد یہ ہے کہ اُس کے بعض اسمآ کے اطلاق سے انکار نہ کرو۔ مثلاً کفار کہتے ہیں "رحمٰن" کون ہے ہم تو صرف رحمان الیمامہ کو جانتے ہیں۔ اس معنے پر بھی ترک بمعنے اجتناب ہوگا اور اسمآ سے اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسمآ مراد ہوں گے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اسمآ حسنیٰ سے پکارو کہ اس کے بعض حقیقی اسمآ اس کے حقیقی اسمآ سے خارج نہ کرو۔

شان نزول مروی ہے کہ کسی صحابی نے دُعا میں اللہ اور رحمٰن کا نام لیا تو کسی مشرک نے کہا حضرت احمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا کرتے ہیں کہ ہم صرف ایک رب تعالیٰ کی پرستش کرتے ہیں پھر ان کا یہ صحابی دو معبودوں کی پرستش کا کیوں دم بھر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کے رد میں یہی آیت نازل فرما کر بتادیا کہ رحمٰن کو پکارو یا اللہ کو سب اسی کے نام ہیں۔ اور اسمآ کے تعدد سے مسمّٰی کا تعدد لازم نہیں آتا۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہ جیسا عمل کر رہے ہیں اس کا عنقریب بدلہ پائیں گے یعنی تم بھی الحاد نہ کرو تاکہ اُن کی طرح تم بھی عذاب کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ چنانچہ عنقریب انہیں الحاد کی سزا ملے گی۔

فائدہ وَذَرُوا الَّذِيْنَ الخ اس کا معنےٰ یہ ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے نئے نام رکھنے سے اجتناب کرو یعنی لفظ تسمیۃ مضاف محذوف کہ در اصل "وَذَرُوا تَسْمِيَةَ الَّذِيْنَ الخ" تھا۔ اس لئے کہ ملحدوں کی ذات سے اجتناب مقصود نہیں بلکہ اُن کے فعل تسمیہ سے کنارہ کشی مقصود ہے۔

فائدہ بعض علمآ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے الاسمآء الحسنیٰ سے صفات الٰہی مراد لی ہیں۔ اس لئے کہ لفظ اسم کا کبھی ذات کی بڑی بڑی صفات پر اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "طار اسمه فی الآفاق" یعنے زمانہ بھر میں اس کا نام بلند ہے۔ یعنی عالم دنیا میں اس کے اوصاف و اخلاق کی دھوم ہے۔ اس تقریر پر اب "للہ الاسمآء الحسنیٰ" کا معنے ی للہ الصفات العلیٰ (اللہ کی صفات بلند ہیں)۔

---

[1] یہی قانون غیر مسلموں کے رکھے ہوئے اسمآ مثلاً واہگورو۔ پرمیشور پرماتما۔ ہر۔ ہری رام وغیرہ پر لاگو ہوگا اور دیگر زبانوں میں جیسے لفظ GOD وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔ اس میں اشارہ ہے کہ لفظ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ علم کے ہے۔ یہی اس کا ذاتی نام ہے باقی تمام اسما صفاتی ہیں۔ اس لئے کہ اسما کی نسبت لفظ اللہ کی طرف کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ تمام صفاتی اسما مشتق ہیں۔ سوائے اسم اللہ کے کہ وہ کسی سے مشتق نہیں یہی ہم صوفیاء کرام اور اکثر علمائے شرع کا مذہب ہے اس لئے کہ اللہ اسم ذات ہے پھر جیسے ذات مخلوق کی کسی شے سے پیدا نہیں۔ ایسے ہی اس کا اسم بھی کسی شے سے مشتق نہیں اس لئے کہ تمام اشیا مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہر شے سے مستغنی بلکہ بلکہ ان سب کا خالق ہے۔

فائدہ اسما صفاتی بھی بعض تو ذاتی صفات سے مشتق اور وہ غیر مخلوق ہیں اس بنا پر سوال پیدا نہیں ہوتا کہ صفات باری تعالیٰ بھی غیر مخلوق ہیں۔ پھر وہ مخلوق کی اشیائے سے کیسے مشتق ہیں۔

فائدہ بعض صفات، صفات فعل سے مشتق ہیں۔ اگرچہ مخلوق ہیں لیکن ان کا تعلق بایں معنیٰ ہے کہ بحیثیت ایجاد مخلوق کے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوئی ہیں۔

فائدہ صفات ذاتیہ یہ ہیں

1. حیات
2. سمع
3. بصر
4. کلام
5. علم
6. قدرت
7. ارادہ
8. بقاء

یہ تمام صفات قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور صفات الفعل مخلوق ہیں لیکن بایں معنیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے بایں حیثیت تعلق ہے کہ وہ مُوجد کائنات ہے کہ جب اُس نے کائنات تخلیق کی یا انہیں رزق سے نوازا تو پہلی صفت کے لحاظ سے خالق اور دوسری کے لحاظ سے رزّاق کہلائے گا۔ لیکن عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے کہ وہ ازل سے قادر علی الخالقیت والرزاقیت ہے اس تقریر پر وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کا معنے الصفات الحسنیٰ فادعوہ بہا ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس اسم سے جو اس کی کسی صفت سے مشتق ہے یعنی اُس کی صفات سے موصوف اور

اس کے انہی صفات کے تقاضوں کے مطابق متخلق ہو جاؤ۔

فائدہ اُس کے اوصاف سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیات اور اعمال کو انہی کے تقاضوں پر ڈھالو مثلاً صفت خالقیہ سے متخلق اور موصوف ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح اس نیت سے کرو کہ توالد و تناسل میں اضافہ ہو۔ یعنی نکاح سے صرف سلسلہ نسل بڑھانا مطلوب[1] ہو۔ اس طرح سے بندہ نہیں ہوجاتا بلکہ صفت خالقیت کا مظہر یا متخلق ضرور ہو جاتا ہے۔

حکایت ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کا اپنی عورت کے مجامعت (ہم بستری) سے اصلی مقصد کیا ہوتا ہے جواب میں فرمایا اگر جماع صحیح طریق پہ ہو تو اس سے ایک انسان کا اضافہ ہوگا۔

فائدہ جماع کا مطلب وہی طبی اُصول ہے کہ جس کی تکمیل پر نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے۔

فائدہ صفۃ رزاقیۃ سے متخلق اور موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی دولت محتاجوں اور مسکینوں پر لُٹائے ایسے ایسے جمع کر کے ذخیرہ اندوزی کی لعنت کا طوق گلے میں نہ ڈالے اسی طرح تمام صفات کے متعلق سمجھئے۔

فائدہ بعض صفات سے متخلق ہونا احوال سے ہوتا ہے مثلاً دل کے آئینہ کا تصفیہ اور ما سوی اللہ کے تعلق توڑنے پر اس کی نگرانی اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا تاکہ دل کے اندر انہی صفات کے جلوے رونما ہوں بلکہ خود وہی اس کے دل پر کارفرما ہوں یہی راز ہے کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا فَبِیْ یَسْمَعُ بِیْ یُبْصِرُ۔ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ یعنی لوگوں سے دُور رہیئے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف نہیں ہوتے۔

مسئلہ جن اسماء سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے موسوم نہیں فرمایا۔ اُن سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کرنا الحاد ہے جیسے فلاسفر اللہ تعالیٰ کو علت اولیٰ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد موجب بالذات ہے لیکن پھر بھی ایک ایسے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا جا رہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو موسوم نہیں کیا۔ علاوہ ازیں علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ فعل و خلق و ایجاد میں غیر مختار ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

مسئلہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے موصوف کرنا جو اسے اُس کی صفات سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور نہ ہی اُس کے لئے کوئی نص وارد ہے تو یہ بھی الحاد ہے۔

---

[1] اس سے نوکر شاہی مولوی عبرت حاصل کریں جبکہ وہ منصوبہ بندی میں گورنمنٹ کو انسانی نسل کُشی کے متعلق شرعی دلائل بہم پہنچاتے اور جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ عنقریب انہیں ایسی رُسوائی نصیب ہوگی کہ الحاد کی نحوست سے اُن کا ہر عمل خواہش پر مبنی ہوگا اور اُن پر ازلی مہر لگ جائے گی کہ اُن کے لئے نجات کا راستہ مسدود ہو جائیگا

ع پیچیدہ شود بپائے ہر کس عملش ۔ (ہر شخص اپنے عمل سے جکڑا ہوگا)۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دہقاں سالخوردہ چہ خوش گفت پسر

اے نورِ چشم من از کشتہ ندروی

ترجمہ: کیا خوب فرمایا بوڑھے کسان نے کہ اے بیٹے میرے نورِ چشم جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور بعض اُن میں وہ ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بعض آئمہ ہادین و مہدیین بنائے چنانچہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ اس اُمّت سے بھی اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہادین مہدیین پیدا فرمائے کما قال وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور یہ ظرف محلاً مرفوع ہے یا تو اپنے مضمون کے لحاظ سے یا موصوف کے محذوف کے اعتبار سے۔ یہ ظرف مُبتدا ہے اور اُس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ دراصل یہ عبارت یوں تھی وبَعْضٌ من خلقنا یا لبعض مِمَّنْ خَلَقْنَآ۔

اُمَّةٌ ایک بہت بڑا گروہ يَّهْدُوْنَ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے درانحالیکہ متلبس ہے بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یعنی وہ حق والے ہیں۔ یا یہ معنٰے ہے کہ کلمۂ حق کے ساتھ ہدایت دیتے اور انہیں استقامت کی دلالت کرتے ہیں وَبِهٖ اور حق کے ساتھ يَعْدِلُوْنَ ۝ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ صحیح فیصلہ کرتے ہیں یعنی ظلم نہیں کرتے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں بعض ایسے لوگ ہونگے جو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک حق پر ہوں گے۔ اُن کے نزول تک ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جبتک کہ زمین پر اللہ اللہ ہوتا رہے گا۔

نکتہ حدیث شریف میں ہے کہ لفظ اللہ کو دوبارہ کہنے کا نکتہ شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ ذکر صرف لسانی مطلوب نہیں بلکہ حقیقی مقصود ہے ورنہ ہر زبان اللہ اللہ در دل گاؤ خرکی تو بہتات ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دُنیا اولیاء اللہ کے دم سے قائم ہے کیونکہ حقیقی ذاکر وہی ہیں۔

اولیاء اللہ کے وجود سے دنیا قائم ہے اس لئے کہ اللہ والے ہی اس اسم اعظم جو کہ جمیع کمالات اور جمیع صفات کا جامع ہے کو حقیقی طور یاد کرتے ہیں

اور اس اسم اعظم کو جو جانتا ہے تو سمجھو کہ وہ جمیع اسماء کو جانتا ہے اور اس کو معرفتِ حق بطور اتم و اکمل حاصل اور یہ قاعدہ اپنے مقام پہ ثابت ہے کہ معرفت رکھنے والا تمام مخلوق سے کامل ترین ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے وہی اللہ کا خلیفہ اور وہی اس زمانہ کا ولی کامل ہوتا ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دنیا میں انسان کامل ہوگا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو سکتی ۔ اس میں اشارہ ہے کہ معنوی طور وہی عبد کامل دنیا کا ستون اور وہی دنیا کو قائم رکھنے والا ہے یا یوں کہو کہ دنیا کا بقا صرف اس بندہ خدا کی وجہ سے ہے جب اُس کا انتقال ہو جائے گا آسمان پھٹ جائے گا اور سورج بے نور ہو جائے گا اور ستارے گدلے ہو جائیں گے اور صحیفے لپیٹے جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور زمین کو زلزلہ آجائے گا ۔ پھر قیامت قائم ہو جائے گی حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ کا یہ مضمون (فکوک) میں ہے ۔

ابدال کے متعلق احادیث حدیث ① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ۳۰۰ انسان ہر زمانہ میں ہوں گے جن کے قلوب آدم علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ۔ انہیں چالیس مخصوص ہوں گے جن کے قلوب موسیٰ علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ۔ انہیں پانچ مخصوص ہوں گے جن کے قلوب جبریل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے اُن میں تین مخصوص ہوں گے جن کے قلوب میکائیل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ان میں ایک مخصوص ہوگا جس کا دل اسرافیل کے مطابق ہوگا ۔ جب وہی ایک فوت ہوتا ہے تو ان تینوں میں سے لیا جاتا ہے ۔ جب ان تینوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو پانچوں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اور جب پانچوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو ساتواں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے جب ساتوں میں فوت ہوتا ہے تو چالیس میں سے لیا جاتا ہے جب چالیس میں سے فوت ہوتا ہے تو تین سو میں سے لیا جاتا ہے تو ان تین سو میں سے جب کوئی فوت ہو تو عام آدمیوں میں سے کسی کو لیا جاتا ہے ۔

اولیاء دافع البلأ ہیں انہی حضرات کے صدقے اللہ تعالیٰ اس امت کی بلائیں دور فرماتا ہے ۔

غوث و قطبِ وقت کون حدیث مذکور میں جو ایک کا ذکر آیا ہے اس سے اُس زمانہ کے قطب مراد ہیں اور اسے دوسرے لفظوں میں غوث کہا جاتا ہے اُن کی شان جمیع اولیاء کرام میں ایسے ہے جیسے دائرہ میں نقطہ کی حیثیت ہے گویا وہی جمیع اولیاء کرام کا مرکز ہوتا ہے (جیسے حضور غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ) ۔

حدیث ② حضرت ابوداؤد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے چند ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ نماز و روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھے سیرۃ و صورت وغیرہ سے ایسے مرتبہ کو نہیں پہنچتے بلکہ سچے تقویٰ و ورع

اور حسنِ نیت وسلامت صدر اور جمیع اہل اسلام پر رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چُن کر اپنے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ چالیس مرد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے مطابق ہوتے ہیں۔ جو فوت ہوتا ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔

ابدال کے علامات اُن کی نشانیاں یہ ہیں۔

① کسی کو گالی نہیں دیتے۔
② کسی پر لعنت نہیں کرتے۔
③ اپنے ماتحت کو نہ ایذا دیتے ہیں نہ انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔
④ اپنے سے بڑے کے ساتھ حسد نہیں کرتے۔
⑤ لوگوں سے میٹھے بول بولتے ہیں۔
⑥ نہایت نرم اور رفیق ہوتے ہیں۔
⑦ سخی دل ہوتے ہیں۔
⑧ اُن کی پرواز کو نہ تیز گھوڑے پہنچ سکتے ہیں نہ تیز ہوائیں۔ بس اُن کا واسطہ صرف رب تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اُن کے دل عالم ملکوت کی طرف لگے رہتے ہیں اور ہر وقت نیکی میں سبقت کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حقیقی گروہ یہی حضرات ہیں۔ الا ان حزب اللہ هم المفلحون ۰ یہ حضرت یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان تھا۔ جو انہوں نے روض الریاحین میں لکھا۔

نسخہ رُوحانی اولیاء کرام نے اپنے بہت بڑے مراتب اس لئے حاصل کئے ہیں کہ انہوں نے خلق کو حق کی راہ دکھلانے اور اُن کے مابین عدل و انصاف سے پیش آنے کو اپنا دستور العمل بنایا باوجودیکہ انمیں اپنی ذات کے لئے کسی حد تک عدل وانصاف اور ہدایت کی کمی نہیں تھی۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور فرماتے اگر پانچ بزرگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت کو ہاتھ نہ لگاتا

① امام ابوحنیفہ
② حضرت سفیان
③ حضرت فضیل
④ حضرت ابن سماک
⑤ ابن علیہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ صرف اُن کی وجہ سے اس لئے تجارت کرتے تا کہ تجارت کا

منافع اُن پر خرچ کریں۔ ایک سال ایسا ہوا کہ جب وہ تشریف لائے تو انہیں عرض کیا گیا کہ ابنِ علیہ نے خلیفہ (بادشاہ) کی قضا (ملازمت) اختیار کر لی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نہ ابن علیہ کے ہاں تشریف لے گئے اور نہ ہی مقرر کردہ وظیفہ پیش کیا۔ ابن عُلیہ خود اُن کے ہاں حاضر ہوئے۔ لیکن حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف توجہ نہ کی بلکہ بعد کو اُن کے ہاں مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیج دیئے۔

یا جاعل العلم لہ بازیا
یصطاد اموال المساکین
اختلت للدنیا ولذاتہا
بحیلہ تذہب بالدین
فصرت مجنونا بہا بعدما
کنت دواء للمجانین
این روایاتک فی سردھا
سترک ابواب السلاطین
ان قلت اکرھت فذا باطل
زل حمار العلم فی الطین

ترجمہ: اے علم کو شکاری بناکر مسکینوں کے مال لوٹنے والے تو نے دنیا اور اس کی لذات کے لیے یہ ایک حیلہ گھڑا ہے لیکن دین تو رخصت ہو جائے گا۔ اس طرح سے تو پاگل ہو گیا ہے حالانکہ اس سے قبل تو پاگلوں کو تندرست بناتا رہا۔ اس سے قبل کے تیرے وعدے کہاں گئے جبکہ ابواب السلاطین کے ترک پر تو تبلیغ کرتا ہے۔ علم کا گدھا کیچڑ میں ڈگمگایا۔

جب اسماعیل ابن علیہ نے یہ ابیات پڑھے تو رشید (خلیفہ (بادشاہ) کو استعفیٰ پیش کر دیا بمشکل ان کا استعفیٰ منظور ہوا جب ابن علیہ نے ملازمت چھوڑی تو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

ابوحنیفہ قضا نکرد و بمُرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضا قبول نہ کی اور اسی پر وصال فرمایا۔ تو مرتا ہے اگر کوئی نوکری نہیں کرتا۔

لطیفہ

اعدل تکن من صروف الدھر ممتنعا
فالصرف ممتنع للعدل فی عمر

(باقی صـ۲۲۳ پر)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ
لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَوَلَمْ
يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝
أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ
مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ
حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝ مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ
وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ
أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا
هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ
يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ
وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو جنون سے کچھ علاقہ نہیں وہ صاف ڈر سنانے والے ہیں کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو تو اس کے بعد اور کونسی بات پر یقین لائیں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور انہیں چھوڑتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین پر تم پر نہ آئے گی مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب

تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آیات کو نُون کی طرف مضاف کیا گیا ہے اُس کی شرافت کی وجہ سے اور تکذیب کرنے والوں کو ان کی عظمت جتلانا مطلوب ہے کہ یہی آیات حق کا معیار اور عدل کا مصداق ہیں ۔

(بقیہ صد ۲۲۱)

ترجمہ: عدل کرنے سے تمہارے حوادث دہر دور رہیں گے۔ حضرت عمر میں صرف متنع ہے عدل کی وجہ سے ۔

عدل کی صوفیانہ تقریر عدل اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے بمعنے عادل اور عادل ہر وہ شخص جس سے عدل کا صدور ہو ۔ جور و ظلم کی نقیض عدل ہے ۔ عادل کو وہ جانتا ہی نہیں جو اس کے عدل سے واقف نہیں اور عادل کے عدل کو پہچانا جانا جبتک اُس کے فعل کا علم نہ ہوا ور عدل سے جتنا فوائد انسان کو نصیب ہوتے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں ۔ عدل سے موصوف ہونے میں سب سے پہلے ضروری ہوتا ہے تو شہوت و غضب کو قیدی بنا دے لیکن عقل و دین کے تقاضوں کے مطابق ۔ جو شخص عقل کو غضب و شہوت کا خادم بنا دے اس سے ظلم سرزد ہوتا ہے ۔ یہ عدل کا اجمالی خاکہ تھا اس کی تفصیل حدود شرع کے مطالعہ سے معلوم ہو گی ۔

اپنے اوپر عدل کے تقاضاؤں کی تفصیل اپنے لئے عدل کی تفصیل یہ ہے کہ ہر عضو کو اس حکم کا پابند بنائے جس طرح اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا حکم ہے اسی طرح اپنے اہل وعیال اور اپنے ماتحت لوگوں میں بھی عدل یونہی ہے کہ جیسے شرع پاک نے حکم فرمایا ہے ۔

ازالہ وہم عموماً ظلم کا مطلب یہی ہے کہ کسی کو ایذا اور عدل یہی ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچائے یہ غلط ہے مثلاً کوئی بادشاہ اپنے خزانہ (جو مختلف اسلحہ اور کئی نادر کتب اور کئی طرح کے اموال سے پُر ہے) مال و دولت کو لٹا دے اور اسلحہ اور قلعے علماء پر تقسیم کر دے اور نادر کتابیں لشکریوں فوجیوں اور مجاہدوں کو دے کر انہیں مساجد و مدارس کا مالک بنا دے اس طرح سے اس نے غیروں کو فوائد و منافع سے تو بھرپور کیا ہے لیکن حقیقت میں نگاہ سے دیکھا جائے تو اس نے سراسر ظلم اور عدل سے کوسوں دور کی کارروائی کی ہے اس لئے کہ اشیاء مذکورہ کو غیر محل میں تقسیم کیا ہے اسی طرح مریضوں کو کڑوے دوا مجبور کر کے پلائے جائیں یا انہیں پچھنے لگوائے جائیں اور خون نکالا جائے اور وہ بھی اور یہ اشیاء اس ترتیب پر جیسے حکم الٰہی ہے اور وہ ترتیب لطف و رحمت سے خالی نہیں یہی توجیہہ عدل ہے ۔ (کذا فی المقصد الاقصٰی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ الامام غزالی رحمۃ الملک المتعالی) ۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ہم انہیں مہلت دیں گے یعنی انہیں تباہی و بربادی کے قریب کردیں گے۔ لیکن تدریجًا تدریجًا الاستدراج بمعنے الاستفعاد یعنی درجہ وار نیچے سے اوپر لے جانا اور الاستنزال بمعنے درجہ وار اوپر سے نیچے لانا یہاں موزوں تر معنٰی یہ ہے کہ تباہیوں اور ہلاکتوں کے اعلیٰ درجات کی طرف دھکیلنا تاکہ وہ عقوبت و عذاب کے انتہائی مراتب کو پہنچیں۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ہ یہ فعل مذکور کے مصدر کی صفت ہے یعنی ہم انہیں مہلت دیں گے کہ انہیں علم تک نہ ہوگا کہ سزا اُن کے جرائم و معاصی سے ملے گی ہی نہیں بلکہ وہ اس مہلت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے یا انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ ہم اُن کے متعلق کیا ارادہ رکھتے ہیں وہ اس لئے کہ اُن پر اندریں اثنا نعمتوں کی فراوانی کردی جائے گی۔ اسے وہ سمجھیں گے کہ اُن پر لُطفِ الٰہی ہے بنا بریں وہ الٹا اکڑ جائیں گے اور غلط کاریوں کو تیز تر کردیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے ؎

مدہ خود را فریب از رنگ و بویم

کہ ہست از خندۂ من گریہ آمیز

ترجمہ: خود کو رنگ و بو میں دھوکہ نہ دے اس لئے کہ خندہ (ہنسنے) سے آنسو بہانے پڑیں گے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو

ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستاں گفت

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے دی ہے اس میں سیدھی راہ سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا ہے کہ یہ بوڑھی دنیا تیرے ہاتھ میں رہے گی۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ڤف کسی کو اس کے اپنے طریقہ پر برقرار رکھ کر اس کی مہلت بڑھا دینا اور اس کے مؤاخذہ پر عجلت نہ کرنا۔

فائدہ مولانا ابُوالسعُود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُهُمْ پر ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس میں سین استقبالیہ کا مفہوم بھی ہو اس لئے کہ املاء میں مطلق اطالۃ و امہال مطلوب ہوتی ہے اسمیں استدراج کی طرف تدریجی اُمور کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسا فعل ہے کہ اس کا صدور یکبارگی ہوتا ہے۔

سوال اسمیں بھی لبسا اوقات تدریج ہوتی ہے ؟

جواب نفسِ فعل میں تدریج نہیں ہوتی۔ البتہ اُس کے آثار و احکام میں گاہے گاہے تدریج ہوتی ہے اور آثار و احکام کی تدریج نفسِ فعل کو مستلزم نہیں۔ اس نکتہ نگاہ میں استدراج میں صیغۂ جمع اور املاء میں واحد کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ○ بے شک میری خفیہ تدبیر مضبوط ہے یعنی میری گرفت سخت ہے ۔

سوال اس گرفت کو کید بمعنے مکر و حیلہ مجازاً خفیہ تدبیر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب ① گرفت مذکور کو مکر و حیلہ سے مشابہت ہے کہ بظاہر انہیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے لیکن بہ باطن انہیں رسوا کیا گیا ۔

جواب ② سعدی چلپی مفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے کید سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اُن پر یہ عذاب اس طریق سے نازل ہوا کہ انہیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا اصلی موجب کیا ہے فرمایا کہ یہی جواب اولیٰ ہے ۔

فائدہ الکید بمعنے الاخذ بخفیۃ یعنی کسی کی خفیہ گرفت کرنا ۔

فائدہ بدادی نے لکھا کہ الکید بمعنے الاضرار بالشیٔ من حیث لا یشعر بہ یعنی کسی کو ایسی شے سے ضرر پہنچانا کہ اُسے اس شے کا احساس تک نہ ہو ۔

تفسیر صوفیانہ حکم ① عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائمی احسانات اسی طرح اس کی دائمی طور تکالیف پہنچانے سے خوف رکھنا لازمی ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ منجملہ ڈھیل دینے کے ہو کما قال سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اس آیت کی تفسیر میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم انہیں نعمتوں سے بھرپور کر دیتے ہیں لیکن وہ نعمتوں میں منہمک ہو کر شکر نہیں کرتے جب وہ نعمتوں کے نشہ سے مخمور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی گرفت کی جاتی ہے ۔

② حضرت ابوالعباس بن عطا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو ہم انہیں نعمتوں سے نوازتے ہیں ۔ اس طرح انہیں استغفار کا موقعہ نہیں ملتا تو پھر پکڑے جاتے ہیں ۔

③ حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ استدراج کے کئی طریقے ہیں ۔

(۱) آزمائش خوف کے بغیر کسی پر پے در پے احسان و کرم کرنا ۔

(۲) شہرت حاصل کر لینا لیکن خوف خداوندی سے یکسر خالی ہونا ۔

(۳) مقاصد پالینا نقصان سے بچ جانا ۔

(۴) اُمیدیں پوری کر دینا مقصد براری پر اس کی وفا کا مطالبہ نہ کرنا ۔

(۵) بظاہر یاری کا دم بھرنا اندرون خانہ غیروں سے ساز باز رکھنا ۔

فائدہ استدراج کا ایک معنی اور بھی ہے وہ یہ سالک کو نہ اپنی خبر ہو اور نہ رب کا پتہ اس لئے بے ادبی کرکے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرے یا اپنے آپ کو مصائب کے وقت آزمائش ربانی سمجھے لیکن اس سے معافی

کے بجائے اپنے لئے بلندی مراتب کا دم بھرے تو ایسے بندے کو سزا میں مہلت مل جاتی ہے جسے وہ اُلٹا اور بدمست ہو جاتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اگر میرا پروگرام غلط ہوتا تو مجھے اتنا کیوں نوازا جاتا۔ اس گھمنڈ میں وہ مار کھا جاتا ہے جس کا اُسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا اسی طرح وہ اپنی تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتے وقت بھی یہی تصور کرتا ہے کہ اگر میرے لئے ترقی درجات نہ ہوتی تو مجھے امتحان میں نہ رکھا جاتا۔ بلکہ مجھے تو آرام ملتا یہ بھی اس کی غلط خیالی ہے اس لئے کہ وہ اس طرح اپنے گھمنڈ کی سزا پائے گا اُسے چاہیئے کہ ترقی درجات کی خوش فہمی میں رہے بلکہ معافی کے سامان کی تیاری کر کے بارگاہ میں گڑگڑائے تاکہ اُسے ایسی تکالیف سے بھی نجات ملے اور رضائے حق بھی نصیب ہو۔

حکایت حضرت احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے دبدبہ سے خوف رکھنا اور اُس کے فضل و کرم کی اُمید میں رہنا اور اس کی گرفت سے کبھی بے خوف نہ رہنا اگر اُسے ہر بندے کو بہشت میں داخل کرنے کا ارادہ ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نہ نکالتا۔

سوال مجرموں کو مہلت دینے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اخذ و انتقام سے لطف واحسان محبوب تر ہے ورنہ اگر اخذ و انتقام محبوب ہوتے تو مجرم کے جرم کے بعد فوراً اُس کی گرفت کرتا ہے۔ اُس نے مہلت دیدی تاکہ وہ اُسے گناہوں سے معافی لینے کا موقعہ مل جائے اور وہ کریم بندے کو معاف فرمائے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ اس کے نزدیک غضب و شفقت اور کرم موازی مرغوب تر ہے اور اس کی عضب پر سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں مہلت دینا اس کی عادات کریمہ سے ہے کہ یہ بھی جود و سخا ہے کہ مجرم کی فوراً گرفت نہیں کرتا۔

فائدہ بعض بزرگوں نے مہلت دینے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ظالم مہلت میں اور ظلم کرے گا پھر اس کی گرفت اور سخت تر ہو جائے گی اور کسی کو جلد پکڑ لیتا ہے اور وہ بھی اس کی کریمی ہے کہ اگر اس کی جلد تر گرفت نہ ہوتی تو بندہ غلطیوں میں بڑھتا رہتا تو اس کی سزا سخت تر ہوتی اس لئے اس کے لئے آخرت کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے جلد پکڑ لیا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ خفیہ تدبیر ربانی سے ہر وقت خوفزدہ رہے اور اپنی مسکینی عاجزی اور فقیری و انکساری کو نعمت اور اپنی عزت افزائی سمجھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین سے زیادہ محبت کرتا ہے بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب تر ہے اور دنیا کو ایک حالت پر قرار نہیں کسی کو چند دنوں کے لئے ملتی ہے تو پھر اس سے چھین لی جاتی ہے اور کسی سے چھینی جاتی ہے تو پھر اسے واپس دی جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

زمانہ بہ نیک و بد آبستن است
ستارہ گہے دوست و گہ دشمن است

ترجمہ: زمانہ نیک و بد سے حاملہ ہے ستارہ کبھی دوست ہوتا ہے کبھی دشمن۔

تفسیر عالمانہ وَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ [1] کیا انہوں نے نہیں سوچا کہ ان کے ساتھی کو جنون نہیں۔

شانِ نزول حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو کئی راتیں صبح تک اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہتے تھے اور بتاتے کہ سابقہ امتوں کا کیا حشر ہوا۔ تم بھی اگر احکامِ الٰہی کا انکار کرو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ ایک رات صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قبیلہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور دعوت اسلام پیش فرمائی یہاں تک کہ صبح ہو گئی انہیں سے ایک کافر نے بکواس کی کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں کہ ساری رات شوریدہ او رچیختے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) اس کافر کی بکواس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ترکیب ہمزہ انکار و تعجب و توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ اور اس کا معطوف الیہ مقدر ہے اور ما نافیہ ہے اس کا اسم جنۃ اور بِصَاحِبِهِم اس کی خبر ہے اور اس جملہ کا تعلق تفکیر سے ہے اس لئے کہ وہ معنےٰ افعال قلوب سے ہے اور یہ ہر دونوں وجہوں سے علیٰ نزع الخافض منصوب ہے۔

الجنۃ بالتاء جنون کا ایک نوع ہے اس پر من داخل کرنے سے بتایا گیا ہے کہ جنون کی کوئی قسم بھی آپ میں نہ تھی اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور انہوں نے اسمیں سوچا تک نہیں کہ ان کے مصاحب کو جنون نہیں وہ تو ان کی بات انہیں تفکر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ ان کی نبوت صدق وصحت پر غور و فکر کر کے ان پر اور ان پر نازل شدہ آیات پر ایمان لائیں۔

فائدہ جنون کی نفی کر کے ان کی بدبختی کو طشت ازبام کیا گیا ہے۔

نکتہ حضور علیہ السلام ان کے لئے دشمن ہونے کے باوجود ان کے صاحب جتلانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خود ہی پہلے انہیں اپنا مصاحب مانتے تھے بلکہ نبوت کے اظہار سے پہلے انہیں "محمد الامین" (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پکارتے تھے (اب کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے جانی دشمن بن بیٹھے ہو یہ بھی تفکر کی ایک قسم کی دعوت ہے۔

إِنْ هُوَ نہیں ہیں وہ (حضور علیہ السلام) إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ مگر ڈرانے اور ظاہر کرنے والے اسمیں حضور علیہ السلام کی کمال شفقت و رافت کو بیان کیا گیا ہے اور آپ کی دعوت میں مبالغہ اور شب بھر وعظ کرتے

---

[1] یعنی ابولہب نے۔ ۱۲۔

کا عذر بھی بتایا گیا ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا یہ ہمزہ بھی انکار کے لئے ہے اور واؤ کا عطف کذّبوا مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے تامل و استدلال کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کے بہت بڑے ملکوں میں کہ یہی آسمان و زمین کے بڑے بڑے ملک اللہ تعالیٰ کے مالک اور قادر ہونے کی عظمت پر دلالت کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ زمین و آسمان کے بڑے بڑے ملکوں کی تخلیق عبث نہیں اور نہ ہی بندوں کو بے کار چھوڑ رکھا ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ملکوت السمٰوٰت سے نجوم، شمس و قمر اور ملکوت الارض سے بحور، جبال، اشجار مراد ہیں اور ملکوت بمعنے بڑا نہایت عظیم ملک ہے جیسے رہبوت رہبت سے تا مبالغہ کے طور بڑھائی گئی ہے مثلاً کوئی کہے کہ ملکوت العراق متعلق بی یعنی عراق کا بہت بڑا عظیم ملک میرے متعلق ہے۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ اس کا عطف ملکوت السمٰوٰت الخ پر ہے یعنی کیا تفکر نہیں کرتے ان میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ مِنْ شَیْءٍ یہ ماخلق اللہ کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر صرف بڑی بڑی مصنوعات ہی دلالت نہیں کرتیں بلکہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی اشیاء بھی اس کی توحید اور صنعت پر دلالت کرتی ہیں۔ جس پر بھی لفظ شئے کا اطلاق آئے گا وہی دلالت کرے گی خواہ وہ شے بڑی ہو یا چھوٹی اعلیٰ قدر ہو یا معمولی اور شئے کئی اجناس پر مشتمل ہوتی ہے کہ جن کا احصاً ناممکن ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودات کا ہر چھوٹا بڑا فرد غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور دلالت کرتا ہے کہ وہ کریم وحدہٗ لاشریک اور صانع مطلق ہے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَةٌ

تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدًا

ترجمہ: ہر شے دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔

وَّاَنْ عَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ اس کا عطف بھی ملکوت پر ہے اور ان مخفف من المثقلہ ہے۔ اور اس کا اسم ضمیر شان ہے خبر قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ہے یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ شان یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے کہ عنقریب ان پر موت کا حملہ ہو گا پھر انہیں کیا ہو گیا کہ وہ طلب حق میں عجلت نہیں کرتے اور نہ ہی اس طرح متوجہ ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا عمل کریں کہ جس سے ان کی نجات ہو جائے یہ موت اور نزول عذاب سے پہلے لازمی ہے ؎

(۱) زاں بیش کا جل فرا رسد تنگ
وایام عناں ستاند از چنگ

(۲) بر مرکب فکر خویش نہ زیں
مردانہ دار آری در رہ دیں

ترجمہ: (۱) اس سے پہلے کہ اجل تیرا راہ تنگ کر دے اور دورِ زمانہ تیرے ہاتھ سے باگ چھین لے۔
(۲) اپنے فقر کی سواری پر زین رکھ کر جواں مردوں کی طرح راہ دین پر چل۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ حدیث، لغت میں بمعنے جدید اور عرفِ عام میں بمعنے کلام یعنی پس کونسی بات پر بَعْدَہٗ قرآن مجید کے بعد یُؤْمِنُوْنَ ایمان لائیں گے۔ یعنی اگر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر کس پر ایمان لائیں گے اس لئے کہ قرآن پاک میں ہر شے کا بیان مکمل طور ہے اس کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوگی اور نہ ہی کوئی نبی مُرسل تشریف لائے گا۔ اُن کے ایمان نہ لانے کو قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح سے نفی کی گئی کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لانے والے اور با، یومنون کے متعلق ہے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اور قرآن مجید سے فائدہ نہ اٹھانے دے فَلَا ھَادِیَ لَہٗ تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں وَیَذَرُھُمْ یذر کو یا سے پڑھا جائے اور وہ مرفوع اور جملہ مستانفہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑ دے گا۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ اپنی گمراہی میں یعنی کفر کی انتہائی سرحد میں یَعْمَھُوْنَ ٥ یہ یذرھم کے مفعول سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ متردد و متحیر پھرتے رہیں گے۔

حل لغات قاموس میں " العمہ محرکۃ۔ التردد فی الضلال و التحیر فی منازعۃ او طریق یعنی العمہ کو بالحرکۃ پڑھا جائے گمراہی میں تردد اور منازعت یا طریق میں متحیر ہونا کسی دلیل اور حجت کو نہ جاننا۔

مسئلہ آیت میں تفکر پر برانگیختہ کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ عاقل وہ ہے جو آفاتِ وہم و خیال اور ہوا و ہوس اور تقلیدِ آباء سے بچ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق اور آپ کے اخلاق اور سیرت پر غور کرے قطع نظر آپ کے معجزات سے تو یقین سے کہہ سکے گا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور جس کی آپ دعوت دیتے ہیں وہ حق اور صدق پر مبنی ہے۔ ایسے تفکر سے نارِ جہنم سے نجات نصیب ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناری اس لئے نہیں سمجھتے کہ انہیں سمجھنے سوچنے کی کوتاہی رہی کما قال حکایۃً منہم " وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ٥

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ مکونات دو قسم ہیں۔
(۱) جنہیں بغیر کسی شئ کے واسطہ کے پیدا کیا گیا اسے ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی کون کا باطنی طریقہ ہے اور اس پر ظاہری کون قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ۔
(۲) وہ اشیاء جو کسی شے سے پیدا کی گئی ہیں یعنی یہی ملک جو کون کا ظاہر ہے یاد رہے کہ ظاہر ملک کو آنکھوں سے اور ملکوت یعنی ملک کو عقل اور قلب سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول ان آیات کو نظرِ عقل سے دیکھ کر استدلال کرتے ہیں تو انہیں معرفتِ حق نصیب ہوتی ہے اور صانع کے وجود کا اثبات

بھی اسی طرح سے کرتے ہیں اور ارباب عقول کو شواہد غیب کا صرف نہیں بلکہ اُسے ملکوت غیب میں داخلہ نصیب نہیں ہوتا۔ تاکہ ایمان ایقان بلکہ عیان ہو چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِیٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔

فائدہ ملکوت یعنی غیوب کا مشاہدہ کرانا اللہ تعالیٰ کا قدیمی طریقہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہر نبی اور ولی کو کراتا ہے جسے چاہتا ہے عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت کی سیر کراتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کو عالم صغیر کی سیر نصیب ہوتی ہے کسی کو عالم کبیر کی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ طریقہ تا قیامت جاری رہے گا یعنی نیک بندے سیر الی اللہ اور سلوک طے کرتے رہیں گے۔

انسان کی امتیازی شان بھی اس وجہ سے ہے ورنہ انسان اور حیوان میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اُس نے نوع انسان پر فضل فرمایا کہ اپنے پیارے بندوں کو مخصوص راستے دکھائے جن پر وہ چل کر ترقی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے عالم اکوان سے پرواز کر کے عالم شہود و اعیان بلکہ وصال الی الملک المنان سے نوازے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں مرتبۂ ایقان نصیب ہوتا ہے اور اس مقام کو مقام احسان کہا جاتا ہے ان منازل کو طے کرنے اور مقام احسان کو حاصل کرنے کے بعد اسے نبی (اگر دورِ نبوت ختم نہ ہوا ہو) ورنہ ولی بنا کر بھیجا جاتا ہے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو حکمت بیان کی راہیں دکھلائیں اور اسلام و ایمان کی باتیں بتائیں اور انہیں رب رحمٰن کے وصال کی دعوت دیں اور جو اُن کی دعوت پر لبیک پکاریں انہیں بہشت و رضوان کی خوشخبری سنائیں اور جو نہ مانیں انہیں دوزخ سے ڈرائیں

سبق جو اُن کی بات مان لے گا اُسے لطف و احسان سے نوازا جائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہے گا اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ ملکوت السمٰوٰت والارض کی سیر اسے نصیب ہو گی جو دوبارہ پیدا ہوگا۔

خلاصۃ المرام اینکہ اصحابِ قلوب کو مشاہدہ ہوتا ہے اور ارباب عقول کی نظر و استدلال سے معرفت نصیب ہوتی ہے (کذا فی التاویلات مع شرح و اضافات شیخنا ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ العزیز)۔

حکایت امام اعظم قدس سرہٗ اور دہریوں کا مسلمان ہونا منقول ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں عبادت میں مشغول تھے کہ چند اعدائے اسلام آپ کو قتل کرنے کے لئے آگئے آپ نے فرمایا کہ مجھے مرنے سے کوئی خطرہ نہیں لیکن میرا ایک سوال ہے اُسے حل کر دو پھر مجھے قتل کر دو۔ انہوں نے کہا بتایئے وہ سوال کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے ایک دریا میں دیکھا کہ کشتی کشتیبان کے بغیر چل رہی تھی۔ سب ہنس پڑے اور مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کشتی کشتیبان کے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا جب ایک معمولی کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی تو چودہ طبقات کا کارخانہ سورج اور چاند ستارے یعنی علوی و سفلی عالم کا نظام چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔ تمام دہریئے خاموش

ہو گئے اور انہیں اکثر کو دولت ایمان و اسلام نصیب ہوئی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

درحشمتِ سلیمان ہر کس کہ شک نماید

بر عقل و دانش او خندند مُرغ وماہی

ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حشمت پر جو شک کرے گا اس کا مُرغ وماہی تک مذاق اڑائیں گے۔

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے ساعۃ یعنی قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

تحقیق الساعۃ ① یہ لفظ اکثر قیامت کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے جیسے النجم کا اکثر اطلاق ثریا (کہکشاں) پر آتا ہے اور قیامت کو " الساعۃ " سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ الساعۃ بمعنے اچانک اور قیامت بھی بغتۃً (اچانک) واقع ہوگی۔ بنابریں اسی نام سے موسوم ہوئی یا

② اس لئے کہ دنیا کا تمام حساب و کتاب منٹ سیکنڈ میں طے ہو جائے گا۔ بنابریں اسے " الساعۃ " سے تعبیر کیا گیا۔ (تسمیۃ الکل باسم الجزء " کے قبیل سے ہے) یہ گھڑی ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اسی حساب و کتاب کے سوا باقی تمام امور بند کر دے گا یا اس لئے کہ وہ اوقات جو بندوں کے ہاں بہت بڑے طویل اور دُور دراز اور لمبے چوڑے محسوس ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایک گھڑی میں طے فرمائے گا۔

یاد رہے کہ ساعت اُس گھڑی کو کہا جاتا ہے جبکہ مُردگان قبروں سے اٹھیں گے اس لحاظ سے اسے ساعۃ قیام الناس من الاجداث کہنا چاہئے تھا لیکن اب اُس کا تعین اور تعین پر غلبۂ استعمال کی شہرت ہو چکی ہے اس لئے مضاف الیہ اور دیگر متعلقات کے لانے کی حاجت نہیں رہی۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں یہودی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمیں قیامت کے قیام کا پتہ دیجئے۔ اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کب قائم ہوگی۔ یہ صرف انہوں نے بطورِ آزمائش کے کہا ورنہ انہیں بھی یقین تھا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ اُن کے سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَيَّانَ مُرْسٰهَا ایان ظرف زمان اور استفہام کے معنے کو متضمن ہے اور وہ محلاً مرفوع خبر مقدم ہے اور مُرْسٰهَا مبتدا مؤخر ہے یعنی اس کا اثبات و تقریر کب ہے۔ مُرسٰی مصدر میمی ہے۔ " ارساء " سے ہے بمعنے اثبتہٗ و اقرہٗ اور اکثر اس کا استعمال اُن اشیاء میں ہوتا ہے جو بہت زیادہ بوجھل اور ثقیل ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والجبال ارسٰها اور چونکہ قیامت کا وقوع مخلوق کے لئے بہت زیادہ ثقیل اور بوجھل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ارساء سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کا حرف جر محذوف کیا گیا ہے اس لئے اُسے محلاً منصوب مانا جائے گا اور حرف جر محذوف اس لئے مانتے ہیں کہ جار و مجرور سے بدل ہے صرف مجرور سے بدل نہیں۔ گویا اصل عبارت یوں تھی یسئلونك

عن الساعۃ ان ایان مرسھا۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا فرمائیے میرا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اس کا علم

سوال علمہا کے بجائے علم وقتہا کیوں نہیں فرمایا؟

جواب یہودیوں کا سوال اصل نفس قیامت سے تھا تو جواب اسی نہج سے دیا گیا۔ اگر اسے وقتِ معین سے مضاف کیا جاتا ہے تو باعتبار حلول کے ہے کہ وہ اس وقتِ معین میں واقع ہوگی۔ اس سے اس اعتبار پر سوال نہیں کیا گیا کہ وہی وقت اس کا محل ہے اور وہی محل سوال کا مطلوب ہو اس لئے سوال میں ارسا کو ساعۃ کی وہی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود نفس ساعۃ کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود نفس ساعت تھا نہ کہ اس کا محل۔

عِنْدَ رَبِّیْ ج میرے رب تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی ساعت کا علم اس کا خاصہ ہے اس پر کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو مطلع نہیں فرمایا۔ لَا یُجَلِّیْهَا اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ یعنی ساعۃ کا معاملہ کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ یجلیہا تجلیۃ سے مشتق ہے بمعنے اظہار اور تجلی بمعنے ظہور۔ لِوَقْتِهَا اس کے وقت میں یہ لام اقم الصلوٰۃ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ کی طرح توقیت کی ہے۔ اِلَّا هُوَ ؕ سوائے اس کے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے وقت وقوع سے پہلے غیروں سے مخفی رکھا ہے اُسے صرف اس وقت ظاہر فرمائے گا جو اُس کا وقت مقرر ہے۔

ردّ وہابیہ و دیوبندیہ[1] اس میں اخبار (خبر دینے) کی نفی نہیں اور مخفی رکھنا بھی عوام کے لئے ہے تاکہ وہ طاعات میں لگے رہیں اور برائیوں سے بچیں جیسے عوام کو اپنی موت کا علم نہیں ہوتا۔ اسمیں بھی یہی حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لئے عوام سے قیام ساعت کا وقت مخفی رکھا تاکہ وہ توبہ میں عجلت کرکے ہر وقت اطاعت وعبادت میں لگے رہیں اس لئے کہ اگر انہیں قیامت کے متعلق معلوم ہو جائے تو نہ توبہ کریں گے اور طاعت وعبادت میں جد وجہد۔

قیام قیامت کے علم کے ثبوت کے نظائر جیسے عوام سے لیلۃ القدر کی گھڑی پوشیدہ رکھی ہے تاکہ اس کے حصول کے لئے تمام مہینہ کی راتوں میں عبادت واطاعت میں جد وجہد کریں۔ اسی طرح جمعہ کی اجابت دعا کی گھڑی عوام سے پوشیدہ رکھی تاکہ وہ جمعہ کے اکثر اوقات میں دعا کے لئے کوشاں رہیں۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وہ قیامت آسمان وزمین کے مکینوں کے لئے بہت سخت بوجھل ہے یعنی ملائکہ اور جنات اور انسانوں کے لئے اس کا مخفی ہونا پوشیدہ ہونا ایک اہم اور دائرہ عقول سے ایک خارجی معاملہ ہے یا آسمان وزمین کے مکینوں کے لئے سخت بوجھل ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ قیامت کے شدائد تکالیف اور اس کے اندر ہولناک امور ہیں منجملہ اس کی ہولناکی کے ایک یہی

---

[1] جبکہ یہ فرقہ آیت مذکورہ سے استدلال کرتا ہے کہ قیام ساعت کی تعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم نہیں تھی ان کے رد میں صاحب روح البیان کا مضمون ہذا ہے۔ (اُویسی غفرلہ)

ہے کہ اس کے وقوع پر تمام آسمان و زمین کے مکین فنا و ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بات دلوں پہ ایک بوجھ ڈالتی ہے۔
لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً تمہارے ہاں وہ نہیں آئے گی مگر اچانک یعنی غفلت کی حالت میں قائم ہوگی یہاں تک کہ اس وقت غافل انسان اپنے جانوروں کو پانی پلانے اور اپنے حوض صاف کرنے اور اپنا سامان بازار میں بیچنے میں اور تاجر اپنے ترازو کو کم و بیش تولنے کی عادت اور کھلانے والا لقمہ منہ میں ڈالنے میں مشغول ہوگا ابھی اس کا لقمہ حلق میں نہیں اترے گا کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔
يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اُسے جانتے ہیں۔
حَفِيٌّ حفی عن الشَّیٔ سے ہے یہ اُس کے لئے بولتے ہیں جو کسی شے کے متعلق بار بار سوال کرے اور اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جو کسی شے کے جاننے میں بہت زیادہ جدوجہد کرے اور اس کے متعلق سوال کر کے اس کے معلومات میں پختہ کاری کرلے اور اس کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے معلوم کرنے میں اپنے تمام امکانات صرف کر ڈالے پھر اس کا اُسے ماہر سمجھا جائے اور حضور علیہ السلام کے لئے یہی پچھلا معنیٰ مُراد ہے کہ گویا آپ اس کے حاصل کرنے میں ہر ممکن کوشش کر کے جاننے والے ہیں۔

سوال جب حفی بمعنے عالم ہے تو پھر اسے عن سے متعدی کرنے کا کیا مطلب ؟
جواب چونکہ اس میں صرف علم کا معنیٰ مطلوب نہیں بلکہ بلیغ فی السوال کے معنے کو متضمن ہے پھر اس کے بعد مقصود یہی ہے کہ سوال میں مبالغہ کرکے اپنے علم کو مستحکم کرنا۔ یہ جملہ تشبیہہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور يَسْأَلُونَكَ کے کاف سے حال ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ آپ سے سوال کرتے ہیں درانحالیکہ آپ کو اس شخص سے تشبیہہ دیتے ہیں جو قیامت کے متعلق سوال کر کے معلومات حاصل کرتا ہے۔
قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ فرمایئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ بے شک اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

سوال اس کا تکرار کیوں ؟
جواب تاکہ یقین ہو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ان کی جہالت کی تاکید ہو اور وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ کے لئے تمہید ہو یعنی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لئے کہ بعض تو سرے سے قیام قیامت کے منکر ہیں اور بعض اس کے وقوع کے قائل تو ہیں لیکن انہیں گمان ہے کہ حضور علیہ السلام اس کے وقوع سے بالذات واقف ہیں۔ اس جہالت کی بنا پر آپ سے سوال کرتے ہیں بعض کو دعویٰ ہے کہ اس کے وقوع کا علم لازم نبوت سے ہے تاکہ اس سے سوال کر کے آپ کی رسالت پر جرح

قدح کر سکیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا فرمائیے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بالذات اپنے لئے نہ نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا پھر جو شخص ذاتی طور پر یہ نہیں جانتا کہ نفع کس میں ہے اور نقصان کس میں تو پھر وہ قیامت کے قیام کو کس طرح ذاتی طور نہیں جان سکتا (ہاں باذن اللہ تعالیٰ و اعطائہ جاننا اور بات ہے اس کی تشریح آتی ہے) لنفسی کا تعلق لَآ اَمْلِكُ سے ہے کذا قال سعدی چلپی المفتی۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق نفعًا ولاضرًا سے ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ مجھے اس کے نفع و نقصان کا الہام فرمائے اور اس کی اطلاع دیدے اور اس پر قدرت دیدے تو اس کا میں مالک ہوں اس معنے پر یہ استثناء متصل ہے یا اِلَّا بمعنے لکن ہے اس معنے پر یہ استثناء منقطع ہے ساعت کے علم سے اظہار عجز پر بھی زیادہ موزوں ہے۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اور اگر میں جنس غیب جانتا لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ج تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔ یعنی مال جمع کر لیتا اور بہت بڑے منافع کما لیتا یہ معنے اس لئے ہے کہ استفعال کا باب متعدی لنفسہ ہے جیسے استذلہ بمعنے اس نے اسے ذلیل کیا۔ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ج اور نہ ہی فقر و فاقہ کا شکار رہتا اور نہ ہی کوئی اور دکھ اور درد پہنچتے۔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ میں نہیں ہوں مگر نذیر و بشیر۔ یعنی میں نہیں ہوں مگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر جو ڈر سناتا اور خوش خبری دیتا ہوں اور جو علوم ان دونوں سے متعلق ہیں دینی یا دنیوی ہر لحاظ سے اُن کا مجھ سے سوال کر سکتے ہیں اور جب غیب کو ان دونوں سے تعلق نہیں یا احکام و شرائع سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کرو۔ قیامت کے متعلق بھی جو علوم متعلقہ اس سے واسطہ رکھتے ہیں ان کا میں تمہیں بتاتا رہتا ہوں یعنی اُس کی ہولناک خبریں اور اس دن کی مجرموں کو سزائیں یا اُس کے وقوع کے متعلق یقین دلانا یا اس کا قریب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میرے ذمہ تھیں اور وہ میں نے بتا دیں باقی رہا اُس کے وقوع کے وقت کا تعین نہ اُسے انذار سے تعلق ہے نہ میں بتاتا ہوں بلکہ بتاؤں تو وہ انذار کے خلاف ہے اس لئے مجھ سے اس کا سوال ہی بے سود اور بے محل ہے اس لئے کہ اگر تعین بتا دیا جائے تو پھر کون گناہوں سے بچتا ہے اور کیسے توبہ کی طرف توجہ ہو سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں نبوت کی اصل غرض و غایت کے منافی ہیں۔ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ع اُس قوم کے لئے جو ایماندار ہے اس کا تعلق نذیر و بشیر ہر دونوں سے ہے۔ اس لئے کہ مؤمن جس طرح نبی علیہ السلام کی بشارت سے استفادہ کرتا ہے ایسے ہی انذار سے بھی نفع پاتا ہے یا اس کا تعلق صرف بشیر سے ہے لیکن نذیر کا متعلق محذوف ہے یعنی نذیر لقوم للکافرین۔ یعنی مؤمنین کے بقایا کافرین کے لئے نذیر ہوں اور مؤمنین اور مؤمنان کے لئے بشیر ہوں بایں معنی کہ تم صرف قیامت پر ایمان لاؤ۔ خواہ وہ کسی وقت بھی واقع ہو۔

لہ جیسا کہ وہابیوں دیوبندیوں کا طریقہ ہے ورنہ علمائے اسلام نے اپنی تصانیف میں صاف لکھا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیامت (ساعۃ) کا علم تھا۔

مسئلہ اس میں کفار کو ترغیب ہے کہ وہ ایمان کی دولت کو حاصل کریں اور انہیں کفر و عصیان کے اصرار سے ڈرایا گیا ہے۔

مسئلہ حدادی نے آیت کی تفسیر میں لکھا کہ آیت میں اس فرقہ کی تردید ہے جو قائل ہے کہ دنیا کی عمر اتنی ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ مروی ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اگر یہ بات مان لی جائے تو قیام قیامت کا علم ہو جائے۔ اور وہ آیت کے مضمون کے منافی ہے اور انہوں نے اپنے دعویٰ میں حضور علیہ السلام میں اور قیامت ایسے ہی اکٹھے مبعوث ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ آپ نے درمیانی انگلی اور سبابہ کو ملا کر اشارہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں قریب قریب مبعوث ہوئے ہیں۔ اس سے تقریب مطلوب ہے نہ کہ تحدید۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فقد جاء اشراطہا (یعنی حضور علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت کی علامات سے ایک علامت ہے۔

فائدہ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ دنیا کی عمر کے متعلق طرق اور صحیح سندات کے ساتھ وارد ہوئے ہیں لیکن اس سے تحدید الوقت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں ہوتا کہ کسی ملک یا بشر کو تعین ساعت کا علم ہو۔

حضور علیہ السلام کو قیام قیامت کی تعیین معلوم تھی بعض مشائخ کا مذہب ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعلام اللہ تعالیٰ نے وقت ساعت کو جانتے تھے اور بقاعدہ شرعیہ آیت کی حصر کے بھی منافی نہیں جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں اُن کے مذہب کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

① صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے تفصیلی واقعات بتائے۔

② حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جو مرغ کی شکل میں ہے جس کے دونوں پر زبرجد لولو اور یاقوت سے ہیں۔ اس کا ایک پر مشرق میں دوسرا مغرب میں ہے اور اس کے پاؤں تحت الثریٰ اور سر عرشِ معلٰی کے نیچے تک ہے جب صبح صادق ہوتی ہے تو اپنے پر ہلا کر پڑھتا ہے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَا اِلٰہَ غیرہ اس کے اس پر ہلانے پر تمام زمین کے مرغ اپنے پر ہلاتے اور ذکر الٰہی کا شور و غل مچاتے ہیں جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اُس بڑے فرشتے کو حکم دے گا کہ اپنے پر سمیٹ کر آواز کو روک لے۔ اس سے آسمان و زمین والے مکین سمجھیں گے کہ قیامت آ گئی۔

③ قیامت کے قرب کی علامات میں سے ہے کہ قیدی اور لونڈے غلام بنانا عام ہو جائے گا اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اس وقت دین کا چرچا اور اہل اسلام کو غلبہ ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو کبھی ترقی اور کبھی تنزل ہوگا۔

④ قیامت کے علامات سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا یعنی جب دولتمند اور صاحبِ اقتدار غنیمت کے حصول کے درپے ہو کر اپنی تجوریاں بھریں گے اور غنیمت کے مستحقین کو دیکھنے تک نہ دیں گے۔

⑤ زکوٰۃ کی ادائیگی چٹی سمجھی جائے گی۔ یعنی لوگوں پر زکوٰۃ کا ادا کرنا دکھ محسوس ہو گا بلکہ اسے بجائے عبادت کے ٹیکس سمجھیں گے۔

⑥ امانت مال غنیمت کی طرح کھائی جائے گی یعنی جب اُن کے ہاں امانتیں رکھی جائیں تو وہ امانات کو غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جائیں گے۔

فائدہ منجملہ امانات کے فتویٰ، قضا۔ صدارت۔ وزارت وغیرہ ہے۔ جب دیکھو کہ مذکورہ بالا اُمور نااہلوں کے سپرد کے سپُرد کئے گئے ہیں تو سمجھو کہ قیامت آگئی۔ اور یہ ہمارے زمانہ میں عام ہو رہا ہے اور دورِ حاضرہ میں تو مذکورہ خرابی کا دور دورہ ہے۔

⑦ بعض روایات میں ہے کہ جب زہد صرف نمائشی اور ورع پرہیزگاری میں تصنع (بناوٹ) ہو تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی۔

فائدہ قیامت کا قیام شرار لوگوں پر قائم ہو گا۔

سوال مذکورہ فائدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت اشرار پر واقع ہو گی حالانکہ حدیث شریف سے اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابن عمر نے روایت کی کہ قیامت کے قیام تک میری اُمت کا ایک گروہ غالب رہے گا۔

جواب اس سے قربِ قیامت مُراد ہے اس لئے کہ شئے کے قرب کا حکم بھی اس کے عین میں متصور ہوتا ہے۔

فائدہ قیامتیں تین ہیں

① حشرالاجساد

② جزا کے لئے حشر کے میدان کی طرف جانا اسے قیامت کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

③ جمیع مخلوق کی موت اسے قیامت وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ اور اسے یقینی طور صرف اللہ جانتا ہے ہاں علامات سے کچھ معلوم ہوتا ہے لیکن وہ علامات جو حضور سرورِ عالم اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں بعض کو ہم نے ابھی بیان کیا اور ہر ایک کی موت اس کے لئے قیامت صغریٰ ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے" جو شخص مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن جہنم کے حالات بیان فرمائے تو آپ کے ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں تاکہ میں اس میں داخل

ہوں۔ دوسرے صحابہ کرام اس کی یہ بات سن کر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا اس کی مراد یہ ہے کہ میں قیامت کبریٰ میں داخل ہوں۔

فائدہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم حضور علیہ السلام کی حقیقی مراد کو نہیں پہنچ سکتے البتہ اس کی کچھ توجیہہ بتانا ضروری ہے وہ توجیہہ یہ ہے کہ وہ شخص ارادہ رکھتا تھا کہ اُسے قیامت کبریٰ کا مشاہدہ ہو تاکہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے جہاں کل شئ ھالك" الا وجھہٗ کا معنےٰ واضح ہو جائے اس لئے کہ جب بندہ طبیعت اور نفس و روح اور سر کے مراتب طے کر لیتا ہے تو ماسوی اللہ کو بھول کر مستغرق باللہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور ماسوی اللہ کا مٹنا اور غیر اللہ کا فنا ہونا صرف قیامت کبریٰ میں ہوگا اور بس اور اس مرتبہ کو صرف وہی حاصل کر سکتے ہیں جن پر فضلِ ربانی ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را

ترجمہ: عنقا کسی کا شکار نہیں ہو سکتا فلہٰذا اپنی دام اٹھا کر چلا جا جہاں الٹا دام اس کے ہاتھ میں ہے (اس سے تجھے کیا ملے گا)

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ ایسے مراتب و کمالات حاصل کرنے کی جدوجہد کرے جو اہل اللہ حاصل کر چکے ہیں۔ ؎

(۱) بال بکشاؤ از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

(۲) کاروانِ رفت و تو در راہ کمیں گاہ بخواب
وہ کہ بس بے خبری ز بانگ جرسی

ترجمہ: (۱) پر کھول اور شجر طوبیٰ پر آواز دے تیرے جیسے مرغ کا افسوس کہ تو پنجرے کا قیدی ہے۔
(۲) قافلہ گیا تو دنیا میں خواب غفلت میں پڑا ہے افسوس کہ تو جرس کی آواز سے بے خبر ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

عاشق شوریدہ روزے کارِ جہاں سر آید
تا خواندہ نقش مقصود از کارگاہ ہستی

ترجمہ: عاشق شوریدہ حال نے یہ پڑھ رکھا ہے کہ مقصود از کارگاہ (دنیا) ہستی سے یہ ایک دن اس جہان کا کام تمام ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق جسے وہ پسند ے اور جس سے وہ راضی ہو اور ان سے ان بیمار قلوب کا علاج کرے وہی ہر حال اور ہر وقت معین و مددگار ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ
اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ
دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ
اٰتٰهُمَا ج فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ
تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ
صَامِتُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ
يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنَّ
وَلِيِّىَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ
مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ وَاِخْوَانُهُمْ
يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ○ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا
اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ
وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ
دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَ یُسَبِّحُوۡنَہٗ وَ لَہٗ یَسۡجُدُوۡنَ ۞ السجدۃ

ترجمہ: وہی جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے چین پائے پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لئے پھرا کی پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیئے بچہ دے گا تو بے شک ہم شکر گذار ہوں گے پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہیئے بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے ان کے شرک سے کیا اسے شریک کرتے ہو جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو کوئی مدد پہنچا سکیں اور نہ ہی اپنی جانوں کی مدد کریں اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہ آئیں تم پر ایک سا ہے چاہے انہیں پکارو یا چپ رہو بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں تم فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور جنہیں اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد کریں اور اگر انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو نہ سنیں اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے اور اے محبوب جب تم ان کے پاس کوئی آیت نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنالی تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لئے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بولتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ هُوَ (اللہ تعالیٰ) اَلَّذِیْ وہ عظیم الشان ہے جس نے خَلَقَکُمْ تم سب کو ایک اکیلے نے پیدا فرمایا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو کسی قسم کا دخل بھی نہیں ۔

مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے ۔

حضور علیہ السلام ابوالارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام نفوس کے ابوالبشر ہیں ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابوالارواح ہیں ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِیْ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری رُوح کو پیدا فرمایا ۔

فائدہ تمام انواع کا اس نوع سے ایک منشا اور اصل ہوتا ہے جو ان تمام کے لئے بمنزلہ اب کے ہوتا ہے وہ حیوانات ہوں یا نباتات ۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام
من بمعنے جد جد افتادہ ام

ترجمہ : اگرچہ میں بظاہر آدم زادہ ہوں لیکن درحقیقت سب کا دادا اصل ہوں ۔

وَجَعَلَ اور پیدا فرمایا مِنْهَا اس نفس واحد کی جنس سے زَوْجَهَا اس کی زوجہ یعنی بی بی حوا علی نبینا و علیہا السلام یا نفس سے اس کا جسم مراد ہے ۔ چنانچہ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے بی بی حوا علی نبینا وعلیہا السلام کو پیدا فرمایا لیکن پہلا معنےٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ جنسیت ہی اصلی غرض وغایت کو واضح کرتی ہے نہ کہ جزئیت لِیَسْکُنَ تاکہ وہ سکون حاصل کرے ۔

سوال نفس مؤنث ہے اس کے لئے فعل مؤنث چاہیئے لیکن یہاں فعل مذکر کیوں ہے ؟

جواب نفس کا یہاں معنی مراد لیا گیا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی ذات اس اعتبار سے صیغہ مذکر موزوں ہے ۔

اِلَیْهَا ج اس زوج یعنی بی بی حوا علے نبینا وعلیہا السلام سے یعنی تاکہ اس سے مانوس ہوں اور اطمینان حاصل کریں جیسے ازدواجی زندگی کا تقاضا ہے ۔

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا پس جبکہ اُس نے اسے اپنے میں ڈھانپا ۔ یہاں بھی تَغَشّٰهَا کے بجائے تَغَشّٰهَا فرمایا کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کی ذات شریف مراد ہے ۔

حل لغات تَغَشّیٌ اور تغشیۃ بمعنے تغطیہ ہے جسے فارسی میں "چیزے برکسے پوشیدن" اردو میں کسی شے سے چھپانا یہاں پر جماع مراد ہے ۔ اس لئے کہ جماع کے وقت مرد عورت کو چھپا لیتا ہے کیونکہ مرد اوپر اور عورت نیچے ہوتی ہے ۔

حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِیۡفًا ہلکے سے بوجھ سے حاملہ ہوئی۔ اس لئے ابتدائی مہینوں میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا اس لئے کہ چند ماہ تک حمل نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ ما بعد کے حمل کی نسبت ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ حملاً یا مفعول مطلق ہے یا حملاً مصدر بمعنے مفعول ہے۔ یعنی حَمَلَتۡ محمولاً خفیفًا اور یہاں بھی محمول سے وہی نطفہ یا جَنِین جو پیٹ کے اندر ہوتا ہے مراد ہے۔

اس تقریر ثانی پر حملاً مفعول بہ ہوگا یہ ایسے گویا کہا گیا ہے حملت زیدًا (مثلاً) یہی معنےٰ مناسب ہے۔

فائدہ حمل اگر بالفتح ہو تو اس سے وہ جو پیٹ میں یا درخت کی چوٹی پر ہو مراد ہوتا ہے۔ اگر بالکسرہ ہو تو ہر وہ شے جو انسان یا کسی جانور کی پیٹھ پر ہو۔

فَمَرَّتۡ بِہٖ پس اسے پہلے کی طرح لئے پھرتی رہی۔ یعنی جیسے اُٹھتیں بیٹھتیں کام کرتیں فارغ بیٹھتیں اب بھی ویسے ہی تھیں۔ اس حمل سے انہیں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی فمرّت مرور سے مشتق ہے بمعنے ذہاب و معنی بمعنے چلنا مَرَّ سے نہیں جو بمعنے اختیار دو وصول کے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مر علیہ وبہ مرا ای اجتاز و تیمر مرا و مرورا ای ذھب و استمر ایک ہی طریق سے گردان ہوگی۔ استمر میں سین ہو تو اسمیں طلب تقدیری ہوگا جیسے استخرجۃ میں طلب تقدیری ہے۔

فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ پس وہ بچے کے پیٹ کے اندر بڑے ہونے کی وجہ سے جب بوجھل ہوئی دَّعَوَا اللّٰہَ تو دونوں یعنی آدم و حوا علیہما السلام نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جب انہیں اس امر نے وحشت میں ڈالا کہ نا معلوم اس کا کیا انجام ہوگا تو غمگین ہو کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و انکساری سے دعا کے طالب ہوئے۔ رَبَّھُمَا اپنے رب تعالیٰ یعنی جملہ امور کے مالک سے جو اس لائق ہے کہ صرف اس سے دعا مانگی جائے۔ یہاں پر دعا کا متعلق محذوف ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچہ عطا فرمایا تو ہم اس کے شکر گزار ہونگے۔ چنانچہ عرض کی لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا البتہ اگر تو نے ہمیں صالح بچہ عطا فرمایا۔ یہاں صالح سے یا تو اعضاً کے لحاظ سے صحیح سالم یا اس سے صالح فی الدین مراد ہے۔ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ۝ یعنی ہم ہوں گے شکر گزار لوگوں سے۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام نے دعا میں صالح کی قید کیوں لگائی اور تم نے صالح کے دو معنے کہاں سے لئے؟

جواب روزِ میثاق جب آدم علیہ السلام کو اُن کی پشت سے ذریۃ دکھائی گئی تو انہیں دیکھا کہ بعض اعضا کے لحاظ سے صحیح سلامت تھے اور بعض لنگڑے لُولے وغیرہ اور ان میں بعض متقی طبع محسوس ہوئے اور بعض غیر متقی اس لئے انہوں نے ولد صالح کی استدعا کی اور ہم نے بھی اسی روایت کے مطابق دونوں مطلب بیان کئے۔

لہ صیغہ واحد مؤنث کی بجائے جمع مؤنث کا اختراع لایا گیا۔

جب انہیں اُن کی استدعا کے مطابق صاحبزادہ صالح یعنی صحیح الاعضا اور نیک طبع عطا ہوا تو حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے نہیں تھے کہ خود وعدہ کریں اور پھر اُس کی خلاف ورزی کریں۔

فائدہ بی بی حوا علے نبینا وعلیہا السلام ایک حمل سے جڑواں لڑکا لڑکی جنتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ پانچسو بار حمل ہوا اور اُن سے مجھے ہزار بچے بچیاں پیدا ہوئیں۔

ربط حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے اب عوام اہل اسلام کو زجر و توبیخ کے طور فرمایا **فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا** بچہ عطا کیا جاتا یعنی آدم علیہ السلام کی مشرک اولاد کو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُن کی آرزو کے مطابق صحیح الاعضا اور نیک طبع ہوتا ہے۔ **جَعَلَا لَهٗ** تو اُسے مشرک ماں باپ بناتے ہیں[1] **شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا** اللہ تعالیٰ کے شریک اُسمیں جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے بایں طور کہ اپنے بچوں کے نام عبدالعزیٰ و عبد مناف وغیرہ نام رکھتے ہیں اور اس نعمت کے شکریہ میں بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فائدہ حضرت ابو مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تاویل میں یوں لکھتے ہیں کہ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہی عطا کیا جو انہوں نے طلب کیا پھر اصالۃ یا اولاد یا اسی طرح اور کی اولاد الی الاسعل تو پھر اُن کی اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت اولاد میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس تقریر پر لفظ مضاف ضمیر **هما** پہلے محذوف ہے پھر حسبِ قاعدہ نحویہ مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ پر احکام جاری کئے گئے۔ یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ آدم و حوا کی طرف شرک کی نسبت ہوتی ہے اور وہ دونوں شرک سے بری تھے۔ چنانچہ آنے والے مضمون میں صیغہ جمع اس تقریر کی تائید کرتا ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ بزرگ تر اور پاک ہے۔ **عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ۰ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے شریک بنانے سے پاک ہے اور ان کا شرک یہی تھا کہ وہ اپنے بچوں کے اسماء غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ اگر یہاں پر واقعی آدم و حوا علیہما السلام مراد ہوتے تو بجائے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے عَمَّا يُشْرِكَان ہوتا[2] **اَيُشْرِكُوْنَ** کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا** ایسی چیزوں کو جو کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور معبود کے حقوق سے ہے کہ وہ اپنے عابد [illegible] کرے۔ **وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** ۰

---

[1] یہ پہلی تاویل ہے جو آدم علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض کرنے والوں کو پیش کی جاتی ہے۔ دوسری اور بیان کرتے ہیں اس کے متعلق بہترین جوابات فقیر نے اپنی تفسیر اُویسی میں عرض کئے۔

[2] مفسرین نے یہ بھی کہا کہ آیت میں مطلقاً کسی ماں باپ کا ذکر ہے اس سے آدم و حوا مراد ہی نہیں اس طرح سے مذکورہ بالا تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔ ۱۲ والتفصیل فی تفسیر الاویسی ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

اس کا عطف مالا یخلق پر ہے اس سے اُن کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں۔ یعنی اور وہ مخلوق ہیں۔
سوال اُن کے بت تو غیر ذوی العقول تھے پھر اُن کے لئے ضمائر ذوی العقول کیوں؟
جواب یہ کفار کے اعتقاد کے مطابق ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو عقلاً تصور کرتے تھے اور اُن کے مجسمے بھی ذوالعقول کے مطابق بناتے۔[1] پہلے اُن کی خالقیت کی نفی پھر اُن کے مخلوق ہونے کا اثبات اس لئے ہے تاکہ کفار کی ہر اعتقادی گمراہی پورے طور واضح ہو جائے۔
وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ اور نہ ہی وہ اپنے پرستاروں کے لئے کوئی استطاعت رکھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی پریشانی لاحق ہو تو پھر یہ بُت اُن کی پریشانی ۔۔۔
نَصْرًا یعنی انہیں کسی قسم کی مدد کرنے کی طاقت نہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو نفع پہنچائیں یا اُن سے کوئی دُکھ درد ٹال سکیں وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝ اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں کہ جب انہیں حوادث گھیریں تو وہ ان حوادث کو دفع کر سکیں۔ مثلاً اگر کوئی اِن بتوں کو توڑنا چاہے یا اُن پر کوئی گندگی یا گوبر ڈالے تو اسے کسی طریقے سے اپنے سے دفع نہیں کر سکتے۔
اعجوبہ حدادی نے فرمایا کہ مشرکین اپنے بتوں کے منہ پر شہد اور خوشبوئیں مل لیتے تو مکھیاں اُن پر جمع ہو جاتیں تو وہ بت اپنے سے مکھیوں کو نہ ہٹا سکتے۔ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ اور اگر تم اے مشرکو انہیں بلاؤ إِلَى الْهُدَىٰ ہدایت کی طرف یعنی اس لئے بلاؤ کہ وہ تمہیں ہدایت دیں یا تمہارے مقاصد پورے کریں۔
لَا يَتَّبِعُوكُمْ تو وہ تمہاری اتباع نہیں کریں گے یعنی وہ تمہاری مُراد پوری نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ سوالات کا جواب دیں گے جیسے اللہ تعالیٰ تمہارے سوال کا جواب دیتا ہے۔ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ اے مشرکو تمہارے لئے برابر معاملہ ہے کہ أَدَعَوْتُمُوهُمْ ان بتوں کو تم بلاؤ۔ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝ یا چپ رہو یعنی نہ تمہیں ان کو بلانے میں فائدہ ہے اور نہ ہی چپ رہنے میں۔ نہ وہ تمہارے حال کو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ تم اُن کے حال کو بدل سکتے ہو اس لئے کہ وہ جماد محض ہیں۔
سوال ام صامتون کیوں کہا؟
جواب آیات کے قوافی کی رعایت پر ایسے کیا گیا ہے۔
إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ بے شک وہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہو اور ان کا معبود نام رکھتے ہو عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ وہ تمہارے جیسے بندے ہیں یعنی وہ بھی تمہاری طرح اللہ کے مملوک

---

[1] یہی جواب وہابی دیوبندی۔ نجدی۔ فرقوں کو دیا جائے جبکہ وہ اِن آیات کو انبیاؑ و اولیاؒ پر چسپاں کر کے مذکورہ بالا سوال کرتے ہیں۔

اور اُسی کے حکم کے پابند ہیں بلکہ نفع و نقصان پہنچانے سے عاجز ہیں۔
سوال بتوں کو عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ کیوں کہا؟
جواب اس لئے کہ انہوں نے اپنے معبودوں کی صورتیں انسان کی شکلوں میں بنا رکھی تھیں۔
فَادْعُوْهُمْ پس انہیں حصول نفع اور دفع نقصان کے لئے پکارو۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ پس چاہیئے وہ تمہیں جواب دیں صیغے امر کے تعجیزاً استعمال ہوئے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو اپنے گمان میں کہ جن اُمور میں تم عاجز ہو وہ ان پر قادر ہیں۔ اَلَهُمْ کیا ان بتوں کے لئے اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ کے پاؤں ہیں کہ وہ جن پر چلتے ہوں۔ یعنی اُن کے پاؤں ہیں کہ وہ چل کر تمہارے سوالات کا جواب دیں۔ اس لئے کہ استجابت اس کے لئے متصور ہو سکتی ہے جس کے اندر حیاۃ کا محرک یا قوی کا محرک ہو اور اس کے قوی مُدرک ہوں جس میں اُن امور میں سے کوئی شے بھی نہ ہو تو وہ کسی کام کا نہیں چلنے کی وصف سے ہی نہیں۔
اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ کیا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یہ ام منقطعہ ہے بل اور ہمزہ مقدر ہے اور البطش بمعنے قوت سے پکڑنا۔ اب معنے یہ ہوا کہ کیا اُن کے ہاتھ میں جن سے اپنی ہر ارادہ کردہ شے کو پکڑتے ہیں۔ بل اضراب کے لئے ہے یعنی فن تبکیت کی تکمیل کے بعد دوسرے فن کی طرف منتقل ہونا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا اُن کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں کہ جن سے سنتے ہیں۔ مشی (چلنے) کو مقدم کیا اس لئے کہ وہ اُن کی اپنی حالت ہے اور بطش (پکڑنا) ان کا کام ہے لیکن دوسرے سے متعلق ہو کر مشی کو نہ صرف اس لئے بلکہ تمام افعال پر مقدم کیا گیا ہے۔
سوال مشی کے علاوہ باقی تمام افعال برابر ہیں تو پھر بطش کو باقی سب پر مقدم کرنے کی کیا وجہ؟
جواب چونکہ پاؤں سے ہاتھوں کو مناسب ہے اس وجہ سے مشی کے بعد بطش کا ذکر کیا گیا ہے۔
سوال بطش کے بعد اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ کے لانے کی کیا وجہ ہے؟
جواب آنکھیں بہ نسبت کانوں کے زیادہ مشہور ہیں تعین اور اثر کے لحاظ سے بھی یہی زیادہ ظاہر ہیں۔
ربط کفار حضور علیہ السلام کو اپنے معبودان باطلہ سے بار بار ڈراتے تھے چنانچہ کہتے نخاف اَنْ يُّصِيبكم لبعض اٰلهتنا بسُوْءٍ اُن کے جواب میں فرمایا۔ قُلِ ادْعُوْا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے اے مشرکو بلایئے شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو اور میری عداوت میں اُن سے مدد مانگئے ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ پس مجھے گھڑی بھر مہلت نہ دو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی کافی ہے ؎

اگر ہر دو جہانم خصم گردند
نترسم چو نگہبانم تو باشی

ترجمہ: اگرچہ دونوں جہان والے میرے دشمن ہو جائیں مجھے کوئی خوف نہیں جب تو میرا نگہبان ہو۔

اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بے شک میرا نگہبان اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ ان سے لاپرواہی کے اظہار کی علت بتائی گئی ہے۔

سوال لاپرواہی کی تصریح نہیں ہے پھر اس کی علت کے اظہار کا کیا معنےٰ ؟

جواب اگرچہ تصریح نہیں ہے لیکن کلام سابق سے واضح طور مفہوم ہوتا ہے۔

فائدہ ولی میں تین یائیں ہیں یا اُولیٰ فعیل کی ہے اور وہ ساکن ہے اور دوسری یا فعل کی لام کے وزن کی ہے اور یہ مکسورہ ہے اور پہلی یا ساکن اور دوسری یا مکسورہ میں مدغم ہوئی ہے اور تیسری یا اضافت کی ہے اور وہ مفتوح ہے یہاں پر ولی بمعنے ناصر و حافظ ۔ جو یا متکلم کی طرف مضاف ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ بے شک وہ جو میری نصرت و حفاظت کا متولی ہے وہی قرآن پاک نازل کرکے اور وحی بھیج کر میری عزت کرے گا۔ اور کتاب کی وحی رسالت کو متلزم ہے۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور وہ نیک بخت لوگوں کا متولی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا متولی اور اُن کی مدد کرتا ہے اور انہیں شرمسار نہیں کرتا اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان تو بلند و بالا ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ اور جنہیں تم پکارتے ہو اے بت کے پجاریو مِنْ دُوْنِهٖ اللہ کے غیروں کو اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی دُملے سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔

سوال اس آیت کا دوبارہ ذکر کیوں ؟

جواب تکرار نہیں بلکہ پہلے بُت کے پجاریوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور اب لاپرواہی کی تعلیل کی تکمیل ہے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وہ تمہاری مدد کرنے میں کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتے ۔ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اور اگر تم ان بتوں کو بلاؤ اِلَى الْهُدٰى ہدایت کی طرف ۔ یعنی اگر تم انہیں بلاؤ کہ وہ مقاصد کے حصول کے لئے تمہاری مدد کریں۔ لَا يَسْمَعُوْا تو وہ تمہاری دعوت کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ وہ تمہاری موافقت کریں یا مدد کریں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد بعض لوگ اس مضمون کو اولیاء کرام و انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط فہمی ہے اس لئے کہ انبیاء و اولیاء کی توجہ روحانیت کا انکار جہالت ہے اس لئے کہ یہ حضرات بھی اگرچہ مخلوق ہیں لیکن اُن سے مدد مانگنا اور انہیں بارگاہِ حق کا وسیلہ بنانا اور اُن کی طرف منسوب ہونا (قادری چشتی ۔ اُویسی ۔ نقشبندی ۔ سہروردی) اس لحاظ سے ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے مظاہر اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے مراکز اور اس کے کمالات کا عکس اور ظاہری و باطنی اُمور کے سفارشی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بہت بڑے کمالات و مناقب کے مالک ہیں اور یہ شرک نہیں بلکہ عین توحید بلکہ مطالع انوار کا مطالعہ اور مکاشف اسرار کا مصحف ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ، اہلِ دل (اولیا) کی موت کے بعد ان کی امداد سے نا اُمید نہ ہو اس لئے کہ مردانِ خدا کی نیند (موت) عین بیداری (حیات) ہے۔

وَتَرٰهُمْ اور تم انہیں دیکھتے ہو۔ یہاں رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور یہ خطاب تمام مشرکین کو ہے یعنی اسے دیکھنے والو تم ان بتوں کو آنکھوں سے دیکھتے ہو یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وہ تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں الخ یہ تراہم کے مفعول کا حال ہے۔ یعنی وہ دیکھنے والوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ظاہری طور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس لئے کہ بُت پرست اپنے بتوں کی آنکھیں جواہر و روشن موتی سے تیار کرتے تھے اور ان کی آنکھوں کی صورت ایسے طور تیار کی گئی تھیں کہ گویا وہ کسی کو دیکھ رہے ہیں وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ہ حالانکہ وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ ینظرون کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ دیکھنے کے عجز کا بیان کیا گیا۔

فائدہ بعض کے نزدیک صیغہ خطاب سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ھُم کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں اس تقریر پر لا یَسْمَعُوْا تک سابقہ مضمون کی علت ختم ہو گئی۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ تو رہے ہیں لیکن وہ آپ کو دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

فائدہ اے محبوب مدنی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اُن سے غائب ہیں۔ صرف ظاہری طور اگر توحید کا اقرار کر لیں اور آپ کی رسالت کو مان جائیں تو اُن کے لئے فائدہ ہے۔

انگشتری سلیمان علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی منقول ہے کہ حضرت سلیمان کی انگشتری میں سطر اوّل پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سطر ثانی پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سطر ثالث پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا تھا۔ جب وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کی انگلی میں ڈالی گئی تو تمام ہمنشین آپ کو دیکھنے سے عاجز ہو گئے اس لئے کہ اسم گرامی کی نورانی چمک سے آنکھوں کی نگاہ خیرہ ہو گئیں۔ عجز و نیاز سے سب نے عرض کی کہ ہمیں آپ کی زیارت سے محرومی کیوں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پڑھو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس مبارک کلمہ کو پڑھا تو پھر اُن کی آنکھیں نور سے روشن ہو گئیں۔

نکتہ پہلے نہ دیکھنے کی وہی وجہ تھی کہ اُن پر حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کی ہیبت چھا گئی۔ جب آپ کا کلمہ توحید پڑھا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی زیارت کی استعداد اور قدرت نصیب ہوئی۔

حکایت حضرت سلطان محمود غزنوی) رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عارفِ ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی زیارت کے

حاضر ہوئے۔ بادشاہ تھوڑی دیر بیٹھا۔ شیخ سے پوچھا کہ حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بایزید بسطامی قدس سرہٗ وہ کامل تھے کہ جسے اُن کی زیارت نصیب ہوئی وہ نہ صرف ہدایت پا گیا بلکہ واصل باللہ ہوگیا۔ سلطان محمود نے کہا یہ جواب بظاہر صحیح نہیں اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابوجہل نے بارہا دیکھا لیکن اُسے ہدایت نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی اپنی بدبختی سے نجات پا سکا۔ شیخ نے فرمایا ابوجہل نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اُس نے اس عقیدہ سے دیکھا کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں اگر وہ آپ کو رسولِ خدا کی حیثیت سے دیکھتا تو بدبختی سے نکل کر سعادت ابدی میں داخل ہو جاتا اُس کی دلیل یہی آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ه (وہ تمہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن وہ حقیقت میں کچھ نہیں دیکھ رہے)۔

سبق صرف ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے سعادت نصیب نہیں ہوتی بلکہ قلب اور سر کی آنکھ سے دیکھنے سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے اور بایزید کو بھی اس قلب و سر کی آنکھ سے دیکھنے والا اسعادتمند ہو جاتا ہے ورنہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے وہ مرتبہ نہ ملتا۔ ~

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باشد
کہ ایں چشمیکہ من دارم جمالت را نمی شاید

ترجمہ: تیرے دیدار کے لئے تو مجھے دوسری نگاہ چاہیئے کیونکہ یہ آنکھ جو مجھے حاصل ہے تیرے جمال کے دیدار کے لائق نہیں۔

حدیث شریف مُبارک ہو اُسے جو مجھے دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے (کذا فی الرسالہ العلیۃ)۔ ~

(۱) گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر و لمن وجہی رآی

(۲) چوں چراغے نور شمع را کشید
ہر کہ دید آنرا یقین آں شمع دید

(۳) ہمچنیں قاصد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

(۴) خواہ نور از واپسیں لبتان بجاں
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع داں

ترجمہ: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور جس نے میرا چہرہ دیکھا اسے بھی۔
(۲) جب چراغ نے شمع کا نور حاصل کیا جس نے چراغ دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا۔
(۳) اسی طرح ہزاروں چراغ جلاتے جاؤ بالآخر دیکھنا اسی اصل کا ہوگا۔
(۴) خواہ آخری چراغ کو دیکھو خواہ شمع کو اسمیں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی وہی زیارت مفید ہوسکتی ہے جو قلبی بصیرت سے ہو خواہ وہ بیداری میں ہو یا خواب میں۔

فائدہ یہی تقریر حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی "مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ" میں جاری ہوگی یعنی بیداری میں زیارت نصیب ہو یا خواب میں تو دیکھنے والا الیقین رکھے کہ اس نے واقعی رسول حق کی زیارت کی۔

فائدہ بعض نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد یہ عقیدہ ضروری ہے کہ واقعی یہ خواب سچا ہے اسمیں یہ تصور بھی نہ ہو کہ ممکن ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے (معاذ اللہ)۔

فائدہ شیخ اکمل نے شرح المشارق میں لکھا ہے حدیث میں لفظ حق سے مراد یہ ہے کہ رؤیا میں جو کچھ فرشتہ دکھاتا ہے وہ حق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خواب پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو خواب دیکھنے والے کے دل پر حکمت اور مثالی طور صورتیں القا کرتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو تمام اولادِ آدم کے قصے بتا دیا ہے یعنی لوح محفوظ کا مطالعہ اس کے لئے عام ہوتا ہے وہ اس کا واقعہ دیکھ کر اس کی مثالی صورت تیار کر کے خواب والے کے دل پر القا کرتا ہے۔ جب نیند کرنے والا نیند کرتا ہے تو اس کے دل پر وہ اشیاء مثالی صورتیں بن کر سامنے آجاتی ہیں تا کہ اس بندے کو یا خوشخبری نصیب ہو یا اسے ڈرانے کے طور پیش کیا جائے یا اسے جھڑک دی جاتی ہے تاکہ سابقہ لوگوں کی اس مثالی صورتوں سے عبرت حاصل کرے۔

مسئلہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے کہ خواب یا بیداری میں شیطان انکی صورت میں آسکے تاکہ حق و باطل میں اشتباہ نہ ہو۔

شیطان اولیاء کرام کی صورت میں نہیں آسکتا

فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے قطبِ وجود کی صورت میں شیطان نہیں آسکتا اس لئے کہ وہ نبی علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور آپ کی صورت وسیرت

کا نمونہ ہوتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ قیل و قال کو چھوڑ کر اور فضول باتیں ترک کر کے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے باکمال لوگوں کا مرتبہ نصیب فرمائے اور شیطان کے مکر و فریب سے نجات عطا فرمائے اس کے بعد وہی ہادی اور مہدی ہو جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں لکھا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں رویت حق کی طرف ہدایت عطا فرما اور اشیائے کے حقوق دکھا اور ہمیں مناہی و ملاہی میں مشغول ہونے سے نجات عنایت فرما اس لئے کہ تو ہر قسم کے بندوں کے لئے سخی ہے۔ تجھ سے مبدأ اور تیری طرف معاد ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ

شان نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ خُذِ الْعَفْوَ کا کیا معنیٰ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی مجھے اس کا علم نہیں۔ مہلت دیجئے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لوں آپ نے اجازت دی جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایئے کہ جو محروم کرے اسے دینا اور جو جدائی ڈالے اُس کے ساتھ ملنا ملانا اور جو ظلم کرے اسے معاف کرنا اور جو بُرائی کرے اس کے ساتھ احسان کرنا یہی ہے عفو پر عمل کرنا ؂

ہر کہ زہرت دہد بدو دہ قند
وآنکہ از تو برد بدو پیوند

ترجمہ: وہ جو تجھے زہر کھلائے تو اُسے کھانڈ کھلا وہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے تعلق جوڑ۔

فائدہ عفو اللہ تعالیٰ کے صفات سے ہے۔

حدیث شریف حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا تعارف کرائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن کریم نہیں پڑھا۔ میں نے کہا پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا حضور علیہ السلام کا خلق قرآن ہے۔ یعنی آپ کو تمام عادات و اخلاق قرآن سے سکھائے گئے کما قال خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اور فرمایا وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ اور فرمایا فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ وغیرہ وغیرہ یعنی وہ آیات جو حضور علیہ السلام کے عادات و اخلاق پر دلالت کرتی ہیں۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ اور بہت اچھے اور بہتر افعال و اخلاق کا حکم دیجئے۔ اس لئے کہ لوگ ایسی باتوں کو بلا تکلّف جلد تر قبول کرتے ہیں۔

فائدہ تفسیر نیسیر میں ہے کہ اہل تصوّف فرماتے ہیں کہ تقویٰ۔ صلہ رحمی جھوٹ وغیرہ سے زبان کو بچانا اور محارم سے

آنکھیں بند رکھنا اور گناہوں سے اعضا کو روکنا وغیرہ وغیرہ کو عُرف کہا جاتا ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ اور جاہلوں سے درگذر فرمائیے۔ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ اور سفاہت کا بدلہ سفاہت نہ دیجئے اور نہ ہی اُن سے جھگڑا کیجئے اور ان کی تکلیف دہی پر حوصلہ کیجئے اور جتنا پریشان کن باتیں کریں اُن سے چشم پوشی کیجئے۔

فائدہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جب نصیحت فرماتے تو کفار و جہال آپ کے ساتھ سفاہت کا مظاہرہ کرتے بار بار ایذا و تکلیف پہنچاتے بلکہ ایذا پر دینے پر کمربستہ رہتے۔ آپ کی باتوں پر ہنسی مذاق کرتے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی باتوں پر حوصلہ اور درگذر فرمانے کی تلقین فرمائی۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ عوام کے ساتھ معاملات میں درگذر حوصلہ اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے فحش سرزد نہیں ہوتے اور نہ ہی آپ فحش باتوں کے عادی تھے اور نہ ہی بازار میں بیٹھ کر یاوہ گوئی کی۔ اور نہ ہی آپ برائی کا بدلہ بُرائی سے لیتے۔ بلکہ معاف کرنا اور غلطی سے درگذر فرمانا آپ کا شیوہ تھا (کذا فی الحواشی)۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب یہی آیت اُتری تو حضور علیہ السلام نے عرض کی یارب یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ غصہ انسانی فطرت ہے پھر یہ حکم نازل ہوا کہ

وَاِمَّا یہ دو کلمے ہیں اِن شرطیہ اور ما زائدہ ہے يَنْزَغَنَّكَ نزع ونخس۔ غرز کا ایک معنیٰ ہے مثلاً کہا جاتا ہے نزغہ ای طعن فیہ و نزع بینھم ای افسد و غری وسوس اور کہا جاتا ہے نخس الدابۃ ای غرز ای مؤخرای جنبہا العود ونحوہ۔

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ یعنی اگر شیطان میں سے فساد ڈالنے والا فساد ڈالے۔ نزغ بمعنے نازغ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل ای عدل۔ یہاں پر شیطان کا وسوسہ مُراد ہے اور وسوسہ کو انسان سے تشبیہ دی ہے اس لئے کہ جیسے انسان لکڑی سے شے کو ہانک کر اپنے مقصد کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو گناہوں پر اُبھارتا ہے یعنی شیطان کی طرف کوئی ایسا وسوسہ تمہیں اپنے فعل پر برانگیختہ کرے جو آپ کو امرِ الٰہی کے خلاف کرنا پڑے مثلاً کسی معاملہ میں بلاوجہ غصہ طاری ہوجائے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگئے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی شیطان کے شر کی پناہ مانگئے اِنَّهٗ سَمِيْعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ سمیع ہے جس طرح کی پناہ کا عرض کرو گے وہ سُننے گا عَلِيْمٌ اور جو معروضات دل سے کرو گے اُسے جانیگا اُسے زبان پر لاؤ یا نہ لاؤ۔ اس سے التجا کی جائے تو بالضرور شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے گا۔

نکتہ اس مضمون کو سمیع و علیم دونوں صفات پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ استعاذہ کو اگرچہ زبان سے

واسطہ ہے لیکن جب تک اس کا معنٰی دل پر مستحضر نہ ہو وہ غیر مفید ہوتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہارے دل کے ارادوں کو جانتا ہے۔

فائدہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے حقیقی شیطان مراد ہے یا ہمزاد۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے حق میں ہمارا ہمزاد مراد ہے کما قال تعالٰے وَمَنْ یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہٗ شیطانا فھولہ قرین اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ابلیس مراد ہوگا۔ لیکن آپ پر اُس کا کسی قسم کا حملہ نہیں ہو سکتا اور انسان میں بھی وسوسہ کا سبب پہلے وہی ہمزاد بنتا ہے اور دانا تو صرف اس سے پناہ مانگتا ہے جو اُسے نقصان پہنچائے اور حضور علیہ السلام کے لئے ہم نے ہمزاد کے بجائے ابلیس کا اس لئے کہا کہ حضور علیہ السلام کا ہمزاد آپ پر ایمان لاچکا ہے اس لئے آپ اُس کے غیر سے پناہ مانگیں گے اور غیر سوائے ابلیس کے اور کون ہو سکتا ہے یا شیاطین میں سے کوئی بڑا شیطان مُراد ہے۔

شیطان کا تخت مروی ہے کہ ابلیس شیطٰن کا بحرِ اخضر میں تخت لگا رہتا ہے اس کے اِرد گرد شیاطین کھڑے رہتے ہیں جو سب سے زیادہ شریر ہوتا ہے وہی ابلیس کے قریب تر ہوتا ہے ہر ایک کی کارروائی روزانہ خود دیکھتا سنتا ہے اور خود سوائے بڑی شرارتوں کے اور کہیں نہیں جاتا اور چونکہ حضور علیہ السلام کا مقابلہ اُس کے ذریات کے بس کا نہیں اس لئے ان کے لئے خود شرارت کرتا ہے اگرچہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

حضور علیہ السلام اور ابلیس کے مقابلہ کی داستان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس نے ایک نار کا شعلہ لے کر میرے منہ میں دینا چاہا میں نے تین بار پڑھا اعوذ اللہ مِنْكَ پھر میں نے کہا تجھ پر اللہ تعالیٰ کی کامل لعنت ہو یہ بھی تین بار کہا لیکن وہ باز نہ آیا۔ پھر میں نے اسے پکڑ لینے کا ارادہ کیا بخدا اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا نہ ہوتی تو میں اُسے باندھ دیتا۔ صبح کو مدینہ طیبہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اس سے کھیلتے۔

فائدہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا سے یہ کلمات مراد ہیں رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا ینبغی لاحد مِنْ بعدی اے اللہ مجھے بخش اور مجھے وہ ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ اس لئے آپ نے شیطان کو نہ باندھا کہ اس طرح کا ظاہری قبضہ سلیمان علیہ السلام سے مخصوص تھا اگرچہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے اختیار کامل حاصل تھا۔

سوال آپ کی ولادت مبارکہ کی برکت سے تو شیاطین آسمان کے اوپر جانے سے روک دیئے گئے لیکن حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے سے رُکاوٹ نہ تھی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب الزامی بہت سے اُمور کسی شئے کی وجہ سے روکے جاتے ہیں لیکن خود مین سے انہیں رکاوٹ نہیں ہوتی۔

مثلاً رات دن کو روکتی ہے اور دن رات کو لیکن ان دونوں میں نور وظلمت کی رکاوٹ نہیں دن میں ظلمت ہوتی ہے تورات میں بھی نور (روشنی) ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیا الموتیٰ کی قدرت تھی لیکن انہیں موت وارد ہوگی۔

جواب تحقیقی جب شیاطین کو حضور علیہ السلام کی وجہ سے آسمان سے رُکاوٹ ہوئی تو انہیں گمان ہوا کہ حضور علیہ السلام سے بھی ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ میرے محبوب علیہ السلام پر بھی تمہیں تسلط کی اجازت ہے لیکن اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے شر و فساد سے معصوم فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت تو ہے لیکن مقابلہ کی ہمت نہیں۔

فائدہ نیشاپوری نے فرمایا کہ شیطان کو حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت اس لئے تھی تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ سب پر قادر و غالب ہے اُس کے غیر مقہور بھی ہیں اور غیر معصوم بھی۔ ہاں جسے اپنے فضل و کرم سے معصوم ومحفوظ فرمائے۔

جواب ۳ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یَنْزَغَنَّكَ کا خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی اُمّت مراد ہے[1] تاکہ استعاذہ کی مشروعیّت ہو۔

صوفیانہ جواب فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے آخری جواب کی تائید اولیا کرام کے اقوال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حکایات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت ابو سفیان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ آسان شیطان ہے کہ میں اُسے جیسے چاہوں قابو کرسکتا ہوں اگر مجھے اُس سے استعاذہ کا حکم ربانی نہ ہوتا تو میں اس سے کبھی استعاذہ نہ کرتا۔

(۲) کسی کامل ولی اللہ سے سوال ہوا کہ آپ شیطان کے مقابلہ کے وقت کیا کرتے ہیں انہوں نے فرمایا[2] شیطان کون ہے ہم نے جب سے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہے اس وقت سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی خبر نہیں۔

سبق جب یہ کوائف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیائے اُمّت کے ہیں تو پھر حضور علیہ السلام

---

[1] اس طرح عموماً آیات میں ہے اس کی توجیہات فقیر کی کتاب "احسن البیان فی مقدمۃ تفسیر القرآن" میں ہیں۔ اُویسی غفرلہٗ

[2] اسی طرح کا واقعہ بی بی رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی منقول ہے کذا قال سیدی شاہ مہر علی گولڑوی ملفوظاتہٗ۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

کی شان اقدس کا کیا کہنا۔

جواب۵ آیت میں حرف شرط (اِن) یعنی اِمّا کہ دراصل اِنْ مَا تھا اور حرف شرط میں یقین نہیں بلکہ شک ہوتا ہے جب معاملہ شک میں ہے تو پھر اعتراض کیسا۔

روحانی چٹکلہ غضب و غصّہ کے وقت شیطان کی حرکتیں شامل ہوتی ہیں اگر اس وقت اعوذ باللہ الخ وغیرہ پڑھی جائے تو غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

روایت و حکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی سے جھگڑ رہا ہے غصہ سے سُرخ و پیلہ ہوا کھڑا تھا اور غضب سے رگیں پھولی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

غصّہ اتارنے کا بہترین نسخہ حدیث شریف میں ہے کہ غضب و غصّہ آگ سے ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے جب تم میں کسی کو غصہ و غضب ہو تو وضو کر لیا کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

① چوز خشم آتش تو در دلہا زدی
مایہ نارِ جہنم آمدی

② آتشت اینجا چو آدم سوز بود
آنچہ ازوے زادِ مرد افروز بود

③ آتشِ تو قصد مردم مے کند
نار کزوے زاد بر مردم زند

④ آں سخنہائے چو مار و کژدم دست
مار و کژدم گشت و میگرد دوست

⑤ خشم تو تخم سعیرِ دوزخست
ہیں بکش ایں دوزخت راکیں فخنت

ترجمہ ① جب تو اپنے غصّے کی آگ لوگوں پر مارتا ہے تو سمجھ لے کہ تو جہنم کا سرمایہ لے آیا ہے۔
② تیری آگ آج آدم سوز ہے لیکن اس کا جو نتیجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ مرد افروز ہے۔
③ تیری آگ لوگوں کے ارادہ کے لئے ہے اس سے جو آگ پیدا ہوگی وہ لوگوں پر لگتی ہے۔

④ ایسے سخن سانپ اور اژدہا ہیں۔ سانپ و اژدہا ہوکر تیرا خون بنیں گے۔
⑤ تیرا غصہ تو دوزخ کا بیج ہے اس دوزخ کو آج بجھا دے کہ ایک معمولی انگارہ ہے۔

حدیث شریف واعجوبہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شیطان کی اولاد بڑھے اور اُس کی زوجہ پیدا کرنی چاہی تو ابلیس پر غضب طاری فرمادیا اس سے آگ کا ایک شعلہ بھڑک اُٹھا اس شعلہ سے شیطان کی عورت پیدا فرمائی (کذا فی جنۃ العیون)۔

تفسیر صوفیانہ خُذِ الْعَفْوَ یعنی اللہ تعالیٰ کی عادات پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے عادات وصفات سے عفو بھی ہے وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یہاں عرف بمعنے معروف یعنی نیکی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طلب مُراد ہے اور عارفین کی نیکی طلبِ حق تعالیٰ ہے وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ہ اور ہر وہ شے جو تمہیں غیر اللہ کی طرف بلائے اور ہر وہ شخص جو غیر اللہ تعالیٰ کی دعوت دے اس سے روگردانی کیجئے اس لئے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہی جاہل ہے اور جاہل اللہ تعالیٰ کی طلب کرتا ہی نہیں۔ ہاں عالم اللہ تعالیٰ کو جانتا اور طلب کرتا ہے وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ نزغ اور اگر تمہیں اللہ کی طلب میں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے پہنچے تو فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ تو غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے۔ یعنی اس کی طرف جائیے اور غیر اللہ کو بالکل ترک کر دیجئے إِنَّهُ سَمِيعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہاری دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ عَلِيمٌ ان چیزوں کو جانتا ہے جو نفع و نقصان پہنچائیں۔ پس تمہارے سے وہ باتیں سننا چاہتا ہے جو تمہیں نفع دیں نہ کہ جو تمہیں نقصان پہنچائیں۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا بے شک وہ لوگ جو اپنے نفسوں کو ان اُمور سے بچاتے ہیں موصوف ہیں جو انہیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ جبکہ شیطان سے انہیں معمولی وسوسہ پہنچتا ہے "طائف" طاف یطوف کا فاعل ہے بمعنے کسی شئے کے ارد گرد گھومنا اور شیطان کا وسوسہ چونکہ انسان کے خیالات کو اِدھر اُدھر کی مار کر اپنے ہمخیال بنانے کی جدوجہد کرتا ہے بنا بریں اسے طائف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا طائف طاف بہ الخیال یطیف طیفاً سے ہے بمعنے نازل ہونا اور طائف بمعنے نازل ہونے والا صحاح (لغت کی کتاب) میں ہے "طیف الخیال" یعنی وہ خیال جو خواب میں آتا ہے اور شیطان کی کارروائی بھی اسی طرح کی ہوتی ہے اور خیال تخیل کا اسم ہے اور اصطلاح میں صورت کا قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہونا۔ کبھی اس کا اطلاق اُس صورت تسمیہ پر بھی ہوتا ہے جو قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہوتی ہے اور اس کا طائف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورۃ متخیلہ میں مرتسم ہوئی۔
تَذَكَّرُوا مامور بہا و منہی عنہ کو یاد کرتے ہیں مولانا ابو سعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے اور اس پر توکل کرتے۔ فَإِذَا هُمْ پس اس وقت یعنی اس تذکر کی وجہ سے۔ مُّبْصِرُونَ ہ خطا کے

مقامات اور شیاطین کے مکر و فریب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ ان سے بچ کر شیاطین کی اتباع نہیں کرتے۔

وَاِخْوَانُهُمْ اور شیاطین کے بھائی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو گمراہی میں منہمک اور فضول کو جیز بن نقصان پہنچاتی ہیں ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس معنے پر اخوانہم کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اگرچہ شیطان واحد ہے لیکن باعتبار جنسیت کے اس میں جمع کا معنے پایا جاتا ہے بنا بریں اس کے لئے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ انہیں گمراہی کی طرف دھکیلتے ہیں یعنی گمراہی میں شیاطین اُن کی مدد کرتے ہیں کہ گمراہ کن باتوں کو مزین کر کے اُن کے سامنے لاتے ہیں۔ پھر انہیں گمراہی اور ضلالت کی طرف اُبھارتے ہیں۔

ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝ پھر وہ اسمیں کوتاہی نہیں کرتے۔ یعنی شیاطین ایسے لوگوں کے گمراہ کرنے میں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ انہیں کامل طور پر گمراہی کا خوگر بنا دیتے ہیں۔

حکایت کسی اللہ والے نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت کا معائنہ کرائے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی بلوری صورت انسانی شکل میں دکھائی اور نقشہ میں دو کاندھوں کے درمیان گھونسلے کی طرح ایک سیاہ تل دکھایا گیا اُس صورت میں شیطان بنام خناس نے اندر گھس کر ہر جانب کو سونگھا۔ اس خناس کی صورت خنزیر کی دکھائی گئی جس کی سونڈ ہاتھی کی طرح تھی۔ اس شیطان خناس نے آتے ہی کاندھوں کے درمیان اپنی سونڈ کو بندے کے قلب کی طرف بڑھایا اور وسوسہ ڈالنے لگا لیکن جب بندے نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو وہ شیطان پیچھے ہٹ گیا اس لئے اس کا نام خناس رکھا گیا اس لئے کہ اسے جب ذکر الٰہی کا نور محسوس ہوتا ہے تو وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہے۔

نکتہ یہی راز ہے دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگوانے میں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لگوائے اور تمام اُمت کو اس کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے اُس کی وصیت فرمائی ہے وہ اس لئے کہ شیطان کے گھسنے کا مادہ کمزور پڑ جائے بلکہ اُس کے اندر داخل ہونے کی راہیں کٹ جائیں کیونکہ اس کا وسوسہ انسان میں ایسے دوڑتا ہے جیسے انسان کے رگ و ریشہ میں خون دوڑتا ہے۔

نکتہ یہی حکمت ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کے درمیان میں مہر نبوت پیدا کرنے میں کہ لوگوں کو یقین ہو کہ اس کا محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے وسوسہ سے معصوم و مامون ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مہر نبوت کی برکت سے اپنے شیطان پر غلبہ دیا بلکہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

یہ حضور علیہ السلام کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف انہیں یہ شرف بخشا ہے اور کلی عصمت عطا فرمائی کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان آپ سے مغلوب ہو کر آپ پر ایمان لایا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا شیطان مسلمان نہ ہوا۔ بنا بریں وہ آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈال کر کامیاب ہو گیا۔

فائدہ دل میں دو طرح کے القا ہوتے ہیں۔
① رحمانی
② شیطانی
رحمانی القا فرشتہ ڈالتا ہے۔ اور شیطانی شیطان۔ رحمانی القا کی علامت یہی ہے کہ وہ خیر کی باتیں القا کرتا ہے جس سے انسان کو عبادت کی رغبت نصیب ہوتی ہے اور وہ بُرے انجام کی آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور غیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جلد سے جلد منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ اسے حق تعالیٰ کی طرف توجہ تام نصیب ہوتی ہے اور اُسے ہر عبادت میں روحانی لذت محسوس ہوتی ہے اسے القائے ملکی کہا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ القائے شیطانی ہوتا ہے

فائدہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ کبھی شیطان اچھی باتیں دکھا کر بُرائی کرا لیتا ہے۔

ضابطۂ صوفیانہ تمام اولیائے کرام کا اتفاق ہے کہ جس کا قوت (روزی) یعنی خورد و نوش اور لباس وغیرہ حرام سے ہو وہ القائے ملکی اور شیطانی میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جسے اپنی روزی کی حلت و حرمت کا علم نہ ہو وہ بھی حق و باطل کی امتیاز نہیں کر سکتا۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

① طفلِ جاں از شیرِ شیطاں باز کن
بعد از آنش با ملک انباز کن

② تا تو تارک و ملول و تیرۂ
دانکہ با دیو لعین ہمشیرۂ

③ لقمہ کو نور افزود و جمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال

④ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا دان حرام

⑤ زاید از لقمہ حلال اندر دہاں
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: ① جان کے طفل کا دودھ شیطان سے چھڑا لے اس کے بعد اسے فرشتے کا شریک بنا۔
② جبتک تو خود تارک غافل ڈھیلا ہے یقین کر تو شیطان کا دودھ پیتا بھائی ہے۔
③ وہ لُقمہ جو نور و جمال کو بڑھاتا ہے وہ ہے جو حلال کی کمائی سے ہو۔
④ جب لُقمہ سے حسد اور جہل اور غفلت میں اضافہ ہو سمجھ لے حرام کا ہے۔

⑤ حلال لقمہ کی نشانی یہ ہے کہ اس سے خدمت (عبادت) کا جذبہ اور اس جہاں (آخرت) کی طرف میلان ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ ہمارے شیخ کامل قدس سرہٗ نے (کتاب الائمات البرقیات) میں لکھتے ہیں کہ وہ فرشتہ جو اللہ والوں کے لئے مقرر ہے وہ اللہ والوں کے دلوں پر ہمیشہ حق کا القا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب انہیں شیطانی وسوسہ دل میں آتا ہے تب وہ فرشتہ بتاتا ہے کہ یہ وسوسۂ شیطانی ہے اس لئے ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنے اور حق کے مشاہدات ہر وقت کرتے رہتے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہے ان پر شیطان مسلط ہوتا ہے ۔ نہ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ سکتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ شان رحمانی سے حق و باطل کا امتیاز ہو جاتا ہے اور شان شیطانی سے حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا یہی راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہادی و مہدی اور شیطان کے بندے گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں ۔ ارادۂ اولیٰ بعینہٖ ہدایت کا نام اور ارادۂ ثانیہ اضلال ہے اور یاد رہے کہ جیسے ہدایت اھتدا کو مستلزم ہے ایسے ہی اضلال ضلال کو ۔

دوسری تقریر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا سے اہل دل مراد ہیں ۔ اس لئے تقویٰ دل کا فعل ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشارہ فرمایا اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا " تقویٰ اِدھر ہے " اس وقت آپ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ فرمایا ۔ اور تقویٰ ایک نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے حق و باطل کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اس لئے فرمایا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ یعنی جب متقی پرہیزگار کے دل کے گرد شیطان کا کوئی عمل چکر لگاتا ہے تو دل اسے نور تقویٰ سے دیکھ لیتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ یہ شیطانی شرارت ہے تو پھر یاد آ جاتا ہے کہ اگر میں اس کے کہنے پر چلا تو یہ مجھے خراب کر دے گا ۔ اور میری روشنی کو اندھیرے سے بدل دے گا اس طرح سے میرے دل پر زنگ چڑھ جائے گی ۔ بنا بریں اہل دل شیطان سے دور رہتے اور اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ یہاں پر ہُم کی ضمیر قلوب کی طرف لوٹتی ہے اور اخوان سے نفوس مراد ہیں اس لئے کہ نفس اور قلب جڑواں ہیں قالب و روح کے رشتۂ ازدواج پیدا ہوئے اس وجہ سے نفس قلب کو طاعت الٰہی پر مدد کرتا ہے اور نفس کی وجہ سے قلب سے گناہ صادر ہوتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو دل سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوتا اس لئے قلب جبلتاً ذکر اور طاعت سے پیدا ہوئی ہے ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ یعنی وہ نفوس و قلوب ایک دوسرے کے فعل سے ملال نہیں کرتے اور اپنی جبلی عادت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تاکہ اہل دل نفس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہیں اور نہ ہی نفس پرست اصلاح

قلوب کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اور جب آپ ان اہل مکہ کے ہاں نہیں لاتے بِاٰیَةٍ کوئی آیت قرآن کریم کی جبکہ وحی اُترنے میں کسی مصلحت کے تحت تاخیر ہو جاتی ہے۔ یا آیت سے یہاں معجزہ مراد ہے۔ اور معجزہ نہ لانے کا مطلب یہی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں مُردہ کو زندہ کیجئے تاکہ وہ ہمارے ساتھ ہمکلام ہو اور جس کے لئے آپ ہمیں بلاتے ہیں اُس کی وہ تصدیق کرے وغیرہ وغیرہ۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا انہوں نے کہا کہ تم نے اسے کیوں نہ جمع کر لیا۔ اجتبی الشیء بمعنے جباہ لنفسہ ای جمعہ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوال مطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑ لی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات بنا لیتے ہیں اس لئے سوال کے مطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑ لی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات بنا لیتے ہیں اس لئے سوال کا جواب نہ پا کر یہی کہا کرتے کہ جب تم نے دوسری آیات گھڑ کر ہمیں سنائی ہیں تو پھر اب ہماری سوال کردہ مضامین کے متعلق کیوں نہیں آیات گھڑ لیتے۔ یا اجتبیٰ بمعنے اصطفےٰ ہے یعنی آپ ہمارے سوال پر مُردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے تاکہ آپ اپنے دوسری مہمات سے انہیں ممتاز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کو طلب کر کے ہمارے مقاصد پورے فرمائیں۔

قُلْ (اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) انکا رد کرتے ہوئے فرمائیے اِنَّمَآ اَتَّبِعُ بیشک میں اتباع کرتا ہوں یعنی کوئی فعل اتباع کے بغیر نہیں کرتا۔ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ج وہ جو میرے رب تعالیٰ سے میری طرف وحی ہوتی ہے نہ آیات کو میں خود گھڑتا ہوں اور نہ ہی خود ان کے متعلق مطالبہ کرتا ہوں هٰذَا یہ قرآن بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ تمہارے رب تعالےٰ کی طرف سے تمہارے لئے بمنزلہ ان بصائر کے ہیں جو قلوب کو حق کی رہبری کرتی ہیں اور انہیں راہ صواب دکھائی۔

سوال بصائر آیت کے لئے لائی گئی ہیں اور آیت مفرد ہے اور آیات جمع اس کی وجہ؟

جواب آیت جنس کے اعتبار سے سورۃ و آیات ہر ایک شامل ہے اور انہیں سورۃ و آیات کی وجہ سے بصائر کہا گیا ہے۔

وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ہ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں اس لئے کہ وہی آیات کے انوار سے اقتباس اور اُس کے آثار سے استفادہ کرتے ہیں اور یہ جملہ قل کے مامور بہ سے ہے اور قل کا مقولہ سارا جملہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے انبیاء عظام علیہم السلام وحی ربانی کے متبع ہوتے ہیں ایسے ہی اولیاء

کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام بھی الہام کے تابع ہوتے ہیں وہ تزکیۂ نفوس پر وحی والہام کے بغیر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر وحی والہام کے متبع نہ ہوتے تو وہ بھی منجملہ اہل ھوٰی سے ہوتے اور ارشاد وہدایت کی بھی صلاحیت نہ ہوتی بلکہ وہ خائن کہلاتے اور خائن کو تو اسرار نبوت و ولایت کا امین بنایا ہی نہیں جاتا۔

حکایت باکرامت بعض اہل علم سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں مصطبہ میں تھا میں نے دو بزرگوں کو دیکھا کہ تنہائی میں رازونیاز کی باتیں کررہے تھے۔ جب فارغ ہوکر جانے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ کچھ ہمیں اپنے علم سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ دوسرے نے فرمایا ضروری ہے لیکن اس کا اتفاق کار کیا ہو۔ پہلے نے فرمایا کہ آج کے بعد ہم دونوں عہد کریں کہ ہم وہ شے ہرگز نہیں کھائیں گے جس میں مخلوق کے عمل کا دخل ہو۔ اس پر اتفاق کرکے چلنے لگے تو میں نے عرض کی کہ مجھے بھی اپنے عہد میں شامل کرلو۔ انہوں نے فرمایا ہماری شرط مذکور منظور ہے۔ میں نے سر تسلیم خم کیا وہ مجھے جبل لکام میں لے گئے اور ایک غار میں بٹھا دیا اور فرمایا یہاں عبادت کرتے رہو۔ تیری خوراک کا انتظام ہوجائے گا چنانچہ میں وہیں پر عبادت میں مصروف ہوگیا اور وہ دونوں روزانہ میرے ہاں وقت پر کھانا پہنچا جاتے تھے ایک مدت تک یہی سلسلہ رہا۔ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ یہاں کب تک مقید رہوں گا۔ کیوں نہ ہو طرطوس (شہر) میں چلا جاؤں۔ وہاں حلال کی روزی کما کر کھاؤں اور لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاؤں اور قرآنی تعلیم عام کروں۔ اُس کے بعد میں اُٹھ کر طرطوس چلا گیا۔ وہاں مجھے صرف ایک سال گذرا تو اچانک مجھے ان دونوں بزرگوں سے ایک کی ملاقات ہوگئی اور مجھے فرمایا ہمارے ساتھ تونے خیانت کی اور وعدہ توڑا۔ اگر تم صبر کرتے جیسے ہم نے صبر کیا تو تجھے بھی وہی مرتبہ نصیب ہوتا جو ہمیں نصیب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کو کونسا مرتبہ نصیب ہوا۔ انہوں نے فرمایا ہمیں تین مراتب نصیب ہوئے۔

① طی الارض کہ مشرق تا مغرب کی مسافت ہمارے لئے صرف ایک قدم ہے۔
② پانی پر تیرنا۔
③ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونا۔

یہ کہہ کر میری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ میں نے کہا آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہی مرتبہ عطا فرمایا۔ مجھے زیارت سے مشرف فرمائیے آپ کی جدائی سے میرا دل پگھلا جارہا ہے۔ میری گذارش پر پھر ظاہر ہوکر میرے سامنے آگئے۔ میں نے کہا اب کوئی تجویز بتایئے جس سے مجھے وہی مرتبہ نصیب ہوسکے انہوں نے فرمایا خائن کو ایسا مرتبہ ملنا مشکل ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ؎

وفا مجوی زکس ور سخن نمے شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ: وفا کی اُمید نہ رکھ اگر تو کسی کی بات نہیں مانتا۔ پاگل پن میں سیمرغ اور کیمیا کا طالب نہ ہو۔

سبق اس حکایت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منشا پر جسے چاہتا ہے مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

حکایت شیخ جوہر جو عدن میں مدفون ہیں وہ کسی کے غلام تھے جو بعد کو آزاد ہو کے آزاد ہو کر بازار میں بیع و شرا کا کام کرتے تھے لیکن فارغ اوقات میں فقرا کی مجالس میں بیٹھتے اور اُن سے نہ صرف عقیدت رکھتے بلکہ اُن کے عشق میں بھرپور تھے۔ جب حضرت الشیخ الکبیر سعد الحداد جو کہ وہ بھی عدن میں مدفون ہیں فوت ہونے لگے تو اُن سے اُن کے مریدین اور خلفاء نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کسے بنایا جائے انہوں نے فرمایا میری موت کے تیسرے روز فقرا و درویش میرے گھر جمع ہوں گے جن کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آکر بیٹھے وہی میرا جانشین ہوگا اُن کے وصال کے بعد تین روز تک اُن کے مزار پر فقرا اور درویش جمع ہوتے رہے۔ جب تیسرا روز ہوا تو تمام درویش اور فقرا ذکر اور تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہوئے تو شیخ کے ارشاد کا انتظار کرنے لگے کہ کس خوش قسمت کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آکر بیٹھتا ہے۔ بہت بڑے بڑے عہدہ دار درویش اور فقرا متمنی تھے لیکن وہی سبز رنگ کا پرندہ اڑتا ہوا شیخ جوہر مذکور کے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ حالانکہ نہ اسے اُس کی امید تھی اور نہ ہی دوسروں کو اس کا تصور۔ اس کے بعد شیخ سعد حداد مذکور کے تمام خلفا اور مریدین اُٹھے اور شیخ جوہر کو اعزاز و اکرام سے شیخ کی مسند پر بٹھانے کے لئے تیار ہوئے۔ شیخ جوہر رونے لگے اور کہا کہ میں تو ایک عام آدمی بازار میں خرید و فروخت کرنے والا اس کا اہل نہیں ہوں کہ اتنا بہت بڑے شیخ کامل کے مصلیٰ پر بیٹھوں اور پھر آداب طریقت سے بھی ناواقف ہوں اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے میرا لوگوں سے لین دین وسیع ہے میں انہیں کیا جواب دوں گا۔ سب نے کہا کہ امر الٰہی ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ مسند شیخت پر بیٹھنے کے آداب طریقت کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ شیخ جوہر نے فرمایا کہ مجھے تھوڑی مہلت چاہیئے تاکہ میں حساب و کتاب سمیٹ لوں۔ یہ کہہ کر بازار میں جا کر ہر صاحبِ حق کو حقوق ادا کئے اور اس کے بعد آکر مصلیٰ پر بیٹھ گئے اور ایک عرصہ فقرا اور درویشوں کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اسم بامسمّٰی جوہر ہی ہو گئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان است کہ بود

ترجمہ: وہ لعل و گوہر کا طالب نہیں ورنہ سورج میں تو وہی کان اور معدن کا کام ہے۔

نیز فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ۔ اگو ہر پاک چاہیئے تاکہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤ لؤ و مرجان نہیں ہوتے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی ھٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ سے بیان فرمائی تو اب اس کے ساتھ مضمون کو اور مؤکد فرمایا۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ اور جب قرآن پڑھا جائے وہ جس کے بہت شان بتائے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ پس اُسے سنو۔ یعنی سنکر اس کا احکام قبول کرکے اُن پر عمل کرو اس لئے کہ اس کا استماع مطلقاً واجب ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ باب افتعال میں تصرف وسعی اور اس کے حکم پر عمل کرنے کا معنیٰ ہوتا ہے۔

مستمع اور سامع میں فرق مستمع ہر وہ شخص جو سننے کا قصد رکھتا ہو اور شئے کے سننے کے لئے خصوصیت سے کان لگائے اور سامع وہ ہے جو اتفاقاً کوئی بات سُن لے جس کا قصد نہ ہو اس معنٰے پر ہر مستمع سامع ہو سکتا ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں ہو سکتا۔

وَاَنْصِتُوْا اور خاموشی اختیار کرو یعنی قرأت قرآن کے دوران خاموش رہو اور قرأۃ کے اختتام تک خاموشی اختیار رکھو قرآن مجید کی عزت اور احترام کے پیشِ نظر تاکہ استماع مکمل طور ہو سکے۔ الصات اور سکوت کے درمیان فرق یہ ہے کہ انصات میں استماع کا مفہوم مدِّنظر ہوتا ہے اور سکوت عام ہے کہ اسمیں استماع کی خاطر ہو یا نہ۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ تاکہ تم حصول رحمت میں کامیاب ہو جاؤ اور یہی کامیابی کا آخری ثمرہ ہے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز کے اندر بولتے اور اپنی ضروریات بتاتے رہتے تھے مثلاً کوئی شخص نماز کھڑی ہو جانے کے بعد حاضر ہوتا تو وہ نمازیوں سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ادا ہو چکی ہیں تو نمازی نماز میں کہتے کہ ہم نے اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں اور اتنی رکعتیں باقی رہتی ہیں۔ اُن کے اس طریقہ کو روکنے کے لئے یہی آیت نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ آئندہ نماز میں باتیں نہ کیا کریں اور نہ ہی نماز میں قرآن پڑھا کرو اس لئے کہ نماز ایک اہم رکن ہے۔

ردِ غیر مقلدین وہابیہ اس آیت سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کو کفایت کرتی ہے۔ نماز جہری ہو یا سری اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتیں واجب فرمائی ہیں۔

① استماع

② انصات

سری نماز میں اگرچہ استماع نہیں۔ دوسرے حکم پر تو عمل کرنا واجب ہے یعنی خاموشی پر۔

وہابی غیر مقلد انصات میں مطلق خاموشی کا حکم ہے نہ کہ قرأت کا۔

سُنی حنفی آیت ① میں انصات مطلق ہے خواہ مطلق کلام ہو یا قرأت قرآن۔ اور قواعد عربیہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حکم لفظ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی واقعہ سے۔

② بقول مفسرین ایک جماعت کے یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی جبکہ مقتدی حضور علیہ السلام کے پیچھے قرأت پڑھتے رہتے اور حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہی قول اصح ہے۔

فائدہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف مقتدی سے قرأت ساقط فرمائی ہے بلکہ اسے قرأت سے روکا بھی ہے صرف امام پر شفقت کرتے ہوئے تاکہ جہری نماز میں مقتدی و امام کی قرأت میں التباس نہ ہو جیسا کہ جامع از ہر مصر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام مکروہ تحریمہ ہے یہی اصح ہے (کذا فی شرح المجمع الابن ملک)۔

حدیث شریف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا "من قرء خلف الامام فقد اخطاء الفطرۃ ای السنۃ" جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فطرۃ سے خطا کر گیا فطرۃ سے یہاں سنت مراد ہے۔

مناظرہ بہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلسنت شوافع کے بعض لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مناظرہ کے لئے حاضر ہوئے موضوع مناظرہ قرأت خلف الامام تھا ان کا مقصد وحید یہی تھا کہ آپ کو اس مسئلہ پر دلائل دے کر لاجواب کر کے عوام میں رسوا کریں گے۔ آپ نے فرمایا بیک سب سے تو مناظرہ نہیں ہو سکے گا اپنے میں سب سے زیادہ بڑے عالم کو میرے مناظرہ کے لئے منتخب کر لو۔ سب نے آپ کی اس رائے پر اتفاق کیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ مانتے ہو یا نہ کہ اُس کی ہار تم سب کی ہار اور اُس کی جیت تم سب کی جیت۔ انہوں نے کہا واقعی ایسے ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں انہوں نے کہا کہ وہ اب ہمارا بمنزلہ امام کے ہوگا اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہی ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے امام کو نماز میں اپنا نمائندہ منتخب کر لیا کہ وہ ہماری طرف سے بارگاہِ حق میں گفتگو کرے اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی تو قرأۃ خلف الامام کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ سب نے امام صاحب کے مذہب کا اقرار کر لیا۔ واقعی قرأۃ خلف الامام ناجائز یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ مع نکتہ قرأت کا اصلی مقصد تدبر و تفکر اور اس پر عمل کرنا ہے اور استماع و انصات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بنا بریں مقتدی پر انصات واجب ہے اس کی مثال خطبہ کی ہے کہ جمعہ کا خطبہ امام پڑھتا اور مقتدی اسے سنتا ہے وہ بھی صرف اس بنا پر کہ خطبہ میں وعظ و نصیحت ہے اس لئے اسے سننا واجب ہے تاکہ سننے کا اصل مقصد

حاصل ہو۔ ایسے نہیں کہ خطیب کے ساتھ ہر شخص خطبہ پڑھتا جائے۔ بخلاف دیگر ارکان کے ان میں خشوع مطلوب ہوتا ہے اور وہ رکوع و سجود وغیرہ میں مقتدی و امام ہر دونوں بجالاتے ہیں۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ آیت کے ظاہر سے یونہی ثابت ہوتا ہے کہ خارج از صلوٰۃ قرآن مجید کو چپ کرکے سننا واجب ہے لیکن آئمہ فقہائے کے نزدیک یہ بھی مستحب ہے (کذافی التفاسیر) اور حدادی نے لکھا کہ خارج از صلوٰۃ ہر قاری کی قرأت چپ کرکے سننا واجب نہیں بلکہ مخصوص اوقات میں واجب ہے یعنی صرف اسی مقصد سے سُن رہا ہو۔

مسئلہ قاری[1] یعنی قرآن پڑھنے والے کے ساتھ کوئی شخص مسائل فقہ لکھ رہا ہو یا کوئی اور دینی کام کررہا ہو اور وہ اس کے لئے ضروری ہے اور قرآن مجید سننے کا اس کو وقت نہیں تو گناہ قاری کو ہے۔ جبکہ وہ جہر کرکے پڑھتا ہو ایسے ہر مقام پر۔

مسئلہ جو شخص کسی اونچے مقام مثلاً مکان کی چھت پر جہر سے قرآن پڑھے اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف یا سو رہے ہوں اور وہ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کرسکتے تو یہاں پر بھی پڑھنے والا گنہگار ہوگا (کذافی الخلاصہ)

مسئلہ بچہ گھر میں قرآن مجید جہر سے پڑھتا ہے اور گھر والے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں اگر وہ بچے کا قرآن مجید نہیں سنتے تو مجرم نہ ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے بچے کی قرأت سے پہلے کام شروع کیا ہو اگر اس کے شروع کرنے کے بعد کام شروع کیا ہے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ قرآن پاک کی تلاوت جہر سے کرنے والے کے بالمقابل فقہ کے مسائل کی گفتگو مکروہ ہے یعنی خاموشی سے سننا لازم ہے۔

مسئلہ مکتب میں قاری قرأت بالجہر پڑھ رہا ہو اور وہاں سے لوگ گذر رہے ہوں تو اُن پر قرآن سُننا واجب ہے بشرطیکہ قرأت طویل نہ ہو۔ اگر طویل ہو جیسے حفاظ شبینہ یا آپس میں دور کرتے ہوئے طویل قرأت کرتے ہیں تو ان لوگوں کو کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ سب کو بیک وقت ایک مقام پر جہر سے قرآن مجید نہ پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ استماع و انصات کے حکم کے

---

[1] عرف شرع میں قاری قرآن کی تلاوت کرنے والے کو کہتے ہیں اس سے یہی معنےٰ مراد ہے اور تجوید کے ماہر کو بھی قاری کہا جاتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

خلاف ہوگا۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔

قاعدہ اس میں شرعیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا چُپ کر کے سُننا فرض کفایہ ہے جیسا کہ علامہ حلبی نے شرح کبیر میں تحقیق فرمائی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ شبینہ میں جو حفاظ پڑھتے ہیں اس میں بعض سننے میں شریک ہیں دوسرے لوگ اگر بوجہ سستی یا ضروریات کے نہیں سنتے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن سورہ اخلاص کا ختم اکٹھے ہو کر بالجہر سے ہو تو جائز ہے لیکن ایک پڑھے اور باقی چپ کر کے سنیں تو اولیٰ یہی ہے۔

مسئلہ ایک فقہ کے مسائل یاد کرنے میں مصروف ہے کہ بار بار انہی مسائل کو دہراتا ہے تاکہ یاد ہو جائیں اور دوسرا اس کے ساتھ قرآن مجید جہر سے تلاوت کر رہا ہے تو فقہ کے مسائل یاد کرنے والے کو اس وقت قرآن مجید سننا واجب نہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو ایک گروہ مسائل فقہ کی گفتگو میں مصروف تھا۔ دوسرا گروہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ آپ تشریف لاتے ہی مسائل فقہ سے گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

فائدہ اس سے واضح ہوا کہ مسائل فقہ کی تحقیق خالی تلاوتِ قرآن سے افضل ہے اس کا مطلب واضح ہے کہ مسائل فقہ گفتگو قرآن کی معنوی تلاوت ہے اور الفاظ مبارکہ کی تلاوت ظاہری تلاوت ہے اور قاعدہ ہے کہ معنویت کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

علم دیں فقہست وتفسیر وحدیث

ہر کہ خواند ازیں گردد خبیث

ترجمہ، اصل علم فقہ وحدیث وتفسیر ہے اس کے سوا جو پڑھتا ہے وہ خبیث[1] ہے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ قبروں پر قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مکروہ نہیں اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ ہمارے مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو لیا ہے لیکن بالجہر سے نہ پڑھیں تاکہ قبر والے کے رشتہ داروں کو حرج واقع نہ ہو جبکہ اُن کے ہاں لوگ تعزیت کے لئے آجا رہے ہوں یا دیگر مصروفیات میں ہوں اور قاعدہ ہے کہ مشغول ہونے والے لوگوں کے

---

[1] وہ یوں خبیث ہے کہ وہ دوسرے علوم کو ان تینوں پر فائق سمجھ کر یا انکی طرح اصل مان کر ورنہ صرف ونحو و معانی وبیان تمام علوم کا پڑھنے والا کیسے خبیث ہو سکتا ہے۔ ۱۲ اُویسی۔

سامنے قرأت بالجہر مکروہ ہے۔

مسئلہ خطبہ کے احکام قرآن کی طرح ہیں اس لئے کہ خطبہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بنا بریں قرآنی آیات کی عزت واحترام کے پیش نظر اس کے ظاہر پر عمل ضروری ہے کہ خاموشی سے سُننا لازم ہے اگرچہ خطبہ میں آیات کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں اُن میں بھی احتیاطی طور خاموشی سے سننے کا وجوب کا اشتباہ ہو تو احتیاطاً وجوب پر عمل ضروری ہے بنا بریں خطبہ کو خاموشی سے سُننا لازم ہوا۔ یہاں تک کہ خطیب اگرچہ حضور علیہ السلام پر درود شریف بھی پڑھے اُسے خاموشی سے سُنے اس لئے کہ ہمیں خطبہ سُننا واجب ہے اور درود شریف اس خطبہ کا جُز ہے اور شئے کے جُز کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل شئے کا ہے۔ ہاں اگر اثنائے خطبہ میں سامعین کو درود شریف پڑھنے کا حکم دے مثلاً آیت صلّوا علیہ وآلہٖ وسلّموا پڑھے تو پھر بھی سامع دل میں ہی درود شریف پڑھے زبان کو حرکت نہ دے۔

مسئلہ جو شخص ممبر سے دور ہو وہ بھی خاموش رہے اگرچہ اُس کے کانوں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی تاکہ انصات کے حکم پر عمل ہوا در اُسے سننے والوں سے مشابہت نصیب ہو۔ علاوہ ازیں خطیب کی آواز تو برابر صفوں کو پہنچ رہی ہے لیکن چونکہ دور والوں کو پہلی صفیں مانع ہیں ایسے موانع وعوارض شرعی مسئلہ کو مانع نہیں ہوسکتے۔

مسئلہ تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر خطیب اثنائے خطبہ دعا مانگے تو سامعین پر ضروری نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہوجائیں کہ ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا شروع کردیں اور نہ ہی زبان سے دعا مانگیں۔

مسئلہ اثنائے خطبہ میں سامعین زبان سے درود شریف نہ پڑھیں۔ ہاں دل سے پڑھ سکتے ہیں اگر زبان سے درود شریف پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے بلکہ علمائے کرام کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو درود شریف پڑھنے سے روکیں اگر نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ اثنائے خطبہ خطیب کوئی بات نہ کہے اگرچہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو تب بھی خطبہ کو جاری رکھے البتہ ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرے تو صحیح یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ کے درمیان میں جب کوئی کسی کو کہے چُپ رہ تو اس نے لغو کیا یعنی لایعنی کلام کیا۔

نکتہ مع مسئلہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خطبہ کے درمیان ہر قسم کا کلام ممنوع اس لئے ہے کہ جب حدیث میں اُنصت (چپ رہ) کی ممانعت ہے حالانکہ وہ امر بالمعروف سے متعلق ہے تو پھر دوسرے ہر قسم کے کلام ناجائز ہوئے۔

مسئلہ اگر کسی کو کسی فعل سے روکنا مطلوب ہو تو اشارہ سے روکنا چاہیئے۔

مسئلہ جب خطبہ شروع ہو اس وقت بات کرنا ناجائز ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب امام خطبہ کے لئے مسجد میں داخل ہو تو اُس وقت سے کلام

نہ کرنا واجب ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اذا خرج الامام فلو صلوٰۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے نہ کلام۔ حدیث میں مطلق نفی ہے اور اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

مسئلہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطبہ کی فراغت کے بعد کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے جائز بات کرنا اس وقت ناجائز ہے جب خطبہ شروع ہو اس لئے کہ بات چیت خطبہ کے لئے خلل انداز ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بات کرنے کی ممانعت صرف خطبہ تک محدود ہے کیونکہ بات کی ممانعت خطبہ کے استماع کی وجہ سے ہے نہ پہلے اور نہ بعد کو۔

مسئلہ قُنیہ میں ہے کہ عیدین کے خطبہ میں کلام مکروہ نہیں اس لئے کہ عیدین کا خطبہ سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ نماز کے لئے شرط ہے بخلاف عیدین کے خطبوں کے کہ وہ نماز کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے لئے فرمایا یَوْمُ الْعِیْدِ مَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَخْرُجَ فَلْیَخْرُجْ یہ عید کا دن ہے تم میں جو بھی عیدگاہ کی طرف نماز کے لئے جانا چاہے تو وہ جائے۔

مسئلہ خلاصہ یہ کہ جب امام خطبہ کے لئے تیاری کرکے مصلّٰی پر تشریف لا چکا ہو تو اس وقت ہر قسم کی بات اور نوافل وغیرہ پڑھنا حرام ہیں ہاں اثنائے خطبہ نماز قضا پڑھنا جائز ہے۔ اس پر صاحب نہایہ نے نص فرمائی ہے۔

مسئلہ اثنائے خطبہ تسبیح وغیرہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ کسی نے نفل کی نیت باندھی تو اس وقت امام صاحب خطبہ کے لئے تشریف لائے تو اس پر لازم ہے کہ ایک دوگانہ پڑھ کر نماز کا سلام پھیر دے (کذا فی الکافی[1]) اور اگر وہ دوسرے دوگانہ کی تیسری رکعت شروع کر چکا ہے تو اب اسے کامل چار رکعت پڑھ لینی چاہئیں۔ (کذا فی الاختیار)

مسئلہ اگر جمعہ کی سنتیں شروع کیں تو امام صاحب تشریف لائے تو جمعہ کی چار سنتیں اُسے پوری کرنا لازم ہیں۔ (کذا فی الاشباہ وغیرہ)۔

فائدہ امام کا خطبہ کے لئے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ امام کے احترام و اعزاز کے پیش نظر اس کے لئے مسجد کے قرب میں ایک حجرہ تیار کر دیتے تھے۔ جب خطبہ کی اذان ہوتی تو اس وقت امام صاحب حجرہ سے باہر تشریف لاتے ورنہ ہمارے علاقوں میں نماز و کلام کی ممانعت اس وقت ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کے لئے شروع ہو جائے۔

---

[1] صاحب کنز کی ایک تصنیف کا نام ہے۔ اس سے شیعوں والی اُصول کافی مراد نہیں۔۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اتصاف حسن استماع کے لئے شرط ہے اور استماع حسن اسماع کے لئے شرط ہے۔

دوسری تقریر اَنْصِتُوْا یعنی زبان ظاہری کو بند کرو اور ظاہری کانوں سے کلام الٰہی سنو اور باطنی زبان بند کرکے باطنی کانوں سے کلام الٰہی سنو تاکہ تمہیں ایسے استماع سے حقیقی سماع نصیب ہوجائے۔ جیسے کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا فَبِیْ یَسْمَعُ سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کے نورِ جلال وجمال سے سنتا ہے تو وہ قاری سے بھی سن رہا ہے ورنہ اس کا سننا نہ سننا برابر ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کا یہی راز ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز حرفے

کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

ترجمہ: تعجب نہیں کہ قرآن سے تجھے حرفوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہو تو اس طرح ہے جیسے نابینا کو سورج سے سوائے گرمی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اور اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے رب کو یاد کیجئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب تمام مخلوق کو ہو۔

فائدہ غفلت کو ہٹانے کا نام ذکر ہے اس لئے ذکر بہشت میں نہیں ہوگا کیونکہ وہاں دائمی حضوری ہوگی۔

فِیْ نَفْسِكَ اپنے دل میں۔ اس سے وہ کلام خفی مراد ہے اسلئے کہ ذکر خفی دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور اجابت کے لئے بھی یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ یہ تمام اذکار کو شامل ہے۔ تلاوتِ قرآن اور دعا وغیرہ (کما قال فی الاسرار المحمدیہ)۔

مسئلہ ذکر کی فضیلت صرف تسبیح وتہلیل وتکبیر ودعا پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر عامل کو ذاکر کہا جائے گا۔

تَضَرُّعًا یہ مصدر اُذکر کے فاعل سے حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم عجز ونیاز اور انکسار کرنے والے ہو۔ الضراعۃ بمعنے الخضوع والذل والاستکانۃ ہے یعنی عاجزی۔ ذلت اور اظہار مسکینی۔ مثلاً کہا جاتا ہے تضرع الی اللہ ای ابتھل وتذلل یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و ذلت کا اظہار کیا۔ الابتہال بمعنے الاجتہاد فی الدعا والاخلاص یعنی دعا واخلاص میں جدوجہد کرنا۔

فائدہ صوفیانہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ نماز افضل الحرکات اور روزہ افضل سکنات ہے اور تضرع عبادت کی صورتوں میں جن امور کو افلاک دائرات نہیں کھولتے انہیں عبادات کی صورتوں میں تضرع

سے کھولا جا سکتا ہے۔

لو لم ترد نیل ما ارجو و اطلبہ

من فضل جودک ما علمتنی الطلبا

ترجمہ: اگر تم میری آرزو اور میرا مطلب اپنے فضل و کرم سے پورا نہیں فرماتے تو تم نے مجھے طلب کا ڈھنگ سکھایا کیوں۔

وَّخِيفَةً بکسر الخا دراصل خوفۃ تھا واو ساکن کسرہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے یا سے تبدیل ہوئی یہ بھی حال واقع ہے یعنی درانحالیکہ تم ذکر کے وقت خائف ہو۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ خوف "تقصیر فی الاعمال اور خاتمہ و سابقہ کو شامل ہے اس لئے کہ خاتمہ کا خوف اس ابتدائی حکم پر منحصر ہے جو ابتداً یعنی ازل میں سبقت کر چکا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "قلم خشک ہو گیا اس پر جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ صرف امتوں کے متعلق ہے۔ ورنہ انبیاً بلکہ کامل اولیاً علی نبینا و علیہم السلام فاتحہ و خاتمہ کے خوف سے پُر امن ہیں ہاں وہ بھی خوف سے خالی نہیں ہوتے لیکن اُن کے خوف کی نوعیت علیحدہ ہے یعنی وہ خوف اُن کے مقام و مرتبہ کے مناسب ہے۔

نکتہ انسان کا انتہائی مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنے کی ربوبیت کی عظمت اور اپنی عبودیت کی ذلت کا اظہار کرے۔ ان دونوں کو یکجا بیان کیا گیا ہے پہلے مرتبہ کو وَاذْكُرْ رَبَّكَ میں دوسرے کو تضرعًا و خیفہ میں تاکہ دونوں مراتب کی تکمیل ہو۔ ؎

ای خنک آنرا کہ ذلت نفسہ

کسے را کہ بردی افسہ

ترجمہ: مبارک ہو اسے جس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جو نفس جیسا سرکش ہوا۔

وَّدُونَ الْجَهْرِ یہ صفت ہے موصوف محذوف کی اور وہ موصوف حال ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی متکلمًا کلامًا ھو دُونَ الْجَهْرِ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم ایسا کلام کرو کہ وہ جہر سے نہ ہو اس لئے کہ حسن تفکر کو یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ امام جہری نماز میں آواز نکالے جتنی کہ اُس کی فطری آواز ہے کہ قریب والے سن لیں۔

مسئلہ کشف میں ہے کہ اتنے زور سے پڑھے جو مقتدیوں کی ضرورت سے باہر ہے تو وہ امام گنہگار ہے۔
قاعدہ اسائت سے کراہت افحش ہے۔
روایت یا حکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نوافل میں حد سے زیادہ جہر کرتے ہوئے پوچھا یہ کیوں؟ تو انہوں نے عرض کی نمازیوں کو جگاتا اور شیطانوں کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس سے ذرا آہستہ پڑھا کریں۔ اس کے بعد آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے وہ نہایت ہی آہستہ آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ تھوڑا اونچا کر کے پڑھا کریں۔

ذکر جلی افضل یا خفی حضرت علامہ نووی قدس سرہٗ نے ذکر جلی و خفی کی متضاد احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا کہ جہاں ریا کا خطرہ ہو یا ذکر جہر سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا نیند والوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو وہاں ذکر خفی ذکرا افضل ہے یہ عوارض نہ ہوں تو ذکر بالجہر افضل ہے۔ اس لئے کہ ذکر بالجہر میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور ذکر سے حِسِ شنوائی دوسری طرف توجہ نہیں کرتی اور اس سے نیند بھی ہٹ جاتی ہے اور اس سے روحانی کیف و سُرور بھی حاصل ہوتا ہے۔
مسئلہ اخیار اُمت کے نزدیک نماز وغیرہ میں تکبیر وغیرہ زور سے کہنا مکروہ ہے۔
مسئلہ جہر و خفی کا درمیانہ طریقہ اختیار کر کے نہایت عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کے ساتھ ذکر وغیرہ کیا جائے اور ریا نہ ہو تو مکروہ نہیں یعنی باتفاق العلماء جائز ہے (کذا فی انوار المشارق)۔
فائدہ صوفیانہ شارح کشاف نے لکھا ہے کہ کبھی مُرشد اپنے مبتدی مُرید کو ذکر بالجہر کا اس لئے حکم دیتا ہے کہ مُرید کے دل کے اندر جو جو خواطر و وساوس شیطانی گھر گئے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔
بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ صبح اور شام بیں اذکر کے متعلق ہے یعنی ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ غدو سے صبح کی گھڑیاں اور اصال سے شام کے اوقات مراد ہیں۔ الغدو غدوہ کی جمع ہے یعنی صبح کی نماز سے طلوع شمس کا درمیانہ وقت اور اصال اصیل کی جمع ہے یعنی بعد العصر الی المغرب کا نام ہے۔ اور العشی والعشیۃ یعنے وقت صلوٰۃ المغرب الی العشاء۔
سوال ان دونوں وقتوں کو ذکر سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟
جواب ان دونوں وقتوں میں عالم کے حالات کے تغیر میں عجیب کیفیت ہوتی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ ان کا موثر حقیقی وہی ایک معبود ہے جو حکمت باہرہ اور قدرت قاہرہ کا مالک ہے پھر جو بھی ان تغیرات کا مشاہدہ کرے اس پر لازم ہے کہ تفرع و ابتہال سے اسے یاد کرے اور خوف رکھے کہ کہیں اس کا حال بھی کسی برائی کی طرف نہ بدل جائے۔

سوال اگر اس سے دن رات مراد ہیں تو پھر ان کی دونوں کی طرفوں پر اکتفا کیا گیا ہے؟
جواب تاکہ اشارہ ہو جائے کہ بندہ کو چاہیئے کہ حسب امکان اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان مبارک پر لائے تو اُس کے معانی دل کے سامنے لائے کیونکہ ذکر فی نفسہٖ کا حقیقی منشا یہی ہے کہ ذکر کرنے والا ذکر کے معانی کا عارف ہو اس کے بعد فرمان ہوا کہ دل سے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی کبریائی کو نہ بھلائے۔ اُسے غفلت کہتے ہیں اور غفلت سے اجتناب کا حکم فرمایا گیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے لئے بہتر اور کفار کے اُس جہاد سے بھی افضل ہو کہ ان کے مقابلہ میں جا کر تم ان کی گردن اُڑا دو اور وہ تمہاری۔ سب نے عرض کی ضرور بتایئے آپ نے فرمایا وہ ذکر اللہ تعالیٰ ہے۔

نکتہ غزوہ اور کلمہ شہادت و دیگر اعمال کا مقصد حصول جنت ہے اور ذکر اللہ تعالیٰ سے خدا تعالیٰ کی ہمنشینی نصیب ہوتی ہے اور یہ بھی ہمنشین یعنی اپنے قرین کو اپنا مشاہدہ کراتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ذکر کرنے والا حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور شہودِ حق حصول جنت سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ رویت حق حصول جنت کے بعد ہوگا اور مکمل ترین نعمت دیدارِ الٰہی ہے باقی سب ہیچ۔

حقیقی ذکر کیا ہے حقیقی ذکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان پر جاری ہو تو اس کے قلب اور رُوح حاضر ہوں اسی طرح جمیع اعضا و قویٰ یہاں تک کہ ذکر کے وقت بندہ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور توجہ بھی ایسی کہ دل کے خطرات اور نفس کے غلط خیالات بالکل مٹ جائیں۔ ایسے ذکر پر مداومت کرنے سے زبانی ذکر سے قلبی ذکر نصیب ہوگا۔ اسی طرح ترقی کرتا ہوا اس کے تمام پردے اُٹھ جائیں گے اور وہ بلا حجاب تجلیات حق سے سرشار ہوگا۔ اس مرتبہ کے حصول کے بعد نُورانیت نصیب ہوتی ہے بلکہ اُس کے دل کی زمین سب کی سب چمک اُٹھے گی پھر اُسے صفاتیہ و اسمائیہ پھر ذاتیہ حاصل ہوں گے۔ جن کی برکت سے بندہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جائے گا اس وقت ذاتِ حق خود ذاکر ہوگی اور خود بندہ مذکور جیسا کہ اس کے شان کے لائق ہے لیکن یہ مقام منتہیانہ ہے کہ دوئی دُور کرنے اور حقیقت احدیت کے منکشف ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے (شرح الفصوص لداؤد القیصری فی الکلمۃ الیونسیہ) ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: جب اوصاف قدیم کا جلوہ ہوتا ہے تو حادث وصف کی کمبل جل جاتی ہے۔

نسخہ رُوحانی جو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کے ذکر کی مداومت کرتا ہے تو اس کے رُوح اور اس اسم الٰہی کے درمیان

بفضلہ تعالیٰ و کرمہ اتنی مناسبت حاصل ہو گی کہ اس کا اس اسم سے شغل[1] ہے۔ جس قدر اس اسم پاک سے شغل بڑھتا جائے گا اسی قدر مناسبت اور کمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس مناسبت کی مختلف حدود[2] ہیں۔ جوں جوں بندہ ان حدود تک پہنچتا ہے جوں جوں فتوحات منجانب اللہ تعالیٰ مع جود و عطا بندے کو مُسمّیٰ[3] سے مناسبت نصیب ہوتی ہیں۔ لیکن اتنی قدر کہ جس قدر اس بندے کے اندر کمال اور قوت ہوتی ہے اُسی مناسبت کی برکت سے بندے کی بشری کثافتوں پر قدسی ملائکہ کا غلبہ شروع ہو جاتا ہے اس وجہ سے وہ بندہ عالم قدس کے اندر قدم رکھتا ہے پھر اس عالم کی ترقی بشری کثافتوں کے مٹنے کے مطابق ہوتی ہے جس قدر بشری کثافتیں فنا ہوتی جائیں گی اسی قدر عالم قدس میں ترقی ہو گی۔ پھر اس اسم کے مرتبہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جلوہ دکھاتا ہے لیکن اسی قدر کہ جس قدر بندے کو اسم سے مناسبت ہوتی ہے اور اسی قدر استعداد اور اسی قدر اسے علوم و معارف اسرار الٰہیہ و کونیہ نصیب ہوتے ہیں لیکن وقت کا تقاضا اور اس کے ظرف اور اس کی قابلیت ملحوظ خاطر ضرور ہوتی ہے اُس کے بعد اس بندے کو وہ علوم و معارف و اسرار حاصل ہوتے ہیں جو اس سے قبل اسے نصیب نہیں تھے بلکہ اس سے قبل وہ اپنے اندر جہل اور غفلت محسوس کرتا تھا[4] (کذا فی حواشی تفسیر الفاتحہ لحضرۃ شیخنا الاجل قدس سرہٗ)

قاعدہ صوفیانہ جو کسی ورد کا عامل نہیں اسے واردات سے محرومی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی اپنے ورد کا پابند ہوتا ہے کیونکہ جس سے حضر اور صحت اور جوانی میں کوئی ورد قضا ہو جائے تو سمجھو کہ وہ محروم اور اللہ تعالیٰ

---

[1] ہم نے ایک فقیر معروف بہ بنّی فقیر مرحوم سے اس نسخہ کا مشاہدہ کیا۔ جبکہ وہ ہر وقت اللّٰہ الصمد پڑھا کرتے اور حالت یہ تھی کہ دنیا اور ما فیہا سے بے نیاز تھے زمانۂ طالب علمی میں فقیر نے اُن کی زیارت کی پھر وہ مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں اُن کا وصال ہوا (واللّٰہ اعلم بالصواب)

[2] حدود کے کئی اقسام اور اُن کے الگ الگ نام ہیں اور تاثیرات بھی مختلف مثلاً زکوٰۃ۔ نصاب۔ قفل۔ دور۔ دور مدور وغیرہ وغیرہ اور ان کی تعداد قرأت کا اصول یہ ہے کہ جس اسم حسنیٰ کا وظیفہ کرنا ہو اس کے اعداد بحرف ابجد قمری نکال کر اُس کے حروف کے شمار سے ضرب دی جائے تو یہ پہلے مرتبہ و تاثیر کا تعین ہو گا اور اگر اسی شمار حروف پر پھر ضرب دی جائے تو دوسرا تعین پھر ضرب دی جائے تو تیسرا۔ علیٰ ہذا القیاس اور اسی سے قوت و تاثیر بھی بڑھتی جاتی ہے۔ مثلاً صمد کے تین حروف ہیں اور اعداد ص۔م۔ اور دال کے ۴ کل مجموعہ ۱۳۴ ہوا۔ اس کو ۳ سے ضرب دیتے چلتے ہیں چنانچہ پہلا تعین ۴۰۲ کا ہو گا اور دوسرا ۴۰۲ کو پھر ۳ سے ضرب دینے سے ۱۲۰۶ پھر ضرب دیں تو ۳۶۱۸ (اسی طرح حسب ضرورت ہوتا جائے گا اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو علم جفر کی کتب ملاحظہ ہوں (گلشن)۔

[3] یہ وہ مراتب ہیں جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا وہابیہ دیوبندیہ کو انکار ہے اسی وجہ سے وہ تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے۔ ۱۲ فافہم۔

سے بعید اور رسوا شدہ انسان ہے مگر بیماری سفر بڑھاپا موت مستثنیٰ ہیں کہ ان اوقات میں اگر قضا ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن حتی الامکان انہیں ادا کرنے کی ہمت کرے۔

سبق جو کسی ورد کا عامل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر مداومت کرے۔ اگر کسی مجبوری سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرے یعنی اس کو پورا کرے اگرچہ ہفتہ کے بعد سہی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام تہجد قضا ہو جانے تو بھی اس کی قضا پوری کرتے ہیں اگرچہ تہجد فرائض میں سے نہیں۔

نکتہ اس میں راز یہ ہے کہ اوراد ہوں یا کوئی اور اعمال صالحہ اُن کی ادائیگی صفات باطنیہ کو جلا اور قلب کے رذائل جڑ سے اکھاڑے جاتے ہیں پھر اِکا دُکا اعمال سے اُس کے آثار مرتب نہیں ہوتے بلکہ محسوس تک بھی نہیں ہوتا البتہ اُن کے آثار کا ترتب مجموعہ اعمال سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب عملِ اوّل کا اثر ہوا تو اس کے بعد ثانی و ثالث سے اثر پڑے گا۔ لیکن جب وہ راستہ میں منقطع ہو گیا تو پچھلے آثار بھی مٹ جاتے ہیں (جیسے کھیت میں پانی مسلسل چلے تو پہنچتا ہے ورنہ راستہ میں گم ہو کر کھیت خشک رہ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں بھی ہے" اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین اعمال وہ ہیں جن پر مداومت ہو۔

نکتہ مداومت پر اعمال میں ایک راز یہی ہے کہ نفس اس عمل کا عادی بن جاتا ہے اس سبب سے وہ اس عمل کی ادائیگی کی طرف راغب ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اولیا کرام صوفیائے عظام جیسے ترک فرائض کو بُرا سمجھتے ہیں ایسے ہی مستحب یعنی اوراد وغیرہ کے ترک کو بُرا محسوس فرماتے ہیں۔

وہابیوں دیوبندیوں کی تردید اولیا کرام کے اوراد وظائف کی تحقیر صرف جاہل ہی کرتے ہیں (جیسے ہمارے دور میں وہابیوں دیوبندیوں کی عادت ہے کہ اولیا کرام کے ہر ورد وظیفہ کی تحقیر کرتے ہیں وہ اس لئے کہ ورد حقوق ربانیہ سے ہے اور اس طرح سے نفس تابع حق ہوتا ہے اور ایسے طریقے سے بندہ مولیٰ سے مل سکتا ہے۔

مسئلہ بہشت کے درجات حسبِ معمولات نصیب ہوں گے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اس کے مراتب اپنے اعمال کے مطابق حاصل کرو۔

نکتہ ورد کی پابندی سے مراتب وافر و کاثر نصیب ہوں گے جس سے جتنے اوراد و وظائف ناغہ ہو جائیں گے۔ اتنا قدر اُس کے مراتب و درجات کم ہوں گے اس لئے بہشت کے ثواب کا ترتب انہی اعمال یعنی اوراد و وظائف پر تھا۔ لیکن یہ نکتہ وہ سمجھتے ہیں جنہیں عقل و دانش سے کچھ حصہ نصیب ہے جو عقل و دانش سے محروم ہیں وہ الٹا اُس پر اعتراض کرتے ہیں (کالوہابیۃ وھُم قَوم جَاہِلُونَ)۔

اور ایسے لوگ محروم بھی ہوں گے اس لئے کہ جب نفس کو لمع ہو کہ یہ کام کروں گا تو مجھے ثواب ملے گا۔ اگر اسے سے نفس کو موقعہ دیا جائے کہ ایسے اوراد و ذالک فضل اللہ یعنی (یا بدعت ہیں) جیسے وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں۔ وہ عمل سے رہ جائے گا اس درجہ سے اُسے وہ مراتب بھی نصیب نہیں ہوں گے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ذکرِ الٰہی کرنے سے خوش ہوتا ہے بلکہ اُس کا اس سے مطالبہ کرتا ہے اور یہ حق عبودیت بھی ہے اگرچہ اس میں بندہ ذکر کر کے عوض کا طالب ہوتا ہے اور یہ غلطی ہے لیکن ثواب سے محروم بھی نہیں ہوتا اور حقیقی ذکر یہی ہے کہ وہ صرف اس کی رضا جوئی پر اس کا ذکر کرے۔ غور کیجئے کہ وہ مطلوب ہو کر تیرے ذکر کا طالب ہے یہ عہدہ کچھ معمولی نہیں کہ مطلوب ہو کر طالب ہے۔ بنا بریں بندے کو ذکر و فکر عمل اور اوراد و وظائف میں دلچسپی ضروری ہے اس لئے بزرگوں کا فرمان ہے کہ سالک کو طالب الاستقامۃ ہونا چاہئیے نہ کہ طالب الکرامۃ کیونکہ کمینہ کرامت سے خوش ہو کر اسی کا طالب ہوتا ہے اور مولیٰ کریم بندے سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے اب بندہ خود انصاف کرے کہ مطالبہ حق کا ادا کرنا ضروری ہے یا نفس کا۔ حضرت رضی اللہ تعالیٰ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور

با خیال تو اگر با دگرے پردازم

ترجمہ: حور کی صحبت چاہوں یہ تو سزا جرم و قصور ہے مجھے تو صرف آپ کا خیال کافی ہے کسی دوسرے کے تصور میں میں مشغول ہونا ہی نہیں چاہتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَاذْكُرْ رَبَّكَ یعنی اپنے رب کریم کو افعال و اخلاق و ذات سے یاد کر فِي نَفْسِكَ اپنے نفس میں بایں طور کہ اپنے نفس کے افعال اُن امور سے تبدیل کر دے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسی طرح اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بنا ڈال اور اپنی ذات کو ذات حق میں فنا کر دے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "بندہ جب مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں" یہی راز ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ میں۔ پروانے کو دیکھئے کہ جب وہ اپنے آپ کو شمع میں فنا کر دیتا ہے تو وہ شمع بھی اپنی فنائیت تک اس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے مثال دی گئی ہے ورنہ چہ نسبت خاک را عالم پاک۔ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ یعنی نہایت عجز و زاری سے اور روتے ہوئے یعنی ابتدائی ذکر کا طریقہ یہی ہے کہ سالک اپنے نفس کے افعال کو شریعت کے اعمال میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ اس طرح سے ظاہری طور تکلیف ہو گی لیکن اس کا انجام بہتر ہو گا۔ اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بنائے۔ لیکن آدابِ طریقت کے پیشِ نظر۔ لیکن یہ طریقہ پوشیدہ اور اس کے اثرات باطن پر پڑیں گے اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ انا رنیت سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے اور اُسے زبان پر لانے کی اجازت بھی نہیں ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ افشاءُ سرِّ الربوبیۃ کفرٌ اسرار ربانی

کا اظہار کفر ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یہاں پر غدو سے ازل اور اصال سے ابد مراد ہے اس لئے کہ ذکر حقیقی و مذکور حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی ازلی ہے وہی ابدی ہے اُس نے ہی ازل میں فرمایا فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ارواح سے مخاطب ہوا تو اس معنیٰ پر ذاکر ہوا اور اس نے اپنا ذکر فرمایا تو مذکور بھی خود ہوا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں اُس نے ہی اپنا ذکر خود فرمایا "یوسف بن حسین رازی کے قول" ما ذکر احد اللہ الا اللہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی کسی نے یاد نہیں کیا" کا یہی مطلب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ یعنی ان لوگوں سے نہ ہو جو یہ نہیں کہ حقیقی طور ذاکر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور مذکور بھی وہی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ

شانِ نزول منقول ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے سے نہ صرف انکار بلکہ اس سے سخت متنفر تھے اور کہتے انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا" کیا ہم تیرے حکم سے سجدہ کریں اس سے اُن کی نفرت از سجدۂ حق تعالیٰ میں اضافہ ہوا (کذا قال الکاشفی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلی کیجئے بے شک وہ حضرات عِنْدَ رَبِّكَ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں یعنی ملائکہ مقربین اس سے قرب شرافت مراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مکانیت و سافت سے منزہ ہے اور یہ معنیٰ اس کے لئے موزوں ہے۔ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ سرکشی نہیں کرتے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بلکہ جس طرح انہیں حکم ہے اسی طرح عبادت کا حق ادا کرتے ہیں وَيُسَبِّحُوْنَهٗ اور اس کی شان کبریائی کے جس طرح لائق ہے ویسے ہی اُن کی تنزیہہ و تقدیس بیان کرتے ہیں وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ اُسے سجدہ کرتے ہیں یعنی غایۃ تذلل وانکسار فی العبودیۃ صرف اللہ تعالیٰ سے خاص سمجھتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اسمیں اشارہ ہے کہ ملائکہ کی طرح تمام مکلفین سجدہ ریز ہوں یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ واجب ہے

فائدہ سجدہ نہایت عجز وانکسار اور تذلل کا نام ہے اسے تین وجوہ سے عمل میں لایا جاتا ہے۔

1. نقصان کی تلافی کے لئے جیسے سہو کا سجدہ۔
2. کفار کی مخالفت میں۔
3. اہل اسلام کی موافقت میں۔

فائدہ کاشفی نے لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے چودہ مقام ہیں۔ اس سجدہ تلاوت کے متعلق قرآن میں دو مقامات پر آئمہ کا اختلاف ہے۔

1. سورہ حج کے آخر والے سجدہ میں امام شافعی و امام احمد کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔

(۲) سورہ صٓ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے دوسرے آئمہ کے نزدیک واجب نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ صٓ میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تھا۔ دوسرے آئمہ نے عقلی دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ یہاں پر رکوع کا ذکر ہے سجدہ کا نہیں فلہٰذا سجدہ واجب نہیں (فالحق عند ابی حنیفہ والحق احق ان یتبع بہ)۔

فائدہ سورہ فصلت میں سجدہ تلاوت اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ" پر ہے یہی قول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہے اس قول کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے لیا ہے اور حضرت عمر وابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت لَا يَسْاَمُوْنَ پر ہے ہم احناف نے اس قول پر عمل کیا ہے اس لئے یہ آیت مذکورہ آیت کے بعد ہے اور اس پر عمل کرنے سے اوّل پر بھی عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ تاخیر سجدہ بالاتفاق جائز ہے لیکن تقدیم جائز ہے۔

مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلاوت کرنے اور قرأت کرنے والے ہر دونوں پر سجدہ واجب ہے نماز میں ہو یا خارج از نماز۔ اگر اس وقت فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے اور دیگر آئمہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے واجب نہیں اس لئے اُن کے نزدیک اگر یہ سجدہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا بھی نہیں۔

مسئلہ تلاوت کے وقت فوراً سجدہ کرنا چاہیئے بلا وجہ تاخیر مکروہ ہے۔

مسئلہ سجدہ میں تلاوت کے وقت کھڑا ہو کر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جا کر نماز کی طرح تین تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے پورا کھڑا ہونے کے بعد پھر بیٹھ کر تلاوت شروع کرے یہ طریقہ مستحب ہے اس لئے کہ سجدہ کی ہیئت مذکور مکمل ترین صورت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ نماز کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ سجدۂ تلاوت میں پڑھنا مستحب ہے یہی اصح ہے۔

مسئلہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ تسبیح کے بجائے سجدہ میں کہے خضعت الرحمٰن فاغفرلی یا رحمٰن۔ مجھے بخش دے۔

فائدہ بعض فقہا نے کہا کہ یہ دُعا پڑھے" یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك وطاعتك اے قلوب کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ۔ صاحب الاسرار الحمیدیہ کے نزدیک یہی قول مختار ہے (جمہور کا قول اوّل صحیح اور قابل عمل اور مفتی بہ ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ صاحب الاسرار الحمیدیہ کو دُعا مذکور اس لئے پسندیدہ کہ انہیں ہاتف غیبی سے اسی طرح سکھایا (لیکن یہ صرف انہی تک محدود رہے گا) شرعاً دوسروں کے لئے حجت نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ سجد وجھی للذی خلقه وصوره فاحسن الخالقین۔
اللّٰھُمَّ اکتب لی لھا عندك اجرًا وضع عنّی بھا وزرًا واجعلھا لی عندك ذخرًا وتقبلھا

کما تقبلت من عبد داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

فائدہ: گاہ گاہ کا عمل تھا۔ دائمی نہیں تھا کوئی اس طرح کرے تو روا ہے لیکن عوام کے لئے طریقہ اولیٰ موزوں جو بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ ابن فخر الدین رومی نے مختلف سجدوں کے لئے مختلف الفاظ لکھے ہیں وہ یہ کہ اگر سجدہ سبحان کی آیت پڑھی ہے تو اس وقت سلطان الساجدین کے وہ کلمات پڑھے جسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں، سبحان ربنا ان کان وعد ربنا مفعولا " اگر آیت تنزیل یا اعراف کی آیت ہذا پڑھی ہے تو کہے اللّٰھم اجعلنی من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذ بک من المستکبرین عن امرک اگر الم سجدہ کی آیت پڑھی ہے تو یہ دعا پڑھے اللّٰھم اجعلنی من عبادک المنعم علیھم المھدیین الساجدین الباکین عند تلاوۃ کتابک۔ اگر سورہ نجم کی آیت سجدہ پڑھی ہے تو یہ دعا پڑھے اللّٰھم اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک اسی طرح باقی آیات سجدہ تلاوت ہیں۔

فائدہ مولانا اخی چلپی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دعائیں نقل نہیں کیں بلکہ فرمایا ہے کہ سب کے لئے وہی تسبیح کافی ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ اس لئے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں اور کسی کلمہ کے لئے روایات تو یہ ملتی ہیں۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے ساتھ سننے والے کو سجدہ کرنا مستحب ہے اور تلاوت کرنے والے سے پہلے سر سجدہ سے نہ اٹھائے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ امام کے ہے۔

مسئلہ مطلق سجدۂ تلاوت ضروری ہے تعین ضروری نہیں مثلاً کسی شخص پر متعدد آیات تلاوت کے سجدات واجب ہیں تو قضا کے وقت متعدد سجدے کرے تو ہر سجدہ میں یہی نیت ہو کہ میں سجدہ تلاوت ادا کر رہا ہوں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ کہے یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے ہے اور یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے مستحب ہے کہ آیت سجدہ آہستہ کر کے پڑھے۔ یہ اس وقت ہے جب سامع تلاوت قرآن کے لئے نہیں دوسرے کام میں مشغول ہے یا اس سے سجدہ کرنے کی تیاری نہیں کی مثلاً اسے وضو نہیں وہ اس لئے کہ تلاوت کرنے والے نے اگر سامع کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ سجدہ تلاوت نہیں کر سکتا تو اسے وہ عمداً گناہ میں ڈال رہا ہے اور دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ اگر سامع آیت سجدہ کی تیاری کئے ہوئے ہے تو پھر جہر سے پڑھے تو مستحب ہے تاکہ سامع کو عبادت کی ترغیب ہو اور سجدہ کر کے دوہرا ثواب حاصل ہو۔

نکتہ امام خبازی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مذکور ہو تو درود شریف پڑھنا

مستحب ہے لیکن آیتِ سجدہ کی تلاوت کے وقت فوراً سجدہ ضروری نہیں۔ بلکہ اگر ایک مجلس میں بار بار وہی آیت مذکور ہو تو صرف ایک سجدہ کافی ہے بخلاف حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے ذکر کے کہ اسمیں ہر بار درود پڑھنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ عبادت خداوندی ہے اُسے کسی شئے کی محتاجی نہیں نہ بلندی درجات کی نہ حصولِ ثواب کی لیکن مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلندی درجات و رفع مراتب کی ضرورت ہے اس لئے وہاں بار بار درود شریف پڑھنا ضروری ہوگا۔ (نیز اپنے حبیب علیہ السلام کی شان اقدس کا اظہار بھی ہے کہ ہر بار نام لینے پر امتی کو لازم ہے کہ نبی شفیق پر ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

فائدہ حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بنی آدم کے کسی عمل سے شیطان کو اتنا تکلیف نہیں جتنا اس کے صلوٰتیہ سے اسے دُکھ اور درد پہنچتا ہے اس لئے بنی آدم کے لئے ضروری ہے کہ لمبے لمبے اور کثیر التعداد سجدے کرے تاکہ شیطان کو زیادہ سے زیادہ دُکھ اور درد پہنچے۔

نکتہ نماز کے ہر ایک رکن میں انسان کو ابلیس بہکانے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن سجدہ کی حالت میں انسان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ انسان کے سجدہ کے وقت شیطان اپنی غلطی کی سوچ میں لگ جاتا ہے غمگین ہو کر اُسے اپنی پڑجاتی ہے اس وجہ سے انسان اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

شیطان کی دھاڑ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن آدم سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان تنہائی میں جا کر روتا ہوا کہتا ہے" ہائے افسوس کہ بنی آدم سجدہ کے لئے مامور ہوئے وہ سجدہ کرکے بہشت میں جائیں گے اور مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لیکن شومئی قسمت کہ میں نے انکار کر دیا جس سے مجھے جہنم نصیب ہوگی۔

سوال نمازی کو سجدہ میں بھی خیالات تو گذرتے ہیں پھر تمہارا یہ کلیہ کس کام کا کہ بحالت سجدہ شیطان کی شرارت سے انسان محفوظ ہوتا ہے۔

جواب جب نمازی سجدہ سے سر اُٹھاتا ہے تو شیطان کا غم والم ہٹ جاتا ہے جس سے وہ پھر نمازی کو بہکانے لگ جاتا ہے۔ (۱) امام محمد بن العربی قدس سرہٗ کی یہ تقریر اُن کی کتاب رُوح القدس سے لی گئی ہے۔

فائدہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ اسمیں اشارہ ہے کہ شیطان نے ازراہ تکبر سجدہ سے انکار کیا تو جو بھی اسی کی طرح بوجہ تکبر سجدہ کا انکار کرتا ہے جیسے کفار کی عادت تھی تو ایسے لوگ اپنے تمام احوال میں شیطان کے ساتھی ہیں اور جو شخص متواضع ہو کر سجدہ کرتا ہے جیسے کہ مؤمنین کا شیوہ ہے تو اس حالت میں اس سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ جمیع احوال میں نہیں ہاں اگر تزکیۂ نفس ہو تو پھر نہ صرف جمیع احوال میں بلکہ اُسے مخلص بندوں میں بنا دیا جاتا ہے۔

۔ (۱) زینت تو لبس کمر بندگی
تاج تو در سجدہ سرافگندگی
(۲) شرم تو بادا کہ بالا ؤ پست
سجدۂ طاعت بروش ہر چہ ہست
(۳) توکنی از سجدہ او سرکشی
بہ کہ ازیں شیوہ قدم درکشی

ترجمہ (۱) تیری زینت بس یہی ہے کہ تیری کمر بندگی میں جھکی رہے تیرا تاج سر سجدہ میں رکھنے میں ہے ۔
(۲) تجھے شرم ہو کہ بلندی و پستی سجدہ طاعات میں ہے کہ بلندی ہوگی سجدہ کرنے سے (پستی نہ کرنے سے)
(۳) تو اس کے سجدہ سے سرکشی کرتا ہے بہتر ہے کہ تو اس گندی عادت سے باز آجا ۔

فائدہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سر میں سجدہ کی خو نہ ہو تو وہ سر نہیں بلکہ ہانڈی[لہ] ہے ۔ اور جس ہاتھ میں جود و سخا کی عادت نہیں وہ ہاتھ نہیں بلکہ چمچہ ہے ۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎
شرف نفس بجود است وکرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: نفس کی شرافت سخاوت سے اور اس کی کرامت سجود سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہو اس کا مرنا جینے سے بہتر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یعنی وہ لوگ جو اپنے افعال و اخلاق بلکہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و اخلاق اور اُس کی ذات میں فنا کر کے اپنی انانیت سے مٹ چکے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس لئے تکبر نہیں کرتے کہ تکبر ان کی عادات میں شامل تھا لیکن انہوں نے اپنی تمام عادات کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو ہو گئے اب اُن میں تکبر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور تکبر کریں بھی کیسے جبکہ انہوں نے اپنے افعال اللہ تعالیٰ کے اوامر میں فنا کر دیئے اب تو انہیں سوائے عبادت کے اور کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اب اُن کے اعمال قائم بالعبادۃ ہیں ان سے کسی فعل کا صدور اس وقت ہے جبکہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ نہ ہوں حالانکہ

(باقی صد ۲۸۱ پر)

لہ ؎ میں نے کہا ہر ایک سر جھکتا ہے کیوں در پر تیرے
حق نے کہا وہ سر نہیں جس میں نہیں سودا مرا ۔
(اعلیٰحضرت بریلوی)

سورۃ انفال

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رَكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ
عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ
بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰۤئِكَةِ

مُرْدِفِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ع

سورہ انفال شریف مدنیہ ہے اور اس کی چھہتر آیات ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مبارکہ مکیہ ہے (صحیح پہلا قول ہے)۔ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا

ترجمہ: اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ و رسول ہیں تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ و رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا پڑے برا مانیں مجرم جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے اوپر تو اللہ نے نہ کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لئے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ آپ سے اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں یہ سوال استفتائی ہے اس لئے اُسے عن استعطائی سے متعدی کیا گیا ہے جیسے وہ کبھی بلا لفظ عن متعدی ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے سألتہ درہما۔

قاعدہ (۱) جب سوال اس معنے کے انتفتا کے لئے ہو جو معنے نفس مسئول عنہ میں ہوتا ہے تو اس وقت فعل سوال عن سے متعدی ہوتا ہے جیسے سل ان جہلت الناس عنی وعنہم (ترجمہ) اگر تمہیں بے خبری ہے تو میرے اور اُن کے متعلق لوگوں سے پوچھ لے۔

قاعدہ ② کبھی میلان وغیرہ کے معنے میں آتا ہے تو بھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسے مثال مذکورہ میں ہے النفل بمعنے الزیادۃ ۔

سوال یہ غنیمت کے معنے میں کیوں مستعمل ہوتا ہے ؟

جواب ۱ جہاد کا اصل مقصداً اُخروی اجر و ثواب ہے لیکن اسے دنیا میں جہاد کی وجہ سے مال غنیمت ملتا ہے گویا یہی زائد شے اسے ملی ہے اس لئے کہ مجاہد کا اصل مقصد مال غنیمت نہیں ۔ ۔

جواب ۲ چونکہ یہ غنیمت صرف اس امت کو نصیب ہوئی ورنہ سابقہ امتیں غنیمتوں سے محروم تھیں بلکہ آسمانوں سے آگ آکر اُن کی غنیمتوں کو کھا جاتی ۔ بنا بریں اس امت کی خصوصیت کے پیش نظر مال غنیمت کو نفل سے تعبیر کیا گیا ۔

فائدہ فرائض کے ماسوا باقی دیگر نمازوں کو نفل کہا جاتا ہے ۔ اولا د کی اولاد کو بھی نفل سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح جہاں خطرہ ہو امام اعلان فرما دے کہ جو اسے سر کرے گا اسے اتنا انعام ملے گا ۔ اس انعام کو بھی نفل کہا جائے گا اس لئے اسے وہ حصص مال غنیمت سے ایک زائد حصّہ ملے گا ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ بدر کی جنگ سے مالِ غنیمت کے متعلق اہلِ اسلام کا اختلاف ہوا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے گا اور کہاں خرچ ہو گا اور کن کن لوگوں کو دیا جائے گا اس کی تولیت مہاجرین کے سپرد ہوگی یا انصار یا سب اس کے متولی ہیں اُن کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

(بقیہ صفحہ ۲۷۸)

اب تو وہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہیں ۔ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وہ اللہ تعالیٰ کو حلول و اتحاد و اتصال سے منزہ مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ نہیں اور نہ بندہ اللہ تعالیٰ ہے بلکہ وہ ذات تو وہی ہے جو ازل میں تھی جبکہ کوئی شے نہ تھی؟ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ اس کے لئے وہ ازل و ابد سے وجود و عدم میں سجدہ کرتے ہیں یعنی ازل سے عدم میں اس کے لئے فرمانبردار اور تابع احکام اور اس کے تصرفات اعدام و ایجاد و القاء کی قدرت کے جمیع احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں ۔

فراغت صاحب رُوح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورہ اعراف کی جمیع آیات کی تفسیر و تاویل سے عشر اوّل صفر المظفر ۱۱۰۱ھ میں فراغت پائی اور فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ کو اس سورہ اعراف کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۷ ر جمادی الآخر ۱۳۹۶ھ بروز جمعۃ المبارک قبل صلوٰۃ الجمعہ فراغت نصیب ہوئی ۔

وما توفیقی اِلّا باللہِ العلی العظیم فصلی اللہ تعالیٰ حبیبہِ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہٖ وَاَصْحَابِہٖ الّذین اقاموا دِینِہِ القویمۃِ

فائدہ یَسْئَلُوْنَکَ کی ضمیر غائب اصحاب بدر کی طرف لوٹتی ہے۔
سوال اُن کا نام کہیں آیا نہیں تو پھر ضمیر لوٹانا کیسا؟
جواب چونکہ معنے کے اعتبار سے اصحاب بدر متعین ہو چکے ہیں اس اعتبار سے (صراحتًا) اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں اب معنٰی یہ ہوا کہ غنیمتوں کے بارے میں آپ سے استفسارًا پوچھتے ہیں۔
قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج فرمائیے کہ مال غنائم صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جس طرح اس کا حکم ہو اسی طرح اُسے تقسیم کرو۔ البتہ اُس کے نائب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے وہ جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں تم اس میں رائے زنی مت کرو۔

نکتہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم گرامی محض بزرگی کے طور لیا ہے ورنہ غنائم کی تقسیم اور اس کا مصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائیں گے اس لئے اصل مقصود انہی کا ذکر خیر ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ سے ڈرو۔ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اور آپس میں صلح صفائی رکھو۔

حل لغات
(۱) ذات البین ہر وہ احوال جو لوگوں کے مابین کھلم کھلا واقع ہوں۔
(۲) ذات الصدور ہر وہ اُمور جو دل ہی دل میں ہوں۔
(۳) ذات الانا ہر وہ شے جو برتن میں ہو از قسم طعام یا پینے کی اشیاء چونکہ ہر وہ شے جو برتن وغیرہ میں حلول کر کے اُس کی مصاحبت اختیار کر لیتی ہے اس لئے اس شئے کو صاحب محل الشئ و ذروہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں اسقنی ذا نانک "مجھے اس برتن والی شے پلایئے" یعنی وہ پانی جو اس برتن میں ہے۔ اب آیت کے جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے جملہ اُمور میں راضی خوشی ہو کر گذارو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن طریقہ سے رزق سے نوازا ہو تم اسی پر خوش رہو اس لئے کہ تمہارے اُوپر اس کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ دراصل واقعہ یوں ہوا کہ نوجوانوں نے کہا کہ جنگ میں ہم نے جان کی بازی لگائی ہے تو مال غنیمت حاصل ہوا فلہذا اس کے حقدار صرف ہم ہیں اس سے بوڑھوں کا کوئی حق نہیں جبکہ وہ خیموں میں عیش وآرام کرتے رہے اسی طرح ان سرداروں کو بھی کچھ نہ ملنا چاہیئے جو صرف جھنڈے کے نیچے پھرتے رہے۔

فائدہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی جبکہ ہم بدر کی فتح کے بعد مال غنیمت میں جھگڑے اور ایک دوسرے کو سخت سُست بھی کہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ جھگڑا یوں مٹا دیا کہ حکم فرمایا یہ مال صرف میرے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے وہ جیسے اور جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مال نوجوانوں اور بوڑھوں میں برابر تقسیم فرمایا۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اللہ تعالیٰ اور ان کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو جس طرح وہ فرمائیں اُن کے امرونہی کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۰ مذکورہ بالا سۃ امور پر عمل کرو اگر تم مؤمن ہو۔

سوال ان کے ایمان کو مذکورہ بالا ہر سہ اُمور سے کیوں متعلق کیا حالانکہ وہ تو صرف اطاعت اللہ ورسولہ سے متعلق ہوتا ہے؟

جواب اس سے ایمان کا کمال مُراد ہے وہ اس طرح کہ اگرچہ ایمان اطاعۃ اللہ ورسولہ کو حق ماننے اور اس کی حقیقت پر عقیدہ رکھنے کا نام۔ لیکن اس کا کمال اعمال صالحہ سے ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ امور مذکورہ بالا پر عمل کرو۔ اگر تم کامل الایمان ہو۔ اس لئے کہ ایمان کا کمال ان ہر سۃ اُمور مذکورہ بالا سے متعلق ہے۔

مسئلہ بار بار سوال کرنے سے مسؤل عنہ تنگدل ہوجاتا ہے اس لئے خواہ مخواہ اور بار بار کے سوالات سے احتراز کیا جائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چند امور حرام فرمائے ہیں وہ امور یہ ہیں۔

① حقوق الامہات (ماؤں کی بے فرمانی)۔
② بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔
③ مباح شئے نہ دینا۔ اور خواہ مخواہ دوسرے سے ہر شئے مانگنا۔
④ بلاوجہ زیادہ گفتگو۔
⑤ کثرت سوال
⑥ مال ضائع کرنا۔

شرح حدیث المذکور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔

سوال حدیث میں صرف ماں کا ذکر ہے تم نے باپ کا کیسے بڑھایا؟

جواب ① قاعدہ ہے کہ دو ایسی چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں انمیں ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود مذکور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ میں ضمیر واحد لوٹا ہے اس سے اس قاعدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

جواب ② چونکہ ماں کے حقوق زائد ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بچے کی خدمت میں زیادہ دکھ اور تکلیف اُٹھاتی ہے اس لئے اہمیت کے طور صرف اسی کا ذکر کیا گیا۔ حدیث شریف مذکور میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکا۔

گیا ہے اس لئے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے زندہ دفنا دیتے اس خیال پر کہ نسل انسانی زیادہ ہو گی تو معاش کا معاملہ تنگ ہو جائے گا (جیسے آج کل ہمارے جدت پسند اور مغربیت زدہ لوگوں کا خیال ہے اس وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں) اور دوسرا اس خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے کہ وہ نہ ہوں نہ کسی کو داماد بنانا پڑے اور اسے ننگ و عار سمجھتے کہ اپنی لڑکی کسی کے نکاح میں دیں وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں المنع سے ان اُمور کی ممانعت مراد ہے کہ جن کی ادائیگی واجب یا مستحب ہے۔ اور ھات سے وہ اُمور مراد ہیں جن کا ارتکاب مکروہ یا حرام ہے۔ اس میں بلا وجہ یا قصد ثواب کی گفتگو سے ممانعت کی گئی۔ اس لئے کہ ناجائز گفتگو دل میں قساوت پیدا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں کثرت سوال سے بھی رد کا گیا ہے۔

فائدہ لوگوں سے دنیوی اموال مانگنے اور لایعنی سوالات سے ممانعت ہے (کذا قال ابن الملک)۔

حدیث شریف میں مال ضائع کرنے سے نہی فرمائی گئی ہے۔ گناہوں میں مال خرچ کرنا اس میں شامل ہے فضول خرچی کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہوئی۔ مثلاً جو لوگ روزمرہ کے اخراجات یا مکانات کی تعمیر یا لباس میں اسی طرح بچھونے وغیرہ اور برتنوں پر سونے چاندی کی ملمع سازی اسی طرح تلوار وغیرہ پر سونے چاندی کے کام میں فضول خرچی کرتے ہیں وہ سب اسی میں شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکثرت سوالات کئے تو آپ نے فرمایا ذرونی ما ترکتکم فانہ انما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیاءھم مجھ سے سوال نہ کرو جبتک میں تمہیں خود نہ بتاؤں۔ پہلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام پر بکثرت سوال اور اُن سے اختلاف کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کثرت سوال میں سے ایک یہی سوال یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ بھی تھا۔ اور اُن کا سوال اس ارادہ پر تھا کہ مال غنیمت صرف انہیں حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی آرزو کے خلاف حکم صادر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمتوں کے متعلق جس طرح چاہیں کریں۔ تم اے صحابیو! اپنے ارادہ پر نہ چلو اور نہ ہی ان پر سوالات کرو بلکہ اپنے دین کی خاطر اُن کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور دنیوی حرص ترک کر دو تاکہ تمہارے دینی اعمال دنیوی اغراض میں نہ مل جائیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ماسوای اللہ کے تعلقات منقطع کرنے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اور اپنے گندے عادات اور برے ارادے ترک کر کے اچھے ہو جاؤ یعنی اپنے سے حرص علی الدنیا اور حسد علی الاخوان و دیگر مذموم صفات دُور کر دو تاکہ وہ گندے صفات تمہارے قلوب پر اثر انداز ہو کر تمہارے نور ایمان کے لئے حاجب نہ ہوں۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ جل جلالہٗ اور رسول اکرم صلی اللہ

کے احکام کے سامنے سر جھکا دو اُن کے اوامر بجالاؤ اور ان کے نواہی سے بچو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ اگر تم تحقیقی مؤمن ہو۔ تقلیدی مؤمن ہو تو پھر تم جانو۔ مؤمن حقیقی وہ ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قلم عنایت سے خود ایمان کو لکھا اور اپنے رُوحِ خاص سے اُس کی تائید فرمائی۔ ایسا شخص نورِ ربانی پر ہوتا ہے۔ مثنوی میں ہے۔ ؎

بود گبرے در زمان با یزید
گفت اورا ایک مسلمان سعید

کہ چہ باشد گر تو اسلام آدمی
یا بیابی صد نجات و سروری

گفت ایں ایمان اگر ہست اے مزید
آنکہ دارد شیخ عالم بایزید

من ندارم طاقتِ آں تاب آں
کاں فزوں آمد زکوشش ہائے جاں

گرچہ در ایماں و دیں ناموختم
لیکن در ایمان او بس مؤمنم

مؤمن ایمان اویم درنہاں
گرچہ مہرم ہست محکم در دہاں

باز ایماں اگر خود ایمانِ شماست
نے بداں میلستم و نے مشتہاست

آنکہ صد میلش سوئے ایماں بود
چوں شمارا دید زاں فاتر شود

زانکہ نامی بیند و معنیش نے
چوں بیابی با مفازہ گفتنے

خلاصہ حکایت مذکور

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے زمانہ میں ایک کافر کو کسی نے کہا مسلمان ہو جا۔ اس میں نجات ہے

اُس نے کہا ایمان سے اگر بایزید کا ایمان مراد ہے تو اس پر میرا ایمان ہے اگرچہ میں زبان سے نہیں کہتا لیکن میرا دل مانتا ہے اگر ایمان سے تمہارا ایمان مراد ہے تو اُس سے میرا اسلام اس لئے کہ تمہارے حالات دگرگوں ہیں بلکہ تمہارے ایمان کو کوئی دیکھے گا تو صد نفرین پڑھے گا۔ اے اللہ ہمیں ان محققین سے بنا جو حقائق ایمان سے واقف ہیں اور ہمیں عرفان واحسان کے مراتب سے ہمکنار فرما (آمین)۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کامل اور مخلص فی الایمان وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ جن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے (تو) وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ تو ان کے دل ہیبت جلال اور عظمت مولی لایزال سے ڈر جاتے ہیں۔

فائدہ ایسا خوف اہلِ کمال کو لازم ہے خواہ وہ ملک مقرب ہو یا نبی مرسل یا مؤمن کامل بخلاف خوف عقاب کے کہ وہ ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے بلکہ گناہ کے ملاحظہ سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عقاب گناہگاروں کو سنایا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ عقاب ہمارے گناہوں کا انتقام ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارادہ کرے تو اسے کہا جاتا ہے "اتق اللّٰہ" اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ یہ سُن کر وہ گناہ کے انتقام پر عقاب الٰہی سے ڈرتا ہوا گناہ سے بچ جاتا ہے اسی طرح گناہ کے ارادہ کرنے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دیگر صفات وافعال قہاریہ جاریہ کا ذکر نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہیبت اور اس کے عظیم شان کے تصور سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ دل کے نور سے منور ہونے کی شان یہ ہے کہ وہ نورِ دل کو رقیق بنائے اور صفات نفس اور اس کے کدورات وظلمات سے اُسے صاف وستھرا کرے اور اس کی سختی دور فرمائے اس کی علامت یہ ہے کہ نورانی دل ذکر الٰہی سے نرم ہو جاتا ہے بلکہ اسے ہر گھڑی شوقِ الٰہی دامنگیر رہتا ہے۔ یہ مبتدیوں کے متعلق ہے اور منتہیوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انہیں ذکر الٰہی سے اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے۔

حکایت اسلام میں نئے لوگ شریک ہوتے تو قرآن مجید سُن کر روتے آہیں بھرتے۔ گریہ وزاری کرتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں ہماری بھی یہی کیفیت تھی لیکن اب ہمارے دل سخت ہو گئے۔

فائدہ اس سے وہ سختی مراد نہیں جو عام مشہور ہیں بلکہ قسادۃ قلبی سے مراد یہ ہے کہ ہمارے دل اطمینان وسکون کے انتہائی مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اب گریہ وزاری ہمارے قلوب کو لاحق نہیں ہوتا۔

وَاِذَا تُلِیَتْ اور جب پڑھی جاتی ہیں عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی جب وہ قرآن مجید کے اوامر ونواہی اور دیگر مضامین سنتے ہیں زَادَتْھُمْ تو بڑھا دیتی ہیں اِیْمَانًا اُن کے ایمان اور یقین اور اُن کے نفوس کے اطمینان کو یہ اسناد مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد

مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالی بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد ہے اس لئے کہ دلائل اور د
براہین کی پختگی اطمینان قلبی وقوۃ یقین میں اضافہ کرتی ہے۔

مسئلہ حضرت علامہ تفتازانی ان کی اتباع میں مولانا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس تصدیق زیادہ و نقصان اور اضافہ کو قبول کرتی ہے تاکہ انبیاء علیہم السلام اور ارباب مکاشفات اور عوام امت کے یقین کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے اس لئے حضرت علی المرتضے شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوکشف الغطاء ما ازددت یقیناً اگر پردے کھل جائیں تو میرے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح فرق ہو۔ ان مسائل کے درمیان کہ کسی کے ثبوت میں صرف ایک دلیل ہوتی ہے اور کسی پر دلائل کثیرہ ہوتے ہیں۔

فائدہ تفسیر کاشفی میں ہے کہ حقائق سلمی میں ہے کہ تلاوت قرآن مجید کی برکت سے دل کے اندر ایک نور یقین پیدا ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نور یقین سے طاعت الٰہی کے لئے دل کو شوق ہوتا ہے۔ بحرالحقائق میں لکھا ہے کہ ایمان حقیقی ایک نور ہے کہ دل کے دریچہ کی وسعت کے مطابق دل میں چمکتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے دل کے دریچہ میں کشادگی پیدا ہوتی ہے بنا بریں نور ایمان اس پر اسی وسعت کے مطابق چمکتا ہے جس کی وجہ سے وہ حضرات جمال الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ اور اپنے اللہ تعالی پر یعنی مالک اور بندوں کا جملہ امور کا تدبیرہ کنندہ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ توکل کرتے ہیں یعنی اپنے جملہ امور میں اسی کی طرف سپرد کرتے اور صرف اسی سے ڈرتے اور صرف اسی پر امید رکھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اپنے رب کریم پر توکل کرتے ہیں نہ کہ دنیا اور اس کے اہل پر اس لئے کہ جو لوگ نور ایمان سے حق کے جمال وجلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ شہود حق کے بحر بے کنار میں غوطہ زن ہو کر کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں اس شہود کے استغراق سے فراغت ملتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں جملہ موجودات جلال الٰہی کے مشاہدہ سے لاشئے نظر آتے ہیں اس لئے انہیں صرف اللہ تعالی پر بھروسہ ہوتا ہے نہ اس کے غیر پر۔

(۱) ہرکہ او در بحر مستغرق شود
فارغ از کشتی واز زورق شود

(۲) غرقہ دریا بجز دریا ندید
غیر دریا ہست برفتے ناپدید

ترجمہ: (۱) جو دریا میں غرق ہوتا ہے اسے کشتی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

② غرق شدہ دریا کا دریا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا سوائے دریا کے اس کے ہر شے ناپدید ہے (ظاہر نہیں)

ربط وہ اعمال حسنہ جنہیں اعمال قلوب سے تعلق ہے (جیسے خشیہ اور خوفِ الٰہی جو جلال عظمتِ الٰہی کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے) اسی طرح اخلاص و توکل) کا ذکر کیا اب ان افعال جوارح کا ذکر فرمایا جن پر اعمال قلوب کا دارومدار ہے جیسے نماز صدقہ وغیرہ اس لئے فرمایا اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی وضو کر کے اوقات مقررہ پر خشوع وخضوع سے رکوع وسجود کی صحت کا خیال کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ جملہ مرفوع ہے اس لئے کہ یہ موصول اوّل کی صفت ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اور جتنا مال ودولت ہم نے انہیں عنایت فرمائی ہے اس سے یُنْفِقُوْنَ ہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ نماز و زکوٰۃ کی تخصیص صرف اہمیت وعظمت کی وجہ سے ہے تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ ان کا ادا کرنا ضروری ہے اور مہتم بالشان ہے۔ اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو ظاہری باطنی اعمال کے جامع ہیں۔ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وہی مؤمن ہیں حَقًّا یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو مزین فرمایا لَھُمْ دَرَجٰتٌ اُن کے بہت بلند مراتب ہیں۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ اپنے رب کریم کے ہاں بہت بڑی تعظیم وتکریم ہوگی اور بہت بڑے بلند مراتب ہوں گے اور قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے اعمال کی مقدار میں بہشت میں انہیں بہت بڑے مراتب ودرجات نصیب ہوں گے

قاعدہ لغویہ مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ (الدرجہ) اگر بمعنے المرقاۃ (سیڑھی) ہو تو اس کی جمع درج آئے گی۔ اگر بمعنے المرتبہ والطبقہ ہو تو اس کی جمع درجات ہوگی۔

وَمَغْفِرَۃٌ اور تمہارے گناہ کی مغفرت ہوگی وَرِزْقٌ کَرِیْمٌ اور رزق کریم نصیب ہوگا۔ یعنی وہ بہتر روزی نصیب ہوگی جس میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہیں اُٹھانی پڑے گی اور نہ ہی اس پر کوئی حساب کتاب ہوگا اور نہ ہی اس میں ختم ہوتے اور نہ ملنے کا خوف وخطرہ ہوگا۔ یعنی جیسے دنیا میں ہر ایک کو روزی ملتی تھی اس سے کہیں بڑھ کر اور بہتر آخرت میں ملے گی۔

قاموس میں ہے کہ رزقاً کریماً کثیراً ہے۔ ایسے ہی کہا جاتا ہے "قولاً کریماً سہلاً لینا یعنی اکرمہ و کرمہ عظمہ و نزہہ۔ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "رزق کریم وہ ہے کہ مرزوق اللہ تعالیٰ کے مشاہدات سے ہر وقت بہرہ ور ہو

① تو ز روزی دہ بروزی دامان
از سبب بگذر مسبب ہیں عیاں

② از مسبب میرسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب وسائط اے پدر

(۳) اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود
فرع بیند دیدہ چوں احول بود

ترجمہ (۱) روزی دینے والے پر سہارا کر روزی کا فکر نہ کر سبب سے گذر مسبّب (سبب بنانے والا) کو دیکھ۔

(۲) مسبب سے ہی ہر خیر و شر پہنچتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے اے بزرگ۔

(۳) جب آنکھ کامل تر ہو وہی اصل کو دیکھتی ہے فرع کو وہ آنکھ دیکھتی ہے جو بھینگی ہو۔

فائدہ تمام عباداتِ جسمانی سے نماز افضل اور تمام عباداتِ مالی سے صدقہ افضل و اکمل ہے۔ (کذا فی المجالس المحمودیہ)۔

حکایت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا قمیص مبارک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دے کر فرمایا کہ اس کے عوض صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ جو کچھ چاہیں خرید دیں۔ وہ قمیص مبارک چھ درا ہم میں بیچا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ قمیص بیچ کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک سائل نے سوال کیا تو آپ نے اسے یہ چھ درہم دے دیئے اس کے بعد آپ کو ایک شخص ملا جو اونٹنی لے کر جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے ادھار کے طور پر ساٹھ دینار میں خرید لی۔ اس کے بعد آپ کو ایک اور شخص ملا جو اونٹنی کا خریدار تھا آپ نے اُسے وہی اونٹنی ساٹھ دینار اور چھ درا ہم میں بیچی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب اونٹنی کی رقم نقد مل گئی ہے فلہٰذا ادھار والے کو قرضہ دیدوں۔ آپ نے اسے بہت تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جا کر واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سائل تو رضوان جنت تھا اور اونٹنی بیچنے والے جبریل علیہ السلام اور خریدنے والے میکائیل علیہ السلام تھے۔

فائدہ اس حکایت سے صدقہ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔

عالم باعمل کی فضیلت حضور سرورِ عالم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار اشخاص بغیر حساب و کتاب بہشت کے دروازہ پر جائیں گے۔

(۱) وہ حاجی جس نے شر و فساد سے محفوظ ہو کر حج کیا۔

(۲) وہ شہید جو معرکۂ جنگ میں مارا گیا۔

(۳) وہ سخی جس نے سخاوت کے وقت ریا سمعہ کو دخیل نہ ہونے دیا۔

(۴) وہ عالم دین جس نے علم کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہر چہار بہشت کے دروازہ پر پہنچ کر بہشت کے اندر داخل ہونے پر ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر فیصلہ فرمائے گا جبریل علیہ السلام تشریف لا کر پہلے شہید سے فرمائیں گے کہ تم کس عمل کے بل بوتے بہشت میں سب سے پہلے داخل ہونے کی

امید رکھتے ہو۔ شہید کہے گا میں معرکۂ جنگ میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر مارا گیا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ جو شخص شہید ہو جائے وہ سب سے پہلے بہشت میں جائے گا۔ شہید کہے گا میں نے علمائے کرام سے ایسے ہی سُنا تھا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے پھر تمہیں تو اپنے استاد صاحب کا ادب لازمی ہے اس لئے عالم دین سے سبقت نہ کیجئے اس کے بعد حاجی اور سخی سے بھی اسی طرح کی گفتگو ہوگی۔ انہیں بھی یہی فرمان ہوگا کہ جاؤ سب سے پہلے بہشت میں۔ وہ وہیں پر عرض کرے گا یا الٰہ العٰلمین مجھے یہ دولت سخی کی سخاوت سے نصیب ہوئی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے سے پہلے ہی سخی بہشت میں داخل ہو۔

عالم باعمل و بے عمل کا فرق

اس میں اشارہ ہے کہ عالم سے باعمل مراد ہے۔ اس لئے کہ انصاف وہی کرتا ہے جس کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہو اور نفس کی اصلاح عمل کے بغیر ناممکن ہے اس لئے عوام کو علمائے ظواہر سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اس لئے کہ صرف علم نجات دہندہ نہیں ہو سکتا ہے اگر کسی کا یہ مذہب ہو تو وہ غلط اور فاسد ہے کیونکہ عالم بے عمل بلکہ عالم فاسق و فاجر ہو تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا اسے جاہل سے بھی زائد عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یقین جانیئے کہ عالم سے باعمل مُراد ہے باعمل عالم ہی قلب کی صفائی کر کے عرفان کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یقین کرنا چاہیئے کہ آیت میں جن حضرات کا ذکر ہوا وہ یقیناً مؤمن ہیں اس لئے کہ صرف انہوں نے ہی اپنے اموال و نفوس راہ حق میں نثار کئے اور عُلائق بدنیہ و مالیہ سے فارغ ہو کر بقاً باللہ کے مراتب کو پہنچے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ انہوں نے ماسوی اللہ یہاں تک کہ اپنے نفوس کو بھی ترک کیا اور ظاہر ہے جس کی یہ حالت ہو کہ ذاتِ حق کی خاطر ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے تو وہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے جمیع مرادات کی انتہائی منزل کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس پر یوں نوازش فرمائے کہ اس کی جملہ مُرادیں پوری فرمائے اور اُس کے جملہ اُمور اس کی آرزو پر مکمل کرے۔

تفسیر عالمانہ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ جیسے تجھے تیرے رب تعالیٰ نے نکالا۔

سوال حضور علیہ السلام کو جنگ کے لئے نکالنے والے کفار تھے لیکن یہاں پر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب فرماتا ہے؟

جواب چونکہ ہر امر کا آمر اللہ تعالیٰ ہے اور ہر فعل کا مسبّب حقیقی وہی ہے مروی ہے کہ جب کفار مکہ مکرمہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ مکہ والوں سے لڑیں۔

مِنْ بَيْتِكَ آپ کے گھر مدینہ طیبہ سے بِالْحَقِّ اَخْرَجَكَ کے مفعول سے حال ہے یعنی آپ گھر سے نکالے گئے درانحالیکہ آپ حق کے ساتھ ملتبس تھے۔

فائدہ یہاں پر حق سے اظہار دین اللہ اور قہراً اعداً اللہ مراد ہے اور کما اَخْرَجَكَ کا کاف اوّل محلاً مرفوع اس لئے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ھٰذہ الحال کما اخرجك الخ اور ھٰذہ الحال سے غنائم کی تقسیم مراد ہے یعنی جیسے آپ مامور من اللہ ہوئے کہ بدر سے حاصل شدہ غنائم کو نوجوانوں بوڑھوں اور آرام سے خیموں میں بیٹھنے والے کے درمیان برابر طور تقسیم فرمائیں اسی طرح جنگ کے لئے آپ کا نکالا جانا امر من اللہ ہے فلہٰذا جیسے تقسیم اُن کی طبع کو ناپسند تھی۔ ایسے ہی آپ کا مخالفین سے مقابلہ کرنا بھی انہیں ناگوار ہے لیکن آپ اسمیں مجبور ہیں اس لئے کہ آپ مامور من اللہ ہیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ اور بے شک اہل ایمان کا گروہ جنگ کو جانے کے لئے ناخوش ہے اُس کی ناخوشی یا جنگ سے طبعی کراہت کی وجہ سے تھا یا اس لئے کہ انہیں جنگ کی حاضری کی استعداد نہیں تھی مالی کمزوری کی وجہ سے یا بوجہ دیگر۔

سوال از شیعہ اگر طبع کی نفرت کراہت تھی تو پھر وہ مؤمن کا ہے کے ہوئے چہ جائیکہ انہیں صحابیت کا درجہ دیا جائے؟

جواب از سنی[1] انسانی فطرت اپنے اختیار سے باہر ہوتی ہے اور طبعی نفرت ایک غیر اختیاری فعل تھا اور غیر اختیاری فعل پر نہ جرم لکھا جاتا ہے نہ گناہ کما قال تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔

غزوۂ بدر کیوں پیش آیا

مروی ہے کہ قریش کا قافلہ بہت مال تجارت سے نفع یاب ہو کر شام کے ملک سے آ رہا تھا۔ اس میں چالیس سوار تھے اس قافلہ میں ابو سفیان اور عمرو بن العاص مخرمہ بن نوفل تھے یہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قافلہ کی خبر دی۔ آپ نے مسلمانوں کو بتایا تو مسلمان بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مفت کے مال کو کون چھوڑتا ہے اس لئے کہ قافلہ کا مال بہت زیادہ اور اس کے نگران بہت تھوڑے ہیں فلہٰذا اس قافلہ کو لوٹنا چاہئے۔

---

[1] مزید جوابات فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" میں دیکھئے۔

یہ کہہ کر تیاری شروع کر دی - ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے ضمیضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا اور ابوجہل وغیرہ کو صورتحال سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ابوجہل کو کہنا کہ قریش مکہ کو صورتِ حال سنا دو اور کہہ دو کہ میرے قافلے کو لوٹنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تیار ہو رہے ہیں تم میں اگر غیرت ہے تو آجاؤ۔ اس خبر نے مکہ والوں کے اندر کھلبلی مچا دی - ابوجہل نے مکہ معظمہ کے لوگوں کو مزید غیرت دلانے کے لئے اور اعلان کیا یا اھل المکۃ النجأ النجأ علی کل صعب و ذلول غیرکم و اموالکم یعنی اپنے قافلہ اور اموال کو جلد سنبھالو ورنہ اگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر قیامت تک نہیں ملے گا اور نہ ہی پھر تمہیں ٹھکانا نصیب ہوگا۔

بی بی عاتکہ کا ایک خواب

بی بی عاتکہ یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ہمشیرہ نے ضمضم بن عمرو الغفاری کے پیغام پہنچنے سے تین راتیں پہلے ایک خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اس نے ایک پتھر شہر مکہ پر پھینکا جس سے مکہ کی تمام آبادی تباہ و برباد ہوگئی۔ بی بی نے اپنے بھائی کو خواب سنایا یعنی حضرت عباس کو۔ انہوں نے اپنے دوست عتبہ بن ربیعہ بن شمس نامی کو۔ اُس نے اپنی لڑکی کو سنایا تو خبر مکہ میں عام ہوگئی۔ اس سے اہل مکہ گھبرا گئے۔ ابوجہل نے حضرت عباس کو عار دلاتے ہوئے کہا "یا ابا الفضل ما یوضی رجالکم ان یتنباء و احتی تنبأت نساءکم" اے ابوالفضل تمہارے مرد عورتوں سے نبوت کے دعویٰ سے خوش ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کے خواب بھی کچھ وقعت رکھتے ہیں کہ جب سے تم نے عاتکہ کا خواب سنا ہے تو گھبرا گئے ہو۔ یہ کہہ کر اہل مکہ کو ابوسفیان کے قافلہ کو واپس لانے کی تیاری میں لگ گیا جب اہل مکہ کے بہادر اور چھوٹے بڑے تیار ہو کر بدر کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں اطلاع ملی کہ قافلہ سلامت بچ کر آ رہا ہے فلہٰذا واپس چلے جانا چاہیئے۔ ابوجہل نے کہا اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے نام لیواؤں کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہم بدر میں ضرور جائیں گے مسلمانوں کو ختم کر کے وہاں جشن منائیں گے اونٹ ذبح کر کے خوب شراب نوشی ہوگی اور سرود گانے وغیرہ کی محفلیں جمائیں گے واپس لوٹنا مردوں کا کام نہیں جبکہ تمام عرب میں مشہور ہو گیا ہے کہ ہم جنگ کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں اگر واپس لوٹیں تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے۔ یہ کہتا ہوا اپنے تمام لشکر کو بدر تک لایا۔

فائدہ بدر ایک کنوئیں کا نام ہے اہل عرب سال میں ایک دفعہ وہاں آکر جشن مناتے۔

بدر کی فتح کا مژدۂ بہار

حضور سرورِ عالم کو جبریل علیہ السلام نے قبل از وقت خوشخبری سنائی کہ آپ کو قافلہ کا مال حاصل ہوگا یا پھر بدر کی لڑائی میں آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ آپ کو ان دو میں سے ایک کا اختیار ہے جسے چاہیں۔ آپ نے اپنے یاروں سے مشورہ لیا کہ ادھر مکہ سے کفار ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے چل نکلے ہیں اور وہ اپنے تمام زور بازو کو یہاں آکر آزمائیں گے۔ لیکن تم بتاؤ لڑو گے یا وہی مال و متاع کا بھرا ہوا قافلہ چاہیئے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ لڑائی سے تو مال و متاع بہتر ہے کون جلئے دشمن

کے منہ میں۔ یہ جواب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناخوشگوار ہوا جس سے آپ کا چہرہ مبارک غصہ آور ہوا پھر فرمایا خدا کے بندے قافلہ تو یہاں سے نکل کر مکہ کی حدود کو پہنچ گیا۔ لیکن بدبخت ابوجہل لشکر لے کر تمہارے سروں پر آ گیا ہے اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ اس سے آپ نے اپنی رائے گرامی کا اظہار فرما دیا کہ اب ہمارے لئے سوائے جنگ و جہاد کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس کے باوجود بھی بعض کے منہ سے وہی نکلا کہ چھوڑیئے حضرت! جانے دیجئے کون لڑتا ہے دشمن کے ساتھ آپ وہی قافلہ والی بات کیجئے۔ آپ اس سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جہاد میں تمہارا فائدہ ہے اس لئے کہ فتح ونصرت کا وعدہ تو منجانب اللہ ہو چکا ہے اب ہم ان دشمنوں کو ضرور مار بھگائیں گے۔ اس سے عالم دنیا میں ہماری بہادری کی دھاک بیٹھ جائے گی اور اسلام کی فتح ونصرت سے کفر کو شکست ہوگی اس سے اسلام کی شان و شوکت کا سکہ ہر دل پر بیٹھ جائے گا۔ یہ فرما کر اُٹھے۔ آپ کے اُٹھنے پر سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اُن کے بعد خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ بھی تیار ہو گئے اور عرض کی سرکار! آپ اپنے عزم کو پختہ فرمایئے۔ بخدا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بال بچے جان و مال آپ پر قربان ہیں ہمیں جہاں لے جائیں ہم اپنی جان کا آخری قطرہ آپ کے قدموں پر قربان کریں گے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا " اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۔ یعنی جاؤ تم اور تمہارا خدا جا کر دشمنوں سے لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو جب تک جسم میں جان ہے اس وقت تک ہم آپ کے اشاروں پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر تبسم فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے انصاریو! تم بتاؤ کیا تم میری معاونت کرو گے یا نہیں یہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوگی تم اپنے دل کی بتاؤ۔ انصار سے خطاب کا مقصد یہ تھا کہ انہوں نے لیلۃ عقبیٰ میں وعدہ کیا تھا کہ آپ جبتک مدینہ طیبہ کے حدود میں رہیں گے آپ پر کوئی حملہ آور نہیں ہو سکتا اگر آپ پر کسی نے حملہ کیا تو ہم اس سے خود نپٹ لیں گے مدینہ طیبہ کے حدود سے باہر کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ یہ جنگ چونکہ شہر کے حدود سے باہر تھی اس لئے آپ چاہتے تھے کہ انصار سے بھی معاہدہ لیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب سُن کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ ہم سے مخاطب ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اُس نے عرض کی اب تو ہم آپ پر فدا ہو چکے ہیں آپ ہماری جانوں کو جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ انہیں قبول فرما لیں۔ جب ہم نے آپ کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور آپ کے غلام بے دام ہو گئے تو تجدید کا کیا معنےٰ اب اگر ہمیں آپ دریا میں غوطہ لگانے کا فرمائیں تو ہم سوچے بغیر دریا میں چھلانگ لگا دیں گے اور یہ صرف میں نہیں کہہ رہا بلکہ انصار کا بچہ بچہ کفن بردوش ہے۔ اور اس سے دل تنگ ہو کر نہیں بلکہ اس میں ہمارا دل ٹھنڈا ہوگا اور اس کو ہم اپنی آنکھوں کا نور سمجھیں گے۔ اب دیر کیا ہے چلئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ تقریر سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا

سیرو اعلی برکۃ اللہ" چلو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وَأَبْشِرُوْا فان اللہ وَعَدَنی احد الطائفین واللہ لکأنی الان انظر الی مصارع القوم" اور تمہیں مبارک ہو کہ میرے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ان دونوں (قافلہ یا فتح ونصرت) میں سے ایک کا وعدہ فرمایا اور یقین کرو میں ابھی سے دشمنوں کے مرنے کے مقامات[1] دیکھ رہا ہوں۔ آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر سے اس لئے نکالا تاکہ آپ قافلہ کا تصور چھوڑ کر دشمنوں پر حملہ کرنے کی سوچیں۔ اگرچہ اس سے آپ کے بعض ساتھی اظہار کراہت کر رہے تھے لیکن آپ نے اپنے عزم کا جزم فرمایا۔

تفسیر عالمانہ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے۔ وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل کیا جائے اور فرماتے کہ دشمنوں سے جہاد کرکے ان پر فتح ونصرت اور غلبہ پایا جائے۔ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ يُجَادِلُوْنَكَ کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ما مصدریہ ہے۔ یعنی باوجودیکہ آپ نے انہیں بتادیا کہ فتح ونصرت اور غلبہ تمہیں نصیب ہوگا۔ جو ان دونوں امور میں سے جسے چاہیں۔ لیکن وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل ہو اور وہ آپ سے یہی منوانے اور کہتے کہ ہم صرف قافلہ کا مال حاصل کریں گے اور آپ ہمیں جنگ وجدل کے لئے مجبور نہ کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک گروہ تو اس لئے جنگ سے اظہار کراہت کرتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر نہ جائیں۔ دوسرا گروہ جنگ سے کراہت کی وجہ سے رکاوٹ ڈالتا۔ كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ۔ یہ کاف محلاً منصوب ہے اور لکارھون کی ھم ضمیر سے حال ہے یعنی گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں جو موت سے گھبراتے اور نفرت کرتے ہیں۔ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ یہ یساقون کی ھم ضمیر سے حال ہے یعنی اُن کا حال یہ تھا کہ وہ موت کے اسباب دیکھتے تھے۔ گویا اُسے وہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں۔

ازالہ وہم اس سے شیعہ کو وہم ہوگا کہ ان لوگوں نے جنگ سے لیت ولعل کیوں کی۔ حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت وہ جنگ کے اسباب سے بالکل فارغ تھے نہ ہتھیار نہ تلوار اور جنگ کے لئے سواریاں بھی نہ تھیں حالانکہ یہ دونوں امر جنگ کا اہم جزو تھے اور خصوصی وجہ یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی ورنہ عرب کی بہادری اور شجاعت ضرب المثل تھی اور لڑائی تو ان کا فطری جوہر تھا۔ پھر ڈر کاہے کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوق کا اظہار فرمایا تو جان نثاری کی وہ مثال قائم فرمائی جس کی نظیر نہ سابقہ امم میں ملے اور نہ بعد کو ملنے کا امکان ہے۔

اعجوبہ غزوہ بدر کی روانگی کے وقت تین سو تیرہ بہادروں کا لشکر روانہ ہوا جنمیں صرف دو سواریوں والے تھے۔

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت کہتے ہیں علم غیب اور یہی ہے "علم ما فی الغد" جسے وہابیہ شرک اور کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اُویسی غفرلہٗ۔

یعنی حضرت زبیر وحضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور باقی پیدل اور کفار کے ستر سوار اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور لشکر کفار کئی گنا زائد تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جذباتِ عنایت سے تحقیقی ایمان والوں کو وطن بشریت سے نکال کر اپنے قُرب خاص میں جگہ دی جیسے آپ کے رب کریم نے آپ کو وجود سے حق کے ساتھ نکالا۔ یہاں پر حق سے وہ تجلی صفات جمال وجلال مراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو نصیب ہوئے وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ یہاں پر مؤمنین سے قلب ورُوح مراد ہیں یعنی تجلی کے وقت فنا سے ہر ذی وجود گھبراتا ہے۔ يُجَادِلُونَكَ یعنی روح وقلب آپ سے جھگڑتے ہیں۔ فِي الْحَقِّ حق کے آنے کی وجہ سے بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ بعد حق کے ظہور کے فنا سے کراہت کرکے كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ گویا وہ فنا کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

① شیرِ دُنیا جوید اشکارے وبرگ
شیرِ مولیٰ جوید آزادی ومرگ

② چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود
ہمچو پروانہ لبوز اند وجود

③ کل شیءٍ ھالک جز وجہ او
چوں نۂ در وجہ او ہستی مجو

④ ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شۓ ھالک نبود جزا

⑤ وانکہ در الّاست او ازلاگذشت
ہر کہ در الّاست او فانی نگشت

ترجمہ ① دنیا کا شیر شکار و اسباب کا متلاشی ہے اور شیر حق آزادی اور موت کا طالب ہے۔
② چونکہ وہ موت میں بے شمار وجود دیکھتا ہے اسی لئے پروانہ کی طرح اپنے وجود کو جلاتا ہے۔
③ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا باقی ہر شے کو فنا ہے جب تو نیست ہے تو پھر اس نیست سے ہستی تلاش نہ کر۔
④ جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فانی ہوتا ہے اس کی کل شے ہالک جزا نہیں ہوتی۔

⑤ جو اِلّا میں ہے وہ لا سے گذر گیا تو اِلّا میں ہے وہ فانی نہ ہوا۔

عقیدہ جیسے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اعتراض حرام ہے ایسے ہی اولیاء کرام کے الہامات واشارات پر اعتراض کرنا بھی جرم عظیم ہے سعادت اسی میں ہے کہ اُن کے ارشادات پر عمل کرنا چاہیئے۔

قاعدہ ہر صاحب وجود کو وجود محبوب ہوتا ہے لیکن اہلِ شہود کو فنا محبوب و مرغوب ہوتی ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ تمام دنیوی لذات سے دُور رہو اور نفس کو گندی اغراض سے پاک وصاف رکھے دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا ہر حکم ہر شئے سے محبوب ترین ہو یہاں تک کہ آل و اولاد اور ماں باپ اپنی جان سے بھی اس ذوق میں زندگی بسر کرے۔

حکایت بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پنجہ ملا کر چل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے ساری کائنات سے محبوب ترین ہیں صرف مجھے اپنا نفس محبوب نظر آتا ہے۔ حضور سرور عالم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب تک مجھے اپنے نفس سے محبوب ترین نہیں سمجھوگے کامل ایمان نہیں ہو سکوگے یعنی ایمان کی تکمیل اس میں ہے کہ میری رضا کو اپنی رضا پر ترجیح دی جائے اگرچہ اس پر جان قربان کرنی پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اَلْآنَ وَاللّٰہِ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ مجھے اپنے نفس سے آپ محبوب ترین ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

فائدہ حضرت ابن الملک فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت اختیاری مراد ہے طبعی نہیں اس لئے کہ طبعی طور انسان اپنی ذات کی محبت پر مجبور ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح دے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی محبت کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دے۔

فائدہ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کو اپنی رضا وخوشنودی پر ترجیح دے اس سے ایثار مراد ہے کما قال تعالیٰ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ جیسے یہ ایثار کسی مؤثر کا محتاج نہیں اسی طرح نبی علیہ السلام کی محبت وایثار بھی کسی مؤثر کی محتاج نہیں۔ اس لئے آپ کی محبت ہر شے پر زائد ہونی چاہیئے۔

نکتۂ صوفیانہ اس سے بڑھ کر صوفیائے کرام کا پروگرام کچھ اور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نفس اپنی طبیعت سے فناپذیر ہو جائے نہ اسے قلب کی خبر ہو اور نہ قالب کی تو پھر اس کی محبت کا کیا معنٰی یعنی جب اسمیں دوئی نہ رہے اور اسے مقام محمود کا مرتبہ نصیب ہو جائے کہ جس کا نہ کوئی انتہا ہے اور نہ غایت

پھراسے اپنی محبت کیسی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے وہی مرتبہ اور مقام نصیب عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اور اے مومنو یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ فرمایا اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ دو گروہوں سے ایک کا یعنی ابوسفیان کے قافلے کو سامان سمیت دوں گا یا ابوجہل کے لشکر پر فتح ونصرت اور غلبہ عطا فرماؤں گا اَنَّهَا لَكُمْ یہ احدی (الطائفتین) سے بدل الاشتمال ہے وعدے کی کیفیت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان دونوں گروہوں میں سے ایک خالص تمہارے لئے ہوگا اور تم اُن پر ایسے مسلط ہوگے جیسے مالک اپنی ملکیت پر تسلط رکھتا ہے پھر جس طرح چاہو انہیں تصرف کرنا وَتَوَدُّوْنَ اس کا عطف یعدکم پر ہے اور یہ بھی (اُذْكُرُوْا) کے امر کے تحت ہے یعنی یاد کرو جبکہ تم چاہتے تھے اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ تمہارے لئے ان دو گروہوں میں سے وہ نصیب ہو جو ذات شوکۃ نہ ہو۔ ذات شوکہ سے وہ گروہ مراد ہے جو جنگ کے لئے تیار ہوکر آرہا تھا جن کا سردار ابوجہل تھا وہ ایک ہزار بہادر جنگی ساتھ لے کر بدر کے میدان کی طرف بڑھ رہا تھا اور غیرت ذات الشوکۃ سے قافلے والے لوگ مراد تھے جو صرف چالیس سوار تھے اُن کا سردار ابوسفیان تھا۔ اُن کی قلتِ تعداد کے پیش نظر بعض صحابہ نے چاہا کہ یہی گروہ ہمیں چاہیئے۔

حل لغات الشوکہ بمعنے تیزی۔ اس سے ہتھیار از قسم تلوار وغیرہ مُراد ہے اس لئے کہ اُن میں تیزی ہوتی ہے جیسے تیر وتلوار وغیرہ ہیں۔ تیر کی نوک کو شوکت کے واحد سے استعارہ کیا گیا ہے اور شوکت ایک کانٹے دار گھاس کو کہتے ہیں جس کے اوپر سوئی کی طرح چبھونے والی شے ہوتی ہے۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اس کا عطف يُوَدُّوْنَ پر ہے اور یہ بھی اُذْكُرُوْا کے حکم میں داخل ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اپنے معمولی گروہ کی پسندیدگی اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کرمیہ تھا اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ یعنی وہ چاہتا تھا کہ حق کا بول بولا ہو۔ بِكَلِمٰتِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حق کو اپنے کلمات سے غلبہ دے۔ کلمات سے جہاد وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ہ اور کافرین کی جڑ کاٹ دے کہ وہ پھر سر نہ اُٹھا سکیں یعنی جب تم چاہتے تھے کہ بلا تکلیف مال و دولت حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ حق کا بول بالا کرے اور دین کو غلبہ دے اور تم دارین کی فلاح وکامیابی حاصل کرلو لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔ یہ لام فعل مقدر مؤخر کے متعلق ہے یعنی اس مقصد جلیل یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے غلبہ اور کفر کے ابطال کے لئے کیا کچھ کیا اس کے سوا اور کوئی غرض وغایت نہیں تھی۔

سوال احقاقِ حق کا ذکر پہلے بھی ہوا اور اب بھی اس سے تکرار لازم آگیا اور وہ فصاحت کے خلاف ہے؟

جواب پہلے احقاق حق سے ہر دونوں ارادوں میں فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے دوسرے احقاق سے بتانا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے ارادے کو ٹھکرا کر جنگ کی آمادگی صرف اس لئے ظاہر فرماتے ہیں کہ کفار سے جنگ کرنے میں اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور کفار مرمٹیں گے۔

سوال حق کا احقاق اور کفر کا ابطال خود پہلے سے ہی ایسے ہے پھر ان کو ان اوصاف سے موصوف کرنے کا کیا معنے؟

جواب اُن کے یہ اوصاف ظاہر کرکے دکھلانا مطلوب ہے تاکہ حق والوں کو اطمینان اور کفر والوں کو خجالت حاصل ہو۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ اگرچہ احقاق اور ابطال باطل سے مجرم یعنی مشرک نہ چاہیں اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ یاد کرو جب تم کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے۔ الاستغاثۃ بمعنے طلب الفوز والنصر والعون۔ جب صحابہ کرام نے دیکھا اب لامحالہ جنگ یہ جانا ضروری ہے تو دعا مانگنے لگے رب انصرنا علٰی عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا" اے اللہ اپنے دشمنوں پر ہمیں کامیاب فرما اے فریادیوں کے فریادرس ہماری فریادرسی فرما۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناز کی ایک جھلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار اور اپنے یاروں کی تعداد تین سو تیرہ سے کچھ اُوپر تو قبلہ کی طرف مُنہ کرکے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ اے اللہ تو نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا اُسے پورا فرما۔ اے اللہ کریم یہ مختصر سی جماعت اگر آج ماری گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا۔[1]

حضور علیہ السلام یہی کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کی ردا مبارک کاندھے شریف سے گر پڑی۔ اُسے اٹھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے کاندھے پاک پر رکھی اور عرض کی "یا نبی اللہ کفاک مناشدتک ربك فانه سيُنجز ما وعدك اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اب بس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔[2]

سوال یہ استغاثہ جس طرح صحابہ کرام نے کیا ایسے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی تو پھر فعل کا اسناد صحابہ کی طرف کیوں؟

---

[1] یہی ناز ہے جس کی نازبرداری اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ ۱۲۔

[2] صدیق اکبر کا یقین ملاحظہ ہو۔ لیکن شیعہ بدقسمتی سے ان پر ناجائز حملہ کرکے اپنا بیڑہ غرق کرتے ہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

جواب حضور علیہ السلام بھی اسمیں شامل تھے ۔ چنانچہ ابھی گذرا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس پر (آمین) کہتے ۔

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اس کا عطف تستغیثون پر ہے اور یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ اَنِّیْ بیشک میں مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ تمہاری ایک ہزار ملائکہ سے مدد کرنے والا ہوں درانحالیکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو تمہاری مدد کے لئے ساتھ ملانے والے ہوں گے یعنی اُن کے سردار آگے آگے اور اُن کے متبعین اُن کے پیچھے پیچھے آنے لگے یہاں تک کہ ایک ہزار کے بعد تین ہزار پھر پانچ ہزار ہو گئے ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ دراصل نا ملا کم اللّٰهُ بانزال الملٰٓئکة عیانا وَمَا جَعَلَهُ الخ تھا یعنی پس ان ملائکہ کو کھلم کھلا نازل کر کے تمہاری مدد فرمائی اور وہ مدد کسی اور غرض پر مبنی نہ تھی ۔ اِلَّا بُشْرٰى صرف تمہاری خوشنودی کے لئے تھی تا کہ تمہیں خوشی ہو کہ تم فتحیاب ہو گے اعم العال سے یہ استثناء مفرغ ہے وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ اور اس امداد سے مطمئن ہوں قُلُوْبُكُمْ تمہارے دل تا کہ تمہارے دل کا وہ خطرہ ٹل جائے کہ ہم قلیل المقدار اور بے سروسامان ہیں ۔

سوال حرف استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا نزول صرف اُن کی بشارۃ تک محدود رہا ۔ اگر یہی بات ہے تو پھر اُسے امداد سے کیا تعلق ؟

جواب یہ بھی ایک قسم کی مدد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل ملائکہ کے نزول سے مضبوط ہو گئے اور اُن کی قلت کثرت سے بدل گئی وغیرہ ورنہ اگر وہ لڑائی کے لئے آتے تو ان کی اتنی کثیر التعداد کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ کافروں کے لئے تو صرف ایک فرشتہ بھی کافی تھا ۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے صرف ایک پر سے لوط علیہ السلام کی قوم کے سات شہر آسمان پر اُٹھا کر زمین پر دے پٹخے ۔ اسی طرح صرف ایک چیخ سے ثمود کی قوم کا تختہ اُلٹ دیا ۔

فائدہ منقول ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر لشکرِ اسلام کے میمنہ میں شامل ہوئے ۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر میسرہ میں شامل ہوا اسمیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے ۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں لڑائی میں شریک رہے لیکن غزوہ احزاب میں حاضر تو ہوئے لیکن لڑائی میں شرکت نہیں کی تھی ۔ اسی طرح غزوۂ حُنین میں بھی صرف شرکت کی ۔

فائدہ مروی ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کی گردن اُڑانے کے لئے تلوار ماری لیکن میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے اس کا سر اُڑ چکا تھا ۔

وَمَا النَّصْرُ علی الاطلاق حقیقی فتح ونصرت نصیب نہیں ہوتی اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ سے یعنی سبب وذریعہ کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے باقی رہا ملائکہ کا نزول یا کثرت عدد اور دیگر جنگی سامان وغیرہ جو سب ذرائع ووسائل ہیں۔ اسمیں ذاتی طور کسی قسم کی تاثیر نہیں ہوتی ان ذرائع واسباب پر فتح و نصرت کے لئے بھروسہ مت کرو اور نہ ہی اُن کے نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے مایوس ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

النصر لیس باجنا ومجندۃ

لکنہ بسعادات وتوفیق

ترجمہ: فتح ونصرت لشکروں کی محتاج نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایات بے غایات پروہ ضرور منحصر ہے إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اس حکم پر نہ کسی کو غلبہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فیصلوں کو کوئی ٹال سکتا ہے۔ حَكِيْمٌ وہ حکیم ہے جس طرح اس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ملائکہ ہر حق والے لشکر کی امداد کرتے ہیں اگرچہ ہم نہ ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور ملائکہ سے مراد عند الصوفیہ قوی روحانیہ غالب مراد ہیں کہ جب وہ کسی جہاد اکبر کے مجاہدہ میں ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے نفوس شریرہ ملغوبہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان کا مقابلہ اُن کے مظاہر کفار بھی نہیں کر سکتے دراصل یہ قوت یقین واطمینان سے نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ بنی اسرائیل کو ملائکہ کے بجائے سکینہ ونصرت کا سبب بنتی۔ سکینہ ایک ساکن ہوا کو کہا جاتا ہے جو دشمن کے قلوب کو اپنی آواز میں لے لیتی۔ اسی کی وجہ سے دشمن پر رعب چھا جاتا تھا۔ اس کا نزول دو صفوں (اہل ایمان وکفر) کے وقت ہوتا تھا۔ یہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا معجزہ اور نیک دل بادشاہوں کے لئے کرامت متصور ہوتی تھی۔

سکینہ کے دیگر معانی معنے مذکور کے علاوہ سکینہ کے دیگر دو معانی اور ہیں۔

① وہ ایک لطیفہ ربانی ہے جو حکمت کے تیار کرنے والے قلب میں ڈالی جاتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے جس سے وہ اسرار کو بیان کرتا ہے اور اس پر رموز ربانی منکشف ہوتے ہیں۔

② ایک قوۃ کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو نصیب ہوئی وہ نور و قوۃ و روح کا مجموعہ تھا کہ اس سے خوفزدہ کو سکون اور غمزدہ کو تسلی واطمینان نصیب ہوتا۔ اُن سے پھر بطور وراثت یہ قوت

مجاہدین فی سبیل اللہ کو نصیب ہوتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

سوال اگر یہی بات ہے تو پھر نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو کفار کے مقابلہ میں شکست کیوں ہوئی؟

جواب بعض مواقع اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اسے ظاہر نہیں فرماتا۔ جس سے غافل تو بے خبر ہیں۔ البتہ اللہ والوں سے وہ حکمت مخفی نہیں ہوتی۔ ؎

ہر خلل کاندر عمل بینی ز نقصان دل ست

رخنہ کاندر قصر بینی از قصور قیصر است

ترجمہ: وہ خلل جو کام میں دیکھتے ہو وہ دل کی خرابی سے ہے وہ خلل جو محل (مکان۔ عمارت) میں ہے وہ بنانے والے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ ہر پچھلا دور پہلے دور کی بہ نسبت تنزل میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جنگوں میں شکست فاش ہوتی ہے بلکہ کافروں کو کہا جاتا ہے ان (اہل ایمان فاجروں فاسقوں کی گردن اڑادو[1]

نکتہ از شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ سے عرض کی گئی آپ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کیا معاملہ تھا کہ خانہ جنگیوں میں گذری اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دور کتنا ترقی پر تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شیخین کے دور میں عثمان رضی اللہ عنہ معاون تھے اور ہمارے دور میں تمہارے جیسے کمزور لوگ ہمارے معاون تھے اب خود ہی سمجھ لو کہ ہمارے دور کی کمی کس وجہ سے ہوئی اور شیخین رضی اللہ عنہما کے دور میں ترقی کس وجہ سے۔

سبق مجاہدین پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تضرع وزاری کریں جیسے غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تضرع وزاری کی تو کامیاب و کامران ہوئے ؎

دعائے ضعیفان امیدوار

ز بازوئے مردی بہ آید بکار

ترجمہ: امیدوار ضعیفوں کی دعا اور بازوئے مردی سے کام بن جاتا ہے۔

---

[1] جیسے ہمارے پاکستان کی جنگ ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت کے لیڈر۔ حکام شراب اور بدفعلیوں میں مست تھے لیکن اس سے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے فتح نے قدم چومے اس وقت صورتحال درست تھی فوج کے سربراہ اور پاکستان کے بڑے بڑے لیڈر خداخوفی اور اعمال و کردار میں صحیح تھے۔ ۱۲ اویسی۔

اِلّا یا ایہا المرءُ الذی فی عسرۃٍ اصبح

اِذا اشتد بک الامرُ فلا تنس الم نشرح

ترجمہ: اے مصیبت میں پھنسنے والے جب تمہیں مصیبت اور دکھ ستائے تو الم نشرح سورہ کو پڑھ لیا کرو اسمیں دکھ اور درد والوں کو بہتر نصیحت کی گئی ہے۔

فائدہ سب سے زیادہ سچا فرمانِ خداوندی اور ارشادِ مصطفوی ہے وہ جس طرح وعدہ فرماتے ہیں پورا کرتے اور ہر طرح کی مدد فرماتے ہیں۔

حکایت اور نسخہ علاج اِمراض حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ فتوحاتِ مکیہ شریف کے باب الوصایا میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک معزز دوست کو کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوگیا (ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں۔ ڈاکٹروں طبیبوں سنیاسیوں سب نے اسے لاعلاج سمجھ کر جواب دیدیا اور کہتے کہ یہ بیماری اس شخص کے رگ وریشہ میں گھر کر چکی ہے اب اس کا کوئی علاج نہیں اور اس پر کوئی دوائی اثر کر سکتی ہے۔ ہمارے دور کے محدث اعظم حضرت شیخ سعد السعود رضی اللہ عنہ نے اس معزز دوست سے بہت افسوس فرمایا ان محدث اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث شریف کے ہر ارشاد پر پختہ ایمان اور تجربہ کامل نصیب تھا اس معزز دوست سے فرمایا کہ اس بیماری کا علاج کیوں نہیں کراتے۔ اس نے عرض کی کہ بہت بڑا علاج کرایا ہے اب اطبأ وغیرہ نے لاعلاج کر کے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت محدث اعظم شیخ سعد السعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اطبأ جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاذق ترین نے سچ فرمایا کہ الحبۃ السوداء انھا شفاء من کل داءٍ کلونجیؔ ہر بیماری کا دوا ہے یہ کوڑھ تیرا بھی منجملہ انہی بیماریوں سے ہے۔ جاؤ کلونجی اور شہد لے آؤ۔ وہ ہمارا دوست کلونجی اور شہد لایا تو محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو آپس میں ملا کر اس بیمار کے تمام جسم پر مل دیا اور تھوڑا سا اُسے کھلا بھی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیمار سے فرمایا کہ غسل کر لو چنانچہ غسل کیا تو وہ کوڑھ والا چمڑا اتر گیا اور نیا بہترین چمڑا ظاہر ہوگیا۔ اطبأ کوڑھی کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور محدث اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک پر یقین و اطمینان کی داد دی۔ اور محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اپنی ہر بیماری میں کلونجی استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں آشوبِ چشم ہوتا تو بھی کلونجی کو پیس کر سرمہ کی طرح آنکھ میں سلائی سے لگاتے تو انہیں آرام ہو جاتا (رضی اللہ عنہ وعنہا)

(باقی صفحہ ۳۰۴)

لہ ایک دوائی ہے جو عام ہر پنساری دوا فروش سے ملتی ہے (ایک مشورہ) اکثر دیکھا گیا ہے کہ پیاز کے بیج جو کہ کلونجی کے بالکل ہم شکل ہوتے ہیں وہ عام پنساری کلونجی کی جگہ دے دیتے ہیں اس لئے اگر کوئی صاحب کلونجی خریدے تو خوب تحقیق کرے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ
السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَٰنِ وَلِيَرْبِطَ
عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِى رَبُّكَ إِلَى
الْمَلَٰٓئِكَةِ أَنِّى مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ ءَامَنُوا ۚ سَأُلْقِى فِى قُلُوبِ
الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ
كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُۥ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ
لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِىَ
الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ
اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَٰفِرِينَ ۝ إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ
وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِىَ عَنكُمْ
فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ: جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں
اس سے ستھرا کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دُور فرما دے اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور
اس سے تمہارے قدم جما دے جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں

کو ثابت قدم رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے اے ایمان والو جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بری جگہ پلٹنے کی تو تم نے انہیں قتل نہ کیا مگر اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی مگر اللہ نے پھینکی اور اس لئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے یہ تو لو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ کافروں کا داؤں سست کرنے والا ہے اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا اور اگر باز آئے تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم بھی شرارت کرو تو ہم بھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر عالمانہ اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرو تو آپ چل پڑے آپ کے ساتھی بھی آپ کے ساتھ چلے جب بدر کے قریب پہنچے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ میں دو شخص ملے آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں قافلہ ملا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں گذشتہ شب کو ملا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے دس مجاھد چل رہے تھے انہوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام ابو رافع دوسرا عبد العقد ابی معیط اسلم نامی تھا۔ دونوں پانی پر مامور تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلم سے تم حال دریافت کرو۔ ابو رافع سے میں پوچھتا ہوں آپ نے ابو رافع سے پوچھا کہ مکہ سے ہمارے لڑنے کے لئے کون کون آرہے ہیں عرض کی سب آرہے ہیں کوئی ایک بھی مکہ میں نہیں رہا آپ نے فرمایا مکہ شریف نے اپنے تمام جگر ہمیں بھجوائے ہیں آپ نے اُس سے پوچھا کوئی اُن میں واپس بھی لوٹا ہے؟ ابو رافع نے کہا ہاں اُبی بن سریق قبیلہ بنی زہری کے تین سو سپاہی واپس لے گیا ہے اس لئے کہ وہ قافلہ کی خاطر آیا تھا جب دیکھا کہ قافلہ صحیح سالم واپس لوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام اخنس رکھا بمعنے "خنس بقومہ" یعنی اپنی قوم سے ہوتا ہے اس کے بعد آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف

(بقیہ صفحہ ۳۰۲)

سبق اطمینان اور قوتِ ایمان انسان کی ہر آرزو پوری کرتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں (بالخصوص ہمارے مادہ پرست دور میں)۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ وہ اسلم سے حالات دریافت کر رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ مکہ سے فلاں بھی آرہا ہے اور فلاں فلاں ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اچانک مار کر فرمایا اسے بدبخت تو جھوٹ بولتا ہے اس ارادہ پر کہ کہیں ہمارے مجاہد بزدل پڑ جائیں ۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا ان صدقکم ضربتموہ اِنْ کَذَبَکُم تَرَکْتُمُوہ وہ بے چارہ تمہیں سچی بات بتاتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اگر وہ جھوٹ بولتا تو اُسے چھوڑ دیتے ۔ اس سے انہیں معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے حالات سے باخبر تھے ۔ ان دونوں سے حالات دریافت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر چل پڑے یہاں تک کثیف اعفر میں اجلال نزول فرمایا ۔ کثیف اعفر سے ریت کا سرخ ٹیلا مراد ہے دہاں اتنی ریت تھی کہ پاؤں رکھتے ہی اس کے اندر چلا جاتا اور وہاں پانی بھی نہ تھا ۔ اور یہ ٹیلا مدینہ طیبہ کے قریب تھا اور کفار نے بدر میں پہلے پہنچ کر مدینہ طیبہ کی مخالف جانب یعنے مکہ کے قریب تر مکان اختیار کیا جو اس مقام اور مکہ کے درمیان صرف ایک وادی حائل تھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات کو سوئے تو صبح کو اکثر جنبی ہو گئے اُن کے پانی نہ تھا اور جہاں پانی تھا وہاں کفار و مشرکین نے قبضہ کر رکھا تھا ۔ شیطان خبیث انسانی بھیس بدل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں پہنچ گیا اور وسوسہ ڈالنا شروع کر دیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیو! تمہارا گمان ہے کہ تم حق پر اور اولیاء اللہ ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہے لیکن پانی کے لئے ترس رہے ہو اور یہاں تک نمازیں بھی بغیر وضو کے پڑھ رہے ہو اور جنابت کی شامت بھی تم پر پڑی ہے اور پیاس سے مر رہے ہو اگر تم حق پر ہوتے تو پانی پر کفار و مشرکین قبضہ نہ کرتے اب تمہیں غم و فکر کرنا ہے ۔ کچھ دیر نہیں تمہارے دشمن تمہاری گردن اڑا دیں گے بچ جاؤ گے تو تمہیں قید کر کے مکہ کو لے جائیں گے ۔ شیطان خبیث کی باتیں سن انہیں بعض صحابہ بہت گھبرائے اور انہیں یہ معاملہ سخت ناگوار گذرا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس شب کو ایسی زوردار بارش برسائی کہ بدر کی وادیاں بہنے لگیں اس سے مسلمانوں نے غسل کیا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اور جانوروں کو پانی پلایا اور اپنی ریتلی زمین میں بڑے حوض بنائے ۔ ریت پانی سے جم کر سمینٹ بن گئی جس سے ان کے رہنے سہنے کی جگہ نہایت بہترین ہو گئی اور کفار کے مرکز کیچڑ سے بھر گئے پکی زمین تھی ۔ بارش کے پانی سے نہایت زبوں حال بن گئی کہ چلتے وقت کفار ڈگمگا جاتے ۔ اس طرح سے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان خبیث کا وسوسہ دور ہو گیا اور جنگ کے لئے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے اور خوشی و راحت سے بھرپور ہو گئے اور کل کی جنگ کے لئے خوب آراستہ و پیراستہ ہونے لگے اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ یعنی اے مومنو! یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نعاس (اونگھ) بنائی ۔ نعاس نیند کی پہلی گھڑی کو کہتے ہیں جبکہ انسان کو نیند پورے طور گھیر لے اور اُسے محیط ہو کر اسے بے حس و بے حرکت نہ بنا لے جسے اردو میں اونگھ کہتے ہیں ۔

اَمَنَۃً مِّنْہُ اس سے امن اور چین کی وجہ سے یہ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ سے جو فعل مرتب ہوتا ہے

مفعول لہ ہے۔ دراصل عبارت یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ فتنعیئون آمنًا کاینا من اللّٰہ تھی۔ یعنی تمہیں اونگھ ڈھانپتی تھی پھر تم امن اور چین سے اونگھتے تھے نہ کہ تھکان یا دوسری وجہ سے۔ مثلاً بوجھل ہونے کی وجہ سے اس تقریر پر مفعول لہٗ اور فعل معلل بہٖ کا فاعل ایک ہوجائے گا اس لئے کہ امن اور چین نعاس سے پیدا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ نعاس میں اشارہ ہے کہ اہل اسلام کو باوجودیکہ سخت گھبراہٹ تھی اور ہر وقت دشمن کفار سے خوفزدہ تھے لیکن ایک ان ہی خوف وخطر چین اور امن سے بدل گیا اور آنکھ جھپکنے میں ان کا حال پلٹا۔ اسے امرِ تکوینی کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے کہا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ اللہ نے جس طرح فرمایا ویسے ہوا۔ ایسے ہی یہاں خوف کو حکم ہوا کُن آمنًا علیٰ محمد وَاَصحابہٖ چنانچہ خوف بھاگا اور امن آگیا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاد میں اونگھ رحمت ایزدی اور نماز میں اگر اونگھ آئے تو شیطان کا حملہ ہے۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیطان کا ایک چاٹنے کا چمچہ اور ایک سرمہ دانی ہے جھوٹ شیطان کا چمچہ اور ذکر الٰہی کے وقت شیطان کی سرمہ دانی ہے۔

وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ اور تمہارے اوپر آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمہیں اس بارش کے پانی سے حدث وجنابت سے پاک کرے وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ اور تاکہ تمہارے سے شیطان کی ناپاکی دور فرمادے یعنی اس کے وسوسہ اور اس کا تمہیں پیاس سے ڈرانا۔

فائدہ رجز سے اُن کی وہ جنابت مراد ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احتلام کی وجہ سے پہنچی اس لئے کہ احتلام شیطان کے وسوسہ اور اُس کے خیال ڈالنے سے ہوتا ہے۔

نسخہ دافع احتلام اور فضیلت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اپنے سینہ پر لکھ کر سویا کرے احتلام نہ ہوگا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیطان بھاگتا تھا اور راہ چھوڑ جاتا تھا۔ جس راہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذر فرماتے[1]۔

وَلِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ الربط بمعنے الشد والتقویۃ۔ یعنی کسی شے کو باندھنا اور مضبوط کرنا اور علیٰ صلہ کا ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل مضبوط کردے لفظ علیٰ لانے

---

[1] معلوم ہوا کہ شیعہ کا نمبر شیطان سے بڑھا ہوا ہے وہ ڈر کر بھاگتا ہے لیکن یہ انہیں گالی دیتے ہیں اس سے وہابی سوچیں کہ جن کے غلام کے نام کی یہ تاثیر ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم پاک میں کتنی تاثیر ہوگی۔ ولکن الوہابیہ قوم یغفلون۔

سے اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کے دِل بھر گئے گویا اللہ تعالیٰ کا ربط اُن کے اُوپر ہوا وَیُثَبِّتَ بِہٖ اور اس بارش کے پانی سے جمادے الْاَقْدَامَ تمہارے قدم تاکہ وہ زمین میں نہ دھنسنے پائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بہ کی ضمیر ربط کی طرف لوٹے اس لئے کہ جنگ میں قدم جمتے ہیں جب کسی کا دل مضبوط ہو اس سے صبر نصیب ہوتا ہے اس سے جرأت ہوتی ہے ؎

دِلا در عاشقی ثابت قدم باش

کہ دریں راہ نباشد کار بے اجر

ترجمہ: اے دل عاشقی میں ثابت قدم ہو کیونکہ اس راہ میں کوئی اجر و مزدوری نہیں ۔

فائدہ صدق و صبر اور دل کی پختگی اور ثابت قدمی سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا پر چھا گئے اور رہتی دُنیا تک اُن کی بزرگی اور شرافت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔[1]

قاعدہ کسی کو اگر کسی پر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ و دیانت سے ۔

حکایت در فضیلت تقویٰ و علم با عمل مروان کے بیٹے عبد الملک کے ہاں حضرت زہری محدث رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اس نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے آپ نے فرمایا مکہ معظمہ سے ۔ اُس نے پوچھا آج کل وہاں کس کی سرداری ہے آپ نے فرمایا عطا ابن رباح کی ۔ اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے پوچھا کہ وہ موالی ہو کر کس طرح سب کا آقا بنا ۔ آپ نے فرمایا تقویٰ و دیانت و روایت حدیث سے اُس نے کہا جس میں یہ اوصاف ہوں اس کے لئے لائق ہے کہ وہ سب کا سردار ہو۔ پھر اُس نے پوچھا یمن کا اب سردار کون ہے ۔ آپ نے فرمایا طاؤس بن کیسان اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں ۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے کہا وہ یمن کا سردار کیسے بنا ۔ آپ نے فرمایا جیسے عطا ابن رباح عرب کا سردار بنا ۔ اُس نے کہا جس میں یہ صفات ہوں وہ ضرور سب کا آقا ہے پھر پوچھا مصریوں کا آقا کون ہے آپ نے کہا یزید بن ابی حبیب پھر وہی سوال دہرایا کہ وہ عربی ہے یا عجمی موالی سے ہے ۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے پھر وہی گفتگو ہوئی جیسے دو پہلے بزرگوں کے متعلق ہوئی اس کے بعد پوچھا اہل شام کا آقا کون ۔ آپ نے کہا مکحول الدمشقی پھر وہی سوالات جوابات ہوئے آپ نے فرمایا مکحول وہ غلام ہے جسے ہذیل قبیلہ کی ایک عورت نے آزاد کیا ہے ۔ اس کے بعد وہی بات ہوئی جو پہلے گذری ۔ اس کے بعد جزیرہ والوں کا سردار کون ہے آپ نے فرمایا میمون بن مہران اس پر وہی سابق گفتگو ہوئی پھر اس سے پوچھا ہمارا آقا کون ہے آپ نے ضحاک بن مزاحم اُن کے بارے میں بھی وہی

---

[1] اور شیعہ حسد سے مرتے رہیں گے ۔۱۲ اویسی غفرلہٗ



سوال وجواب ہوئے اس نے پوچھا۔ اہل بصرہ کا آقا کون ہے آپ نے فرمایا حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما اُن کے بارے میں بھی وہی سوال وجواب ہوئے پھر اُس نے پوچھا کوفیوں کا آقا کون۔ آپ نے فرمایا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ یہاں بھی وہی سوال وجواب ہوا پھر اُس نے کہا اے زہری آپ نے تو پریشان کر دیا کہ ہر جگہ موالی (عجمی) آقا بن بیٹھے ہیں اب خطبات اُن کے پڑھے جائیں گے اور عربی منبروں کے نیچے بیٹھ کر اُن کی غلامی کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ حضرت زہری نے فرمایا اے امیر المؤمنین یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی مرضی لیکن یہ بھی تو ہے کہ جو اس کے دین کی خدمت کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ مخدوم بناتا ہے اور جو دین سے مُنہ موڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وقار میں کمی کرتا ہے۔

فائدہ آیت مجیدہ سے ثابت ہوا کہ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیاس اور بھوک کا خوف شیطان کا وسوسہ ہے جب بندہ اپنے مولا پر پورا بھروسہ کرتا ہے تو اس کے نزدیک شے کا ہونا نہ ہونا یکساں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا مولیٰ خالق ہے تو رازق بھی ہے۔

اعجوبہ شیر تمام جانوروں کے بادشاہ ہونے کے باوجود پیاس اور بھوک پر بہت بڑا صبر کرتا ہے اس کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا اور نہ کسی کا پس خوردہ کھاتا ہے جب وہ شکار سے سیر ہو جاتا ہے تو دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی بھوک کے وقت اسے دوبارہ منہ لگاتا ہے اور جب اس کا طعام سے پیٹ بھر جاتا ہے تو اس پر اکتفا کرتا ہے دوسرے وقت کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتا جس پانی کو کتا منہ لگالے تو وہاں سے پانی نہیں پیتا

سبق مومن کو شیر کے اوصاف سے کم نہ ہونا چاہیئے ؎

علی المرء ان یسعی لتحسین حالہ

ولیس علیہ ان یساعدہ الدھر

ترجمہ: مومن کو اپنا حال سنوارنا لازم ہے اُسے زمانہ کی موافقت کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ مؤمن کی مدد فرماتا ہے مؤمن کامل کی شان یوں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی حسب طاقت بشریہ مدد کرے۔

حکایت آل ساسان کا بادشاہ فیروز بن یزدجرد بن بہرام جب تخت سلطنت پہ بیٹھا تو عدل وانصاف کیا لیکن سات سال تک اس کے ملک میں بارش نہ ہوئی۔ اس نے قانون جاری کیا کہ ہر علاقہ کے دولتمند فقرا (تنگدستوں) کو کھانا کھلائیں اگر کوئی فقیر کسی علاقہ میں بھوک سے مر گیا تو وہاں کے دولتمند کو اس کے عوض قتل کیا جائیگا۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

توانگرا دل درویش خود بدست آور
کہ مخزن زر و گنج درم نخواہد ماند

ترجمہ: اے دولتمند دل درویش کا دل راضی کر کیونکہ یہ زر و درم کے خزانے ہمیشہ نہیں رہیں گے۔
اے اللہ ہمیں مرتے دم تک بخل و کسل سے محفوظ فرما۔

تفسیر عالمانہ اِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

حل لغات الوحی بمعنے القاء المعنے الی النفس من وجہ خفی" پوشیدہ طور کسی کے دل میں کوئی معنے ڈالنا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے کہ جب تیرے رب تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اِنِّی مَعَكُمْ یوحی کا مفعول بہ ہے یعنی بے شک میں بھی تمہارے ساتھ ہوں یعنی امر تثبیت میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور تمہیں تثبیت کی توفیق بخشوں گا۔

سوال یہ خوشخبری تو اس کے لئے ہو جو کسی سے ڈرتا ہو ملائکہ کو تو کفار سے کسی قسم کا خوف نہیں تھا؟

جواب یہ لا تحزن ان اللہ معنا کے قبیل سے ہے کہ یہ خوشخبری ازالہ خوف کے لئے نہیں تھی بلکہ ان کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے تھا چنانچہ لفظ مَعَ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں اُن کا اعزاز تھا تاکہ معلوم ہو کہ صورۃً ملائکہ امداد کے لئے پہنچے ہیں لیکن یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی امداد ہے اس معنے پر یہ معیت اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ کے مشابہ ہوگی۔

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو خوشخبری دے کر ان کی جماعت میں شریک ہو کر اور دیگر ایسے امور کہ جن سے اُن کے دل جنگ کے لئے مضبوط ہوں۔

فائدہ تثبیت سے مواطن جنگ میں اہل ایمان کو ثابت قدمی پہ ابھارنا مراد ہے تاکہ جنگ کے شدائد و تکلیف ان کے وہم و گمان کے تصور سے دور رہوں۔

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ عنقریب میں کافروں کے دل میں ہیبت ڈالوں گا یعنی اُن پر تمہارے سے خوف پیدا ہو جائے گا اس میں ملائکہ کو تلقین کی گئی ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ ملائکہ اہل ایمان کو ثابت قدمی پہ کیسے ابھاریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ انہیں کہو سَاُلْقِیْ الخ فَاضْرِبُوْا پس اے مومنو مارو۔ اس خطاب سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ جنگ میں شریک نہیں بلکہ صرف شامل حال تھے۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کافروں کی گردنوں کے اُوپر اعناق سے مذابح یا سر مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی گردن اڑانے کا حکم اس لئے فرمایا کہ گردن کٹ جانے کا نام قتل ہے گویا استعارۃً یونہی فرمایا۔

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ط اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ "البنان" انگلیاں اور دیگر وہ اعضاء کہ جن پر انسان کے قوام وحیاۃ کا مدار ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے ہر عضو کو اوپر سے نیچے تک ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے اُن کا چہرہ مُراد ہے یعنی اُن کا مدافعہ اور اُن سے لڑائی کرو۔ کما قال التفتازانی الخ

ذٰلِكَ وہ ضرب وقتل اور وہ سزا ان پر واقع ہوئی۔ اس لئے کہ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ جل شانہٗ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کی اور ان پر غلبہ کی ٹھان لی حالانکہ اُن کی کیا مجال کہ اُن پر غلبہ کا تصور کریں۔

شانِ ولایت حضرت الشیخ نے فرمایا کہ اس سے اولیاء اللہ کی مخالفت مراد ہے اور المشاقہ کا مادہ شق ہے اور مشاقہ اس لئے کہ وہ دونوں ہر ایک شق مخالف پر ہوتا ہے جیسے المحادۃ میں ہر دونوں آپس میں حد مخالف پہ ہوتے ہیں۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ کو جو سعادہ وشقاوۃ دنیا وآخرت میں حاصل ہوتی ہے اسمیں اُس کے کسب کو دخل ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرے یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

فائدہ یشاق کو عامل جازم کے وقت ادغام نہ کرنا اہلِ حجاز کی لغت ہے اُن کے غیر ایسے مقام پر بوجہ ہمجنس ہونے دو حرفوں کے پہلے کو دوسرے پر ادغام کرتے ہیں جیسے وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ پڑھا گیا ہے یعنی ایک قاف مشدد کے ساتھ۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ہ اور کافروں کو عذاب ہے ذلکم مبتدا محذوف کی خبر ہے وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ الخ اس کا معطوف علیہ ہے اور فَذُوْقُوْهُ جملہ معترضہ ہے اور مشارٌ الیہ کے ضمن میں جو ضمیر ہے وہ عقاب کی طرف لوٹتی ہے دراصل عبارت، حکم اللہ ذلکم الخ تھا۔ یعنی یہ عذاب تمہیں اسی دنیا میں ملے گا اور عذاب نار تمہیں آخرت میں حاصل ہوگا

سوال عذابِ دُنیا کو فذوقوہ سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب ذوق بمعنے چکھنا اور وہ معمولی طور محسوس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کفار کو دنیا میں جتنا عذاب دیا گیا مثلاً ضرب۔ قتل۔ قید وغیرہ وہ بہ نسبت آخرت کے عذاب کے ایسے ہے جیسے کوئی شے چکھی جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَذُوقُوہُ یعنی دنیا میں صورۃً و معنےً عذاب چکھو۔ صورۃً جیسے ضرب قتل قید و دیگر مصائب و مکروہات اور معنیً جیسے حضرتِ حق کی جُدائی۔ دُوری۔ حجابات۔ قلب کی موت اور بصیرت کا اندھاپن۔ روح کا ضعف اور ضعفِ قوۃ نفس۔ نفس کے صفات کا غلبہ۔ خواہشاتِ نفسانیہ کا ہجوم۔ ایسے اُمور کا حصول جو حق سے ہٹاتے ہیں اور باطل کے قریب لاتے ہیں۔

ملائکہ کا نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں بنائیں اور جھنڈے بُلند کئے اور ہر صف اپنے مقام پہ کھڑی تھی حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹ پر سوار ہو کر دُعا مانگتے تھے اور نہایت عجز و زاری سے اللہ تعالیٰ کو پکار رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اُن کے ساتھ ملائکہ کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ انہوں نے پانچسو فرشتوں کو لشکر کے میمنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا اور میکائیل علیہ السلام اپنے پانچسو ملائکہ کی جمعیت کو صف کے میسرہ پر کھڑا کیا اور فرشتے مسلمانوں کے سامنے انسانی بھیس میں آکر بتلاتے کہ ہم مشرکین کے لشکر کے قریب سے گذرے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ مسلمان اتنے دلیر ہیں کہ اگر وہ ہمارے اُوپر حملہ کر دیں تو ہم تاب نہیں لاسکیں گے ادھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا جب کا فروں نے دیکھا کہ مسلمان ایک آن میں اتنے کثیر التعداد کس طرح ہوئے اس کے باوجود کفار نے لڑائی کی ٹھان لی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضورِ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمارے ہاں قریبی رشتہ داروں کو بھیجئے تاکہ ہم اُن سے مقابلہ کریں۔ حضورِ علیہ السلام نے اُن کے ہاں انصار کی عفرا کے دو بیٹے حضرت عوذ و معوذ کو بھیجا اُن کی ماں عفراؔ اور ان کا باپ حارث تھا۔ یہ بھی جنگ میں اُن کے ساتھ گیا تھا لیکن کفار نے کہا تم واپس چلے جاؤ اور ہمارے ہاں ہمارے قریبی رشتہ داروں کو بھیجو یعنی بنو ہاشم میں سے ہمارے مقابلہ کے لئے آئیں۔ کفار کے للکارنے پر حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میرے مقابلہ میں ولید بن عتبہ آگے کو بڑھا۔ میں نے اس پر حملہ کیا تو اس کا ایک ہاتھ ٹوٹا میں نے بڑھ کر اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد شیبہ بن ربیعہ نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ حضرت عبیدہ نے پھرتی سے دوسرا حملہ کیا تو شیبہ کی ٹانگ توڑ دی اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو للکار کر فرمایا انا اسد اللہ واسد رسولہٖ میں ہوں اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شیر۔ یہ کہہ کر عتبہ پر حملہ کر کے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ابوجہل نے کفار میں تقریر کی اور جنگ پر اُبھارا اور کہا کہ اس معمولی شکست سے مت گھبراؤ۔ دراصل ہمارے ساتھیوں نے عجلت کی جس کا نتیجہ انہوں نے بھگتا۔ یہ کہہ کر یک لخت حملہ کرا دیا۔ اُدھر مسلمان حملہ آور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی۔



اہل بدر کے فضائل انہی بدریوں رضی اللہ عنہم کے حق میں حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اطلع اللہ علیٰ اھل بدر۔ اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو جھانک کر دیکھا یعنی اُن پر نظرِ کرم کی اور انہیں مغفرت کا مژدہ سنایا۔

② فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اور فرمایا کہ اب جو کچھ کرتے جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔[1]

ازالہ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آئندہ غلط کاری اور گناہ وخطا کی اجازت بخشی ہے (معاذ اللہ) بلکہ اعملوا ما شئتم فرما کر ان سے اظہار لطف وعنایت فرمایا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی محبوب سے کہتا ہے اَصنَعَ مَا شِئتَ اس سے اُن کے مراتب علیا کا اظہار مطلوب ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجاہدات کی پیروی کرے تاکہ اُسے بھی ان جیسے مراتب و کمالات نصیب ہوں (نہ شیعوں کی طرح کہ اُلٹا انہیں سب وشتم کرکے اپنا بیڑا غرق کرے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ؎

در رہ نفس کز وسینۂ ما بتکدہ شُد

تیر آہے بکشائیم وغزا اے بکنیم

ترجمہ: نفس کی راہ میں ہمارا سینہ بتکدہ بن گیا پھر ہم آہ کا تیر کھینچکر اس سے جنگ کرتے ہیں۔

اور اہل جزع کے بارے میں فرمایا ؎

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل

کز گلشن تحمل خاری نیسکنی

ترجمہ مجھے ڈر ہے کہ تو اس چمن سے گل کی آستین لے کر نہ لے جائے گا جب تجھے اس کے گلشن کے کانٹے سے حوصلہ نہیں۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں صابرین کی جماعت میں شامل فرما۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اے ایمان والو جب تم کافروں کو دیکھو لقاء بمعنے رویت ہے زحفا کثیر التعداد الزحف بمعنے الابیب کثیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے زحف الصبی زحفا" از باب فتح یہ اس وقت بولتے ہیں جب چھوٹا بچہ آہستہ آہستہ دُبر کے بل چلے اور عرف میں بر اس کثیر

---

[1] یہ ہیں صحابہ وخلفاء راشدین جنہیں شیعہ معاذ اللہ جہنمی اور کافر کہتے ہیں۔ ۱۲۔

التعداد لشکر کو کہا جاتا ہے جو دشمن کی طرف بڑھ رہا ہو۔ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے دُور سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دبر کے بل چل رہا ہے اس لئے کہ وہ چلتے وقت ایک جسم کی مانند نظر آتے ہیں اُن کی رفتار نہایت آہستہ آہستہ محسوس ہوتی ہے اگرچہ وہ فی الواقع دوڑتے چلے آرہے ہوں اور زحفا لقیتم کے مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اے مسلمانو! جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں اور تم تصور کرو ہم تو بالکل تھوڑے ہیں۔ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ تو تم انہیں پیٹھ مت دو۔ چہ جائیکہ بھاگو۔ بلکہ ہمت کر کے ان کا مقابلہ کرو اور اُن سے لڑو اگرچہ تمہاری مقدار بہت تھوڑی ہو تو کیا ہوا اس سے متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جب قلت کے وقت کفار سے لڑنا ضروری ہے تو پھر ان کے برابر مقدار ہونے تک کا انتظار کیسا۔

انتباہ لفظ ادبار لانے میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ جنگ سے بھاگنا اتنا سخت قبیح ہے کہ اُسے ادبار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ تولیۃً کسی شے کو کسی دوسری شے کے قریب لانا۔ یہ دونوں مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اہل عرب کہتے ہیں وَلاہ دبرہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی پیٹھ کسی کی طرف کر دے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا چہ جائیکہ بھاگ جائے یعنی ان کے جنگ کے بڑھنے اور عین جنگ کے وقت۔

قاعدہ يَوْمَئِذٍ بمعنے حِيْنَئِذٍ اس لئے کہ یوم اگرچہ دن کے ابتدائی حصے کو کہا جاتا ہے لیکن وہ یہی جب مطلق ہو اگر اُسے کسی فعل غیر ممتد کے ساتھ استعمال کیا جائے تو وہاں یوم سے مطلق وقت ہوتا ہے۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ مگر لڑائی کے ہنر۔

ہُنر کے طریقے لڑائی میں مخالف کے ساتھ ہنر کے کئی طریقے ہیں۔

(۱) ایک مخالف آگے کو بڑھتا آ رہا ہے دوسرا پیچھے سے مگر پیچھے والا سخت تر ہے تو اس پیچھے والے مخالف کے لئے آنے والے سے منہ موڑ کر پیچھے والے کی طرف جانا۔

(۲) دشمن سے منہ پھیر کر چلے جانے میں یہ ارادہ ہو کہ دشمن سمجھیگا کہ وہ ڈر سے بھاگ گیا وہ مطمئن ہو کر واپس لوٹے تو پیچھے سے اکیلا یا دوسرے چھپے ہوئے ساتھیوں کو لے کر حملہ کرنا یہ خداع الحرب کے باب سے ہے جو مجاہدین عام طور ایسے کرتے رہتے ہیں۔

حل لغات انحرف تحرف ہر دونوں ایک ہیں یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کنارے کو چھوڑ کر دوسرے کنارے کو چلا جائے۔ الحرف بمعنے الطرف والجانب اور متحرفاً حال ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ متلبسا بحال من الاحوال آیۃ حال کانت اِلَّا فی حال کذا۔ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ یا دوسرے

گروہ سے جا ملنے کے لئے یعنی دشمنوں سے اس لئے پیٹھ کر جائے کہ اہل اسلام کی دوسری جماعت وہاں سے قریب یا دُور ہے اسے لے کر دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے تو بھی حرج نہیں۔

مسئلہ مذکورہ بالا ہر دُونوں صورتوں کے علاوہ جنگ کے وقت پیٹھ دے کہ چلے جانا حرام ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ میں پیٹھ دے کر چلے جائے۔

فَقَدْ بَآءَ تو بے شک وہ پلٹا **بِغَضَبٍ** ساتھ غضب کے جو ہونے والا ہے **مِّنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ سے **وَمَأْوٰىهُ** اور آخرت میں اُس کا ٹھکانا **جَهَنَّمُ** جہنم ہے یعنی جنگ کو پیٹھ دے کر اس ارادہ سے کہ جان بچ جائے گی اُسے جان بچانے نے ٹھکانے کے بجائے جہنم کا ٹھکانا نصیب ہوا۔

فائدہ الماویٰ ہر اس مکان کو کہتے ہیں جو انسان کی بود و باش کے لئے ہو۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور وہ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

فائدہ یہ وعید اگر ان تمام لوگوں کو ہے جو کفار کے مقابلہ میں جنگ کے وقت پیٹھ پھیریں لیکن اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو شمار میں کفار سے کم ہوں چنانچہ اس سورہ کے آخر میں فرمایا الان خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو ایک مجاہد تین کافروں سے پیٹھ دے تو اُسے بھاگنا نہیں کہا جائے گا ہاں دو کافروں کے مقابلہ سے ایک پیٹھ دے تو اُسے کہا جائے گا کہ وہ بھاگ گیا یعنی وہ حرام فعل کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ایں چنیں ہوشے کہ از موشے پرید
اندراں صف تیغ چو خواہد کشید

(۲) چالش است آں حمرہ خوردن نیست ایں
تا تو برمالے بخوردن آستیں

(۳) نیست خمرہ خوردن اینجا تیغ
حمزہ باید دریں صف آہنیں

(۴) کار ہر نازک دلے بنود قتال
کہ گریزد از خیالے چوں خیال

۵ کار ترکا نست نے ترکاں بود
جائے ترکاں ہست خانہ خانہ شو

ترجمہ ۱ ایسا ہوش جب فوج سے اٹھ جائے تو وہ جنگ کی صف کیا تلوار کھینچے گا۔
۲ جنگ ہے کوئی شراب پینے کی مجلس نہیں کہ اس کے لئے آستین چڑھا رہا ہے۔
۳ یہاں شراب پینا نہیں تلوار اٹھانی ہے ایسی سخت جنگ کے لئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر چاہئیں۔
۴ نازک دل کا جنگ کرنا کام نہیں کہ وہ خیال کی طرح جنگ سے بھاگتا ہے۔
۵ یہاں بہادروں کا کام ہے نہ صرف تیر برداروں کا۔ یہ جگہ تیر دل کی ہے آجا ورنہ بیٹھ جا۔

مسئلہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبائر (گناہوں) کی کل تعداد ستر ہے ان میں سے ایک جنگ سے بھاگنا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جب بالمقابل کفار تعداد میں کم یا برابر ہو۔

قاعدہ دربارہ گناہ کبیرہ جس عمل کی مسلمان کے درمیان شہرت خراب ہو یا اس عمل میں حرمت الٰہی اور دین (نبوت و ولایت) کی حرمت ہوتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

گناہ کبیرہ کا حکم گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شہادت قابل قبول نہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ جنگ کے وقت صدق دل سے جرأت دکھائے اور یقین رکھے کہ بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی اور نہ ہی جنگ میں جانے سے موت واقع ہوتی ہے اس لئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو وقت سے نہ پہلے آتی ہے نہ پیچھے اور نہ اپنے وقت سے ٹل سکتی ہے

غازی کے اوصاف جنگ کے درمیان غازی میں مندرجہ ذیل اوصاف پیدا کرنے چاہئیں اسے شیر کا دل رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ شیر بزدل نہیں ہوتا وہ آگے بڑھتا ہے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا اس لئے وہ مقابلہ کے وقت بزدلی کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے اور نہایت ہی پھرتی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اسی طرح غازی کو کرنا چاہئیے۔ چیتے کی طرح غازی کو ہونا چاہئیے اس لئے کہ جس طرح چیتا دشمن کے سامنے جھکنا نہیں جانتا اسی طرح غازی کو بھی چاہئیے کہ دشمن کے سامنے ہرگز نہ جھکے اور بہادری میں اسے ریچھ کی طرح ہونا چاہئیے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت اپنے تمام اعضائے سے لڑتا ہے اور اسے خنزیر کی طرح حملہ آور ہونا چاہئیے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت بیٹھ دے کر نہیں بھاگتا اسے بھیڑیئے کی طرح غیرت سے لڑائی کا طریقہ لازم ہے اس لئے کہ اسے جب ایک طرف مایوسی ہوتی ہے تو دوسری طرف سے لڑتا ہے اور بہت بڑے بوجھل بوجھ کو اٹھا کر چلنا لے چیونٹی سے سیکھنا چاہئیے کہ وہ اپنے جسم سے کئی گنا زائد بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور اسے ثابت قدمی پتھر سے حاصل کرنا چاہئیے کہ پتھر جہاں پڑا ہو وہ وہاں سے نہیں ہٹتا اور غازی کو صبر گدھے سے سیکھنا لازم ہے اور اسے وفا کتے سے سیکھنی چاہئیے کہ اسے اگر اپنا مالک آگ میں بھی ڈال دے تو گریز نہیں کرتا۔ فرصت اور فتحمندی مرغے سے سیکھنا ضروری

ہے اور اُسے صف میں نمازی طرح نہایت خشوع وخضوع سے کھڑا ہونا لازم ہے جیسے وہ اپنے امام کی حرکات و سکنات کا پابند ہوتا ہے ایسے ہی اسے جنگ میں امیر لشکر کا حکم کا پابند ہونا چاہیئے جیسے مقتدی اپنے امام کی کسی بات میں مخالفت نہیں کرتا ایسے یہ بھی امیر لشکر کے کسی حکم کے خلاف نہ کرے اور اپنے ہتھیار ہر وقت ایسے چھپائے رکھے جیسے باکرہ لڑکی حیاء وشرم سے اپنا چہرہ چھپائے رکھتی ہے جب اسے پہلی شب اپنے شوہر کے ہاں بھیجا جاتا ہے۔ اپنے تھوڑے ہتھیار کو ظاہر کرنے میں ریاکار کی طرح ہونا چاہیئے کہ اس کی اگرچہ عبادت معمولی ہوتی ہے لیکن وہ لوگوں کے سامنے بہت زیادہ ظاہر کرتا ہے مکروفریب میں لومڑی کی طرح ہونا چاہیئے یعنی اگر اُس پر دشمن غلبہ پا جائے تو اُسے ایسے مکروفریب سے کام لینا چاہیئے جیسے لومڑی کرتی ہے کہ جب اُس پر کتا حملہ کرتا ہے تو مکروفریب کر کے اس سے بچ نکلتی ہے۔ ایسے ہی اسے دشمن سے بچ نکلنے سے لومڑی کی طرح کرنا چاہیئے اس لئے کہ جنگ بھی ایک دھوکہ ہے اُسے وہی طریقہ کرنا چاہیئے جنگ میں اُسے عروس کی طرح نازو عشوہ کرنا چاہیئے اور جنگ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف پھرتی کر کے ایسے جانا چاہیئے جیسے بچے کھیل کے وقت پھرتی کرتے ہیں اور اُسے میدان جنگ میں بادل کی طرح گرجنا چاہیئے۔

فائدہ رعد بادلوں کے فرشتے کو کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے اور جنگ میں ہر خطرہ سے اسے ایسے ڈرنا چاہیئے جیسے کوا ہر خطرہ سے چوکنا رہتا ہے۔

فائدہ (ابقع) اُس کوے کو کہتے ہیں جس میں سیاہی وسفیدی ہوتی ہے اور اپنی حفاظت اور شدائد سے بچنا اسے کرکی سے سیکھنا چاہیئے کرکی ایک مشہور پرندہ ہے اس کا زرد رنگ ہوتا ہے تعلق سے مشابہ ہوتا ہے اسے کلنگ کہتے ہیں مشہور جانور ہے اور یہ کام وہ پرندہ سر انجام دے سکتا ہے جو سب کا سردار ہو اس لئے کہ اس کی طبیعت میں نگرانی کرنا ہے اور یہ اپنے کنبے کی باری باری نگرانی کرتا ہے اور اپنی آواز دھیمی دھیمی نکالتا رہتا ہے تاکہ ہر کسی کو معلوم ہو کہ وہ نگرانی کر رہا ہے۔ جب اس کی باری ختم ہو جاتی ہے تو دوسرے کو جگاتا ہے وہ بھی اپنی نگرانی کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت قزوینی (عجائب المخلوقات میں لکھتے ہیں کہ کرکی زمین میں ایک پاؤں رکھ کر چلتا ہے دوسرے کو اوپر رکھتا ہے اگر رکھتا بھی ہے تو معمولی سا اس خوف سے کہ کہیں زمین نہ دھنسا دیا جائے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

تفسیر صوفیانہ اے قلوبِ مومنین جب تم کفار نفوس اور اُس کے صفات کو دیکھو کہ وہ مجتمع ہو کر تمہارے اور تمہاری صفات پر حملہ کرنے کے لئے آئیں تو مت گھبراؤ اور نہ ہی نفوس کے حملہ اور اُس کے صفات کے غلبہ سے پیچھے ہٹو بلکہ صدقات نفس کے حملوں کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اس لئے کہ صبر کے اجر و ثواب کا ترتب پہلے حملہ پر ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کی موت پر رو رہی ہے آپ نے اسے فرمایا بی بی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کے صبر کر۔ اس نے جواب دیا آپ کو میرے

دُکھ کی کیا خبر۔ آپ واپس تشریف لے گئے۔ اس بی بی کو کہا گیا کہ تجھے نصیحت کرنے والے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اُسے بچے کی موت سے اُسے یہ دہرا دکھ اور درد ہوا۔ روتی ہوئی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا صبر پہلے صدمہ پر ہونا چاہیئے۔

فائدہ الصدم بمعنے سخت شے پر مارنا اور الصدمہ اس کے یکبارگی مصدر کا نام ہے یعنی انسان کو اچانک کی مصیبت کے پہلے وار پر صبر کرنا لازمی ہے اور اس پر ہی اجر و ثواب ملتا ہے اس لئے کہ مصیبت کا جونہی وقت گذرتا ہے اس کی برداشت ہلکی ہوجاتی۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ یعنی اگر قلب نفس کے حملے سے اس نیت پر روگردانی کرے کہ نفس کے حملوں کے لئے جنگی اسباب تیار یا کسی دوسرے قدسی روح سے استمداد کے لئے منہ پھیرے تاکہ اس روح سے مشورہ کرکے اور اس کے صفات پیدا کرکے یا شیخ کے حضور میں نفس کی شرارتوں سے بچ کر اور اُس کے ساتھ مجاہدہ اور ریاضت کے طریقے سیکھ کر حضرت ربانیہ کے لائق ہوجائے فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے غضب سے دوری و مہجوری اور اس کی درگاہ سے محرومی مراد ہے وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور اُس کا ٹھکانہ جہنم اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی دُوری اور مہجوری اور محرومی کی آگ بہت سخت عذاب والی ہے اور ایسا ٹھکانہ سخت سے سخت ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ یعنی اگر تم فخر کرکے کہو کہ تم نے بدر میں کفار کو قتل کیا تو یہ فخر مت کرو اس لئے انہیں تم نے اپنی قدرت وطاقت سے قتل نہیں کیا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدد دے کر اور ان پر مسلط کرکے اور ان کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال کر قتل کیا۔

شان نزول اور نبی علیہ السلام کا معجزہ مروی ہے کہ جب کفار نے عقنقل ٹیلے سے اہل اسلام کو جھانک کر دیکھا۔ عقنقل وہ ٹیلہ ہے جو وادی کی طرف واقع اور وہاں سے بدر میں داخل ہوتے تھے۔ جب کافروں نے مسلمانوں کو جھانکا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کافر فخر و غرور سے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کو جھٹلاتے ہیں تو اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے تیرے وعدہ کریمہ کا سوال کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ مٹی مٹھی لے کر کافروں کی طرف پھینکئے جب وہ آپ کے مقابلہ میں آئیں۔ چنانچہ جب اسلام وکفر کا لشکر آمنے سامنے ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ وادی سے کنکریاں اُٹھا کر مجھے دیجئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کنکریاں اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں تو آپ نے کافروں کے منہ پر کنکریاں مارتے ہوئے فرمایا "شاهت الوجوه" کافروں کے چہرے ذلیل وخوار ہوں۔ اس وقت لشکر کفار میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور ناک کے نتھنوں اور

منہ میں کنکر اور مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس سے کفار شکست کھا کر بھاگ گئے تو مسلمان اُن کے پیچھے ہو لئے اور انہیں قتل کرتے اور بعض کو قید کرتے رہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ سے غلبہ پا کر اور غنیمتیں حاصل کر کے واپس لوٹے تو آپس میں فخر و ناز سے کہتے جا رہے تھے۔ کوئی کہتا میں نے فلاں کو قتل کیا اور دوسرا کہتا کہ میں نے فلاں کو قید کیا وغیرہ وغیرہ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بدر کا بقایا قصہ کو بیان کیا گیا اور فا شرط محذوف کی جزا ہے جیسا کہ سابق مضمون امدادِ الٰہی اور امر تثبیت وغیرہ سے معلوم ہوا گویا کہا گیا کہ جب امدادِ الٰہی ہوئی اور ملائکہ نے تثبیت کے طور تمہاری ڈھارس دی تو پھر یقین کرو کہ کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا۔

ابو السعود نے اپنے تفسیر میں اس قول کو مختار بتایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقۃً آپ نے کنکریاں نہیں ماریں **اِذْ رَمَيْتَ** جبکہ ظاہری طور آپ نے کنکریاں پھینکیں ورنہ ان کنکریوں کا اسی طرح اثر ہوتا جیسے عام بشروں کی کنکریوں سے ظاہر ہوتا ہے **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** لیکن اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماریں یعنی کنکریوں سے جو تاثیر پیدا ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے کنکر پھینکتے وقت تمام مشرکین کی آنکھوں پر لگیں یہاں تک کہ وہ شکست کھا کر بھاگے اور صحابہ کرام ان پر غلبہ پا گئے خلاصہ یہ کہ کنکریوں کا ظاہری طور پھینکنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوا اور ان کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف تھا اس لئے کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ مٹھی بھر کنکریوں سے اثر تمام مشرکین کو پہنچیں کہ کوئی ایک بھی اُن سے بچ نکلے۔

فائدہ کبھی بول کر اس کا مُسمّٰی مراد لیا جاتا ہے یا اس کا کمال مراد ہوتا ہے مثلاً لفظ مؤمن بول کر کبھی مؤمن کامل مراد لیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فعل قتل کی نفی کر کے اُسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ قتل کے جملہ اسباب مثلاً ملائکہ کی امداد کافروں کے دل میں رُعب ڈالنا اور اہلِ ایمان کے دل مضبوط وغیرہ کا مسبب وہی ہے اور قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت سبب کی طرف مجازاً ہوتی ہے مثلاً ہم کہتے ہیں القلم یکتب ملیحا اور کبھی اصل کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے الکاتب یکتب ملیحا مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہرچہ خواہد آن مسبب آورد
قدرت مطلق سببہا بر درد

(۲) ازمسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب و وسائط اے پدر

(۳) ایں سببہا بر نظر ہا پروہاست
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

(۴) دیدہ باید سبب سوراخ کن
تا حجب را برکند از بیخ و بُن

(۵) تا مسبب بیند اندر لا مکان
ہرزہ داند جہد و اکساب و دکان

ترجمہ: (۱) جو مسبب (سبب بنانے والا اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے وہی لاتا ہے قدرت تمام اسباب ختم بھی کر سکتی ہے

(۲) مسبب سے ہی ہر خیر و شر پہنچتا ہے یہ اسباب و وسائل سے نہیں اے بزرگ۔

(۳) نظروں کے سامنے اسباب پردے ہیں نہ ہر نگاہ اس کی صنعت دیکھنے کے قابل ہے۔

(۴) دیکھنا چاہتا ہے تو سبب کو توڑ دے تاکہ پردے جڑ سے کٹ جائیں۔

(۵) تاکہ مسبب کو لامکاں میں دیکھ سکو جدوجہد اور کمائی اور دکان پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے۔

نکتہ عجیبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قتل کی بالکلیہ نفی کر کے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف رمی کی نفی نہیں فرمائی بلکہ وہاں سرے سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی بھی نفی فرمادی ہے اور کلی طور صرف اپنے وجود کا اثبات فرمایا چنانچہ ملاحظہ ہو "وَمَا رَمَيْتَ" یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنے وجود سے کنکر نہیں مارے اِذْ رَمَيْتَ یعنی جبکہ آپ نے کنکر مارے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى " ای لکن رمیت باللّٰہ " اس کی وجہ یہ ہے کہ رمی کے وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام تجلی پہ تھے اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب اپنے کسی بندے پر اپنی کسی صفت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو بندے سے اس فعل کا صدور کراتا ہے جسے اس صفت سے تعلق ہوتا ہے مثلاً عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ملاحظہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر صفت احیاً سے جلوہ گر ہوا تو عیسٰی علیہ السلام اس جلوہ کی وجہ سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے اس تقریر کو حدیث قدسی کے مضمون سے سمجھئے کما قال تعالیٰ " كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا الخ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صفت قدرت سے جلوا گر ہوا تو آپ نے کنکر پھینکے۔ اس قدرت کی صفت کی تجلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا اور اس حقیقت کو اپنے ارشاد اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ سے واضح فرمایا۔

نکتہ دیگر جس فعل کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو چونکہ بندہ حوادث وآفات کا مرکز ہے اس لئے اس کے لئے جائز ہے لیکن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حوادث وآفات کی نسبت گوارہ نہ کرتے ہوئے ان کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ ہر قسم کے حوادث وآفات سے منزہ ہے۔ سے

① مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ گفت حق
کار ما بر کارھا دارد سبق

② گر بپرانیم تیراں نے زماست
ما کماں و تیر اندازش خداست

③ تا نشد مغلوب کس ایں سر نیافت
گر تو خواہی آنطرف باید شتافت

ترجمہ ① مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ (جب تو نے کنکریاں ماریں تو نے نہیں ماریں) حق تعالیٰ نے فرمایا ہمارا کام تمام کاموں پر غالب ہے۔

② اگر ہم تیر پھینکتے ہیں تو ہم نہیں پھینک رہے ہمارے ہاتھ میں تو صرف کمان ہے حقیقی تیر انداز تو اللہ تعالیٰ ہے۔

③ جب تک مغلوب نہ ہوا اسی راز کو نہ پائے گا۔ اگر اس راز کو چاہتا ہے تو اس کی طرف دوڑ۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ اور تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اہل ایمان کو بہت بڑے انعام واکرام سے نوازے **بَلَآءً حَسَنًا** بہت بڑی اچھی عطا بخشنے یعنی فتح ونصرت اور آیات کے مشاہدات جنمیں کسی قسم کی رنج اور تکلیف وغیرہ کا اختلاط نہ ہوا اور غنائم جیسی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائے۔

اعجوبہ لغویہ لفظ بلا کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے اور محنت پر بھی۔ در اصل اس کا معنیٰ ہے الاختبار بمعنے آزمائش پھر چونکہ آزمائش جیسے دکھ اور تکالیف میں ہوتی ہے ایسے ہی نعمتوں میں بھی تاکہ بندہ شکر کرے تو نعمت بحال رہے گی ورنہ زوال کا خطرہ۔

سوال امتحان وہ لیتا ہے جسے علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے امتحان کا اطلاق کیسا؟

جواب اللہ تعالیٰ کا امتحان عوام کے سامنے ظاہر کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ اور لام فعل مؤخر محذوف کے متعلق ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحابہ کرام کو فتح ونصرت یا غنیمت اور اجر وغیرہ کی عنایت بطور احسان تھا ورنہ اس کی ان سے اور کیا غرض متعلق ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ۔

فائدہ یا لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ کی لام رمیٰ سے متعلق ہے اس معنے پر واؤ کا علت محذوف پر عطف ہے دراصل عبارت یوں تھی وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی لیمحق الْکٰفِرِیْنَ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

فائدہ بلاءً لِیُبْلِیَ کا اسم مصدر ہے دراصل لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلَآءً حَسَنًا کذا قال الشیخ اور قاضی بیضاوی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ شئے مَبْلُوٌّ بِہٖ (جس کے لئے امتحان لیا گیا) پر برانگیختہ کرنے کی خاطر مصدر لاکر مفعول مراد لیا گیا ہے گویا فرمایا کہ " ولینعم علیہ نعمتہ عظیمہ۔

صوفیانہ تقریر ① کاشفی حقائق سلمی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بلاء حسن یہ ہے کہ اپنے بندوں کو نفوس فانی فی اللہ بنائے فنا کے بعد مقام ہویت پر بقاء سے نوازے۔

صوفیانہ تقریر ② حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلاء حسن یہ ہے کہ مبتلا انسان عین بلاء میں محبت و پیار کا مشاہدہ کرے[1]

① چوں دانستی کہ ایں دردِ تو از کیست
زرنج خویشتن می باش خرم

② گرزد زہرت دہد بہتر ز شکر
ور او زحمت نہد بہتر کہ مرہم

---

[1] اس نکتہ کو مجنون کی زبان سے سنیئے

کہتے ہیں لیلیٰ کا یہ دستور تھا — بھیک دیتی در پہ جو آتا گدا
ایک دن مجنوں بھی کاسہ ہاتھ لے — جا پکارا مجھ کو کچھ للّٰہ دے
آئی لیلیٰ اور سبھوں کو کچھ دیا — ہاتھ سے مجنوں کے کاسہ لیا
لے کے دے پٹخا زمین پر ایک بار — رقص میں مجنوں ہوا بے اختیار

جب یہاں نوبت پہنچی تو کسی نے مجنوں سے اعتراضاً پوچھا۔

تب کہا مجنون سے یہ مجنوں غلام — رقص کرنے کا تھا اس میں کیا مقام

مجنون نے جواب دیا

یوں کہا خاموش! تو عاشق نہیں — عاشقی کے رمز سے واقف نہیں
یہ بلا ہرگز نہیں اک ناز ہے — یہ بھی اک معشوق کا انداز ہے
کس کے عاشق کے ہوئے ایسے نصیب — خود بلا نازل کرے اپنا حبیب

(اویسی غفرلہ)

ترجمہ ① جب تجھے معلوم ہوجائے کہ یہ درد کہاں سے آیا ہے تو پھر تو اپنی رنج سے خوش ہو۔
② اگر وہ زہر کھلائے تو شکر سے بہتر ہے اگر زخم کرتا ہے تو مرہم سے بہتر ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے استغاثہ اور دعا کو سنتا ہے عَلِيْمٌ اور ان کے ارادے اور اُن کے وہ احوال جانتا ہے جو اُن کی اجابت کا سبب ہیں۔
ذٰلِكُمْ یہ بلاء حسن کی طرف اشارہ ہے اور وہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔
وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ کا عطف ذٰلِكُمْ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان کو عطایا سے نوازے اور کفار کے تمام مکر و حیلے مٹائے اور اُن کی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے۔

حل لغات اِلْاَ یہاں بمعنے سُست کرنا۔ اس کا فاعل مُوہن ہے (کذا فی تاج المصادر)
الوہن بمعنے الضعف اور الکید بمعنے المکر و حیلہ والحرب۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کا داؤ سُست کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر فعل کی تاثیر منجانب اللہ ہے۔ بندہ درمیان میں صرف بمنزلہ آلہ کے ہے اس لئے ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم اپنے اور اپنے اعمال پر عجب نہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ الخ اپنی مہربانی اور لطف کا اظہار فرمایا۔

فائدہ اپنے عمل صالح کو توفیق ایزدی کی طرف منسوب نہ کرتے ہوئے اسے بہت بڑا سمجھنے کو اصطلاح صوفیہ میں عجب کہتے ہیں اس لئے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارین سے فرمایا جیسے بہت سے دیئے ہوا سے بجھ جاتے ہیں اسی طرح بہت سے عابدوں کے اعمال صالحہ عُجب سے برباد جاتے ہیں۔

فائدہ عُجب کرنے والے تین قسم ہوتے ہیں۔
① وہ ہر وقت اپنے اعمالِ صالحہ کے گھمنڈ میں رہتے ہیں جیسے کہ معتزلہ۔ قدریہ اسی طرح نجدیہ وہابیہ کے جملہ فرقے مثلاً غیر مقلد۔ دیوبندی۔ تبلیغی۔ مودودی۔ دغیرہ وغیرہ نتھو خیرہ) وہ اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو کسی قسم کا دخیل نہیں بنانے بلکہ عونِ الٰہی اور توفیق ایزدی اور لطف کا بسا اوقات انکار کرتے ہیں اور اُن پر عجب کا ہر وقت غلبہ رہتا ہے۔
② بعض نیک بختوں کو عجب کا حملہ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو مد نظر رکھ کر اس عجب کو دور کرتے ہوئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں اس طرح ان سے عجب دُور ہوجاتا ہے ایسے لوگ اعمال صالحہ پر جزاً دیئے جاتے ہیں اور انہیں گویا بصیرت سے یہ مرتبہ نصیب ہوا اور انہیں مخصوص لوگوں میں شمار کیا گیا۔
③ کبھی عجب میں گرفتار اور کبھی عجب سے رُستگار ہوتے ہیں یہ عوام اہلسنت ہیں ان کو جب عجب کا احساس

ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے منتِ ایزدی کا دامن پکڑتے ہیں کبھی غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں تو عجب مبتلا ہوتے ہیں لیکن انکا یہ عجب عارضی ہے جو انہیں اجتہاد کی کمی اور بصیرت کے نقص کی وجہ سے لاحق ہوا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر عمل صالح کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے بلکہ اسے لاشئے سمجھے اور یقین سے کہے کہ اگر فضل خداوندی نہ ہوتا تو وہ نیک عمل نہ کرتا اس طرح سے اس کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر ہوگی اور اُسے اجرِ عظیم نصیب ہوگا۔ نیز سالک پر لازم ہے کہ کسی وقت ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے رضائے الٰہی میں فرق آئے اور وہ ذات حق کے لائق نہ ہو حالانکہ وہ اپنی غلطی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سمجھتا ہے اس سے عمل ضائع ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کی قدر و منزلت گھٹ جائے گی اور پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا۔ جو نہایت بے کار درجہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ کوئی شخص انگور یا کوئی اچھی شئے بازار سے چند ٹکوں میں خرید کر کے بادشاہ کے ہاں تحفہ بھیجے اگر اس سے بادشاہ راضی ہوگیا تو اُسے ہزاروں روپاؤں کے انعام سے نوازے گا۔ اگر اُسے ناراضگی سے واپس کرے گا تو اس انگور کی وہی قیمت ہوگی جو بازار میں عام بکتا ہے ایسے ہی سالک کی حالت ہے کہ اگر اُس کے اعمال صالحہ کو آقا کریم قبول فرمالے تو بیڑا پار ورنہ ویسے کا ویسا۔

حکایت حضرت وہب فرماتے ہیں کہ سابق دور میں ایک شخص نے ستر سال عبادت کی اور ہفتہ بھر روزے سے رہتا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا مانگی لیکن اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی اس کے منہ سے نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ ہوتا تو مجھے دیتا۔ اس کی اس غلط گفتار پر اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا اور فرمایا کہ اسے کہو اے ابن آدم معمولی کلمات سے کتنا غلطی کا شکار ہوا ہے تیری وہ گھڑی بہتر تھی جس میں تو عاجزانہ منکسرانہ حالت میں مجھ سے مانگ رہا تھا تیری یہ حالت ستر سالہ کی عبادت سے بہتر اور اکمل تھی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے کیا فرمایا ؎

در راہِ ما شکستہ دلی می خرند و بس

بازار خود فروشی اٰں سوئے دیگر ست

ترجمہ: ہماری راہ شکستہ دلی کی خرید ہے اور بس' بازار میں بیچ ڈال پھر ادھر چلو وہ راہ دیگر ہے۔

اے اللہ! ہمیں توفیق والوں سے بنا اور ان لوگوں سے فرما جو تحقیق کا راہ چلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا یہ خطاب اہلِ مکہ کو ہے ان سے بطور تہکم کہا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر کہنے لگے اَللّٰھُمَّ اَنۡصُرۡ علی الجندین واھدی الفئتین و اکرم الحزبین وافضل الدینین" اے اللہ ہم میں بلند قدر لشکر اور زیادہ ہدایت یافتہ اور دو گروہوں کا محترم ترین اور افضل دین والے کو فتح و نصرت عطا فرما۔

ابوجہل کی دُعا مروی ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ اَنۡصُرۡ افضل الفریقین واحقہا

بالنصر۔ اَللّٰهُمَّ اينا اقطع للرحم وافسد للجماعت فاهلكه "اے اللہ جو دو گروہوں سے افضل اور انہیں سے جو فتح ونصرت کا زیادہ حقدار ہو اسے فتح ونصرت عطا فرما اور ہم میں جو قطع رحم کرنے والا اور جماعت میں انتشار پھیلانے والا ہے اسے ہلاک کردے۔ اس بدبخت نے انتہائی حماقت سے اپنے لئے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اس کی قبول کرلی کہ بدر میں عفرا کے دو بیٹوں عوذ اور معاذ نے اسے جان سے ماردیا۔ اور اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سر کاٹ دیا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے کافر و اگر علی الجندین کے لئے فیصلہ مانگتے ہو۔

فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو یہ فیصلہ تمہارے اوپر آچکا حالانکہ تمہارا گمان تھا کہ تم اعلیٰ ہو۔ تہکم فتح کے آنے میں کیا گیا ہے یا معنٰی یہ ہے کہ تمہارے اوپر ہزیمت اور قہر الٰہی اور رسوائی آچکی اس معنے پر تہکم نفس فتح میں کیا گیا ہے اس لئے کہ رسوائی وہزیمت کی ضد بنا کر انہیں جواب دیا گیا۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا اور اگر تم کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمن سے باز آجاؤ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہتر ہے اس جنگ سے جس کا تم نے مزہ چکھا اس لئے کہ اس میں قتل وقید سے سلامتی وعافیت ہے مبنی اعتبار اصل الخیر یت کا مفضل علیہ میں ہے اسمیں بھی تہکم ہے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم پھر شرارت کے لئے لوٹو گے نَعُدْ ہم بھی سزا کے لئے عود کریں گے اور اہل اسلام کی مدد کریں گے وَلَنْ تُغْنِيَ اور ہرگز دفع نہ کرسکے گا۔ عَنْكُمْ تم سے فِئَتُكُمْ تمہارا جتھا۔ یعنی تمہارا وہ لشکر جسے تم نے اہل اسلام کو شکست دینے کے لئے جمع کیا اور ان سے مدد چاہتے ہو۔ شَيْئًا کوئی شے تمہارے بچانے کے لئے یہ شیئًا منصوب علی المصدریۃ (مفعول مطلق) ہے یا تمہارا جتھا تمہارے سے کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں ہٹا سکے گا اس معنٰی پر شیئًا منصوب علی المفعولیۃ (مفعول بہ) ہے۔

وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ اگرچہ وہ تمہارا جتھا تعداد میں ہی بہت ہو۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ اور بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی مدد کرتا ہے چنانچہ بدر میں مدد فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نجات ایمان واسلام اور امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہے اور باطل کا انجام برباد اور ہلاکت ہے اگرچہ اسے کتنا ہی مہلت مل جائے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش

کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا اے دل خوش رہ اس لئے دیو کا مکر وحیلہ سلیمان کے سامنے نہ چلے گا۔

ولی اللہ کا دشمن اولیاء اللہ کی دشمنی ایسے ہے جیسے انبیاء کی دشمنی لیکن بفضلہ تعالیٰ ہر دونوں حضرات اپنے اپنے دشمنوں پر فاتح و کامران رہتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نہ انہیں بھلاتا ہے اور انہیں ایسے بیکار چھوڑتا ہے ۔

حکایت حضرت دانیال علیہ السلام ایک کنوئیں میں ڈالے گئے ۔ آپ پر ایک درندہ ڈالا گیا۔ درندہ جاتے ہی آپ کو چاٹنے لگا اور آپ کی خوشامد کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ حاضر ہوا اور اوپر سے کہا گیا اے دانیال! آپ نے پوچھا کون ؟ عرض کی انا رسول ربك اليك ارسلنى عليك بطعام " میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور آپ کے ہاں طعام لایا ہوں ۔ آپ نے پڑھا الحمد لله الذى لا ينسى من ذكره شکر اس کریم کا جو اپنے کو ذکر کرنے والے کو نہیں بھلاتا ۔ ؎

واذا السعادة لاحظتك عيونها

نم فالمخاوف كلهن امان

واصطد بها العنقاء فهى حبالة

واقتد بها الجوزاء فهى عنان

ترجمہ: اور جب سعادت کی نگاہ تمہیں نوازے تو پھر سو جا اور کسی شے سے خوف نہ کھا بلکہ تمام تکالیف تیرے لئے امان بن جائیں گی اور عنقا کو شکار کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سعادت تمہیں اسی کے طور نصیب ہوئی ہے اور اسی سے تم جوزا تک چلے جاؤ اس لئے کہ یہی سعادت تمہیں باگ کے طور عنایت ہوئی ہے ۔

حکایت الماوردی نے ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت شریف نکلی "واستفتحوا وخاب كل جبار عنيد" اس نے قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ شعر پڑھا ؎

اتوعد كل جبار عنيد

فها انا ذاك جبار عنيد

اذا ماجئت ربك يوم حشر

فقل يا رب مزقنى الوليد

ترجمہ: کیا تم ہر جبار عنید کو ڈراتا ہے سن لے اسے قرآن میں بھی جبار عنید ہوں پھر جب میں قیامت میں حاضر ہونگا تو تم اپنے رب سے کہنا کہ ولید نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا ۔

اس بدبخت کو تھوڑے دنوں کے بعد قتل کرکے اس کے اپنے محل پر سُولی پر چڑھایا گیا پھر اس کے سر کو اتار کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا۔

مسئلہ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں سورۂ مائدہ میں لکھا کہ قرآن مجید سے فال نکالنا حرام ہے اسی طرح قرافی نے طرطوشی سے نقل کرکے انہوں نے بھی حرمت کا فتویٰ دیا لیکن حنابلہ کے ابن حطہ نے اسے مباح بتایا بعض فقہا کراہت کا فتویٰ صادر کرتے ہیں (کذا فی حیوۃ الحیوان للامام الدمیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا یعنی اگر صدق و اخلاق او ترک ماسویٰ اللہ کی کنجی سے طلب تجلی میں اگر تم قلوب کو کھولنا چاہتے ہو فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو تمہیں تجلی حق سے فتح نصیب ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور ازلاً و ابداً تجلیات سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے اسے کسی قسم کا تغیر نہیں ہاں اس کی مخلوق کے احوال میں تغیر ہے اس لئے کہ جب ان کے دل بند ہوتے ہیں تو تجلی حق سے محروم ہوتے ہیں اور جب ان کے دل کے دروازے کھلتے ہیں تو تجلیاتِ حق سے نوازے جاتے ہیں۔ وَاِنْ تَنْتَهُوْا طلب حق میں غیر اللہ سے رُک جاؤ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وہی تمہارے لئے بہتر ہے وَاِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم دنیا اور اس کی لذات و شہوات اور اس کے نقش و نگار اور ماسوئ اللہ کی طرف جھکوگے۔ نَعُدْ تو ہم بھی تمہیں تمہارے نفس کی رسوائی اور اس کی خواہشات اور خواہشات کے اسباب اور نفس کے صفات کے غلبات میں مبتلا کریں گے۔

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا اور جتھا تمہیں نہیں بچا سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ الطاف و کرم کے مقابلہ میں اگر دنیا و آخرت وَمَا فِيهَا پیش کرو تو بھی حق کو نہیں پا سکتے وَلَوْ كَثُرَتْ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی آخرت و دنیا کی بے شمار نعمتیں تمہیں نصیب ہوئی ہیں لیکن جو کچھ اللہ کریم نے اپنے خواص اولیاً پر انعامات فرمائے ہیں اُن کے مقابلہ میں تمہارے اوپر عطا کردہ نعمتیں عشر عشیر بھی نہیں وَاَنَّ اللّٰهَ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے الطاف کریمانہ سے مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؏ ان اہل ایمان کے ساتھ جو ان مقاماتِ عالیہ پر فائز اور جو اُن مقامات کے طالب ہیں اور معیت خاصہ کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مقامات پر اپنے فضل و کرم سے پہنچایا ہے وہ اپنی ذاتی قدرت و طاقت سے ان مقامات پر نہیں پہنچے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ
تَسْمَعُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝
إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ
عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝
وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ
مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ
وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا
أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اللہ اگر ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔ جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں دبے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور ستھری چیزیں تمہیں روزی دیں کہ کہیں تم احسان مانو اے ایمان والو اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ ہی اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

تفسیر عالمانہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو اور رُوگردانی نہ کرو۔ وَلَا تَوَلَّوْا دراصل تتولوا تھا ایک تا حذف کر دیگئی ہے تولّٰی بمعنے اعراض یعنی رُو بگردانیدن (منہ پھیرنا) عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

سوال یہاں عنہما ہونا چاہیئے تھا؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول پاک کی اطاعت حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (اس سے پرویزی، چکڑا لوی ٹولہ عبرت پکڑیں جبکہ وہ طاعتِ رسول کو طاعت الہٰی کا غیر سمجھتے ہیں۔

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۞ حالانکہ تم سنتے ہو کہ قرآن مجید میں بار بار نہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت تمہارے لئے ضروری ہے اور بے شمار وعظ بلکہ سخت زجر و توبیخ کی جاتی ہے ان کی مخالفت سے تمہیں سخت نقصان ہے ان کی ہر بات کی تصدیق کرو اور ان کے ہر قول کو صدق دل سے سمجھو اور مانو۔

وَلَا تَكُونُوا امر و نہی کی مخالفت کر کے نہ ہو جاؤ كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا ان لوگوں جیسے جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور مانا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۞ حالانکہ وہ سنتے تو ہیں لیکن مانتے نہیں اور وہ سنتے اس لئے ہیں کہ وہ سن کر ان کی تردید کریں اور کھلکر رُوگردانی کریں جیسے کافروں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے سن کر نافرمانی کی یا جیسے منافقین نے کیا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تہِ دل سے مانتے ہیں حالانکہ وہ صرف زبان سے ایسے کہتے تھے ورنہ اُن کے دل تو کفر و تکذیب سے لبریز تھے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نیست را چہ خواندہ چہ ناخواندہ
ہست پائے او بگل درماندہ

(۲) گر سرش جنبد بسیر باد رو
تو بسر جنبانیش غرہ مشو

(۳) آں سرش گوید سمعنا اے صبا
پائے او گوید عصینا خلنا

ترجمہ: (۱) نیست کو پڑھو یا نہ اس کی ہستی کے پاؤں کیچڑ میں ہیں۔

(۲) اگر اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر کے ساتھ جا لیکن اس کے سر ہلانے پر غرہ نہ ہو۔

(۴) اس کا سر کہتا ہے اے صبا ہم نے سُن لیا لیکن اس کے پاؤں کہتے ہیں ہم نے نا فرمانی کی۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک سب جانوروں سے بدتر یعنی وہ شے جو زمین پر چلتی ہے یہاں پر دابۃ کا لفظ اپنے لغوی معنے پر محمول ہے یا بمعنے شرالبہائم ہے۔ اس معنے پر لفظ دابۃ عرفی معنے پر محمول ہوگا اس لئے کہ عرف میں دابۃ ہر اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو چارپایہ ہو خواہ وہ بری ہو یا بحری عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی اس کی قضا وقدر کے حکم کے سامنے الصُّمُّ وہ بہرے ہیں یعنی وہ ایسے ہیں جو حق کو سُن کر قبول نہیں کرتے الْبُكْمُ گونگے ہیں یعنی ایسے ہیں کہ جو حق کی بات نہیں کرتے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وہ ایسے ہیں جو حق کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہائم میں داخل کرکے اُن کے شر کا تعارف کرایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اپنے گمراہی کے لحاظ سے باقی مخلوق سے نمایاں ہیں۔

سوال جب انہیں صم وبکم کہا گیا تو پھر لایعقلون کہنے کا کیا فائدہ جبکہ اصم وابکم ہوتا بھی وہی ہے جو لاالعقل ہو؟

جواب گونگا بہرہ بات کو سمجھ لیتا ہے بلکہ وہ باتوں کو نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اشارہ وکنایہ سے سمجھا لیتے ہیں وہ عقل کی دولت کھو بیٹھے جیسے کفار ومشرکین اور منافقین کی عقل ماری گئی تو ایسا انسان شرارت وبدحالی میں بدترین مخلوق ہوتا ہے پاگلوں اور مجنونوں کی کیفیت سب پر عیاں ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

(۱) بہائم خموشند وگویا بشر
پراگندہ گو از بہائم بتر

(۲) بنطق است وعقل آدمی زادہ فاش
چو طوطی سخن گوئی ونا داں مباش

ترجمہ (۱) جانور خاموش اور انسان ناطق (بولنے والا) ہے غلط اور بکواس کرنے والے سے جانور بہتر ہیں۔

(۲) بولنے سے اور عقل سے آدمی کا جوہر کھلتا ہے طوطی کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں کچھ بھلائی جانتا۔ یعنی بھلائی کی جنس منجملہ اس کے اُن کا حق کی باتوں کے لئے سوچ وبچار اور ہدایتِ حق کی اتباع میں ہے لَّاَسْمَعَهُمْ تو انہیں سنا دیتا یعنی انہیں حق قبول کرنے کا فہم وتدبر بخشتا۔ جس سے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے باخبر ہو جاتے اور ان کی اطاعت کرتے ان پر ایمان لاتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ اس دولت سے محروم ہیں اس لئے انہیں حق کی باتیں نہ سنائیں کیونکہ انہیں بلا وجہ ایسے ہی سُنا دیتا تو بے سُود اور حکمت سے خالی بات ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔

لہ یہ آیت وہابیہ دیوبندیہ کے اعتراض ولوکنت اعلم الغیب الخ کے جواب میں ہم الزامی طور پیش کرتے ہیں۔ فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے

علم الٰہی کی نفی کا جواب ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہاں پر علم الٰہی کی نفی نہیں بلکہ عدم استقرار الخیر کو نفی علم سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ لازمی امر ہے کہ جو شئے فی الواقع ہو گی تو اُسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو دوسرے سے ہی نہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا کیا تعلق۔ اس عدم الشئ کو عدم علم سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا جاتا ہے اور عرب میں ایسا کلام بلیغ تر سمجھا جاتا ہے۔ اس تقریر سے مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ نہ انہیں بھلائی تھی نہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق قبول کرنے کی توفیق بخشی

سوال اگر لَوْ كَانَ فِيهِمْ خَيْرًا لَّا سْمَعَهُمْ کہا جاتا تو کلام مختصر ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس طرح سے مطلب مذکور بھی واضح ہے۔

جواب اگرچہ مقصود اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے لیکن کلام بلیغ تر نہیں بنتا اس لئے کہ معانی کا قاعدہ پہلے عرض کیا گیا ہے وہ جملہ مذکورہ میں نہیں پایا جاتا اور کلام میں بلاغت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لازم کی نفی کی جائے شئے یا شئے کی جنس کی نفی سے کلام بلیغ ترین نہیں بنتا اس لئے کہ لازم شے کی نفی کرنے سے مقصود بھی واضح ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دلیل اور بینہ بھی قائم ہو جاتا ہے کہ جیسے منکر سُن کر تسلیم پر مجبور ہو جاتا ہے اسی لئے کہ آیت کا مجموعہ وَلَوْ علم اللہ الخ وَلَوْ کان فیھم الخ سے بلیغ تر ہے (وہو المقصود)

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں فہم و تدبر کا موقعہ بخشتا تو بھی وہ اپنی فطرت کے پیش نظر کہ وہ خیر سے بالکل محروم ہیں ان کا انجام کار یہ ہوتا کہ لَتَوَلَّوْا حق کو سن کر منہ گردان ہو جانے اور اس سے کلی طور نفع حاصل نہ کرتے یا یہ کہ تصدیق کے بعد مرتد ہو جاتے اور ایسے ہو جاتے کہ گویا انہوں نے سُنا ہی نہیں۔

وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ یعنے وہ روگردانی کر جاتے اور ایسے ہو جاتے اور ان کا حال یہ ہوتا کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں اس لئے کہ نبوت کے عناد سے اُن کے دل لبریز ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ جیسے شقاوۃ مقدر ہو تو اثنائے سلوک میں متابعت اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی طلب سے روگردانی کر کے دنیا اور اس کے نقش و نگار میں دل لگا دیتا ہے۔

فائدہ انسان احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا گیا تا کہ تربیت و ترقی کے قابل اور اس کمال کا مستعد ہو جائے جہاں پر ملک مقرب کی رسائی ناممکن ہے پس وہ ابتدائے تخلیق میں حیوان سے تو بلند قدر تھا لیکن مرتبہ میں ملک سے گھٹیا

ل جیسے آیت کے ظاہر سے علم الٰہی کی نفی پر تاویل ضروری ہے ایسے ہی جہاں بظاہر نبی علیہ السلام کے علم کی نفی ہوتی ہے وہاں بھی تاویل لازم اس لئے کہ نبوت الوہیت کا جلوہ (مظہر) ہے بلکہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بے مثل مظہر اَتم ہیں۔ (اُویسی غفرلہٗ)

مگر شریعت کی تربیت سے ملک سے بڑھ کر خیر البریہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے جبکہ یہ شریعت کی مخالفت اور خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو حیوان سے بھی درجہ گھٹ جاتا ہے اس بناء پر اسے شر البریہ کہا جائے تو بجا ہے جب ایسا شخص جسے ملک سے بھی افضل و اکمل ہونا تھا لیکن شامتِ اعمال اور شریعت کی مخالفت سے حیوان گھٹ گیا تو لائق ہے کہ اسے بہائم سے بھی بدتر کہا جائے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نہ امر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرے اور نہ شریعت کی مخالفت حالانکہ حیوان بے عقل ولاشعور سہی لیکن وہ بھی حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے پھر انسان ہو کر کیوں نہ سر جھکائے۔

معجزہ واختیارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے کہ آپ کے ہاں ایک مرد حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میرا ایک باغ ہے جس میں میری اور میرے بچوں کی بسر اوقات ہے اس میں میرے دو اونٹ بھی ہیں الناضح ہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی لاد کر زندگی کا گذارہ کیا جائے لیکن اب وہ دونوں اونٹ مجھے بلکہ کسی کو باغ میں نہیں جانے دیتے اور نہ ہی اپنے قریب کسی کو پھٹکنے دیتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر باغ میں تشریف لائے اور باغبان کو فرمایا۔ اس کا دروازہ کھول دے ہم باغ کے اندر جاتے ہیں۔ اُس نے عرض کی باغ کے اندر دو اونٹ بڑے خطرناک ہیں آپ نے فرمایا تم دروازہ کھولو پھر میں جانوں اور اونٹ۔ جب باغبان نے دروازہ کھولنا شروع کیا تو اونٹوں نے آواز سنی تو حسبِ عادت بھاگ کر دروازہ کے قریب آگئے لیکن دروازہ کھلتے ہی جونہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو گھٹنوں کے بل گر حضور نبی پاک کو سجدہ ریز ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور انہیں پکڑ کر اُن کے مالک کے ہاتھ میں دیدیئے اور فرمایا اُن سے خوب کام لے لیکن اُن کی خدمت (چارہ پانی) وغیرہ میں کمی مت کرنا۔ صحابہ کرام نے یہ حال دیکھ کر عرض کی حضور! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو جانور سجدہ کریں اور ہم محروم رہیں ہمیں بھی سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے آپ نے فرمایا سجدہ صرف حی وقیوم کے لئے ہے اگر میں سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو فرماتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

سبق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن اُمور پر عمل کرنے اور جن سے روکیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سر تسلیم خم کریں ہمارے لئے لائق نہیں کہ ہم پوچھتے پھریں کہ اس امر میں کیا حکمت ہے اور فلاں بات سے کیوں روکا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ہم تو اُن کی ہر بات پر سر تسلیم خم کریں اسی میں ہماری نجات اور اسی میں ہماری کامیابی ہے ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ناطے اپنے نبی علیہ السلام کے قول میں کیوں چہ میگوئی کرے جب وہ دیکھتا ہے کہ طبیب جب بیمار کو کہتا ہے کہ فلاں دوائی تیرے لئے مفید اور فلاں مضر ہے تو بیمار طبیب سے حکمتیں نہیں پوچھتا بلکہ آنکھ بند کر کے وہ دوا پی لیتا ہے اور جس سے وہ روکتا ہے تو وہ اس سے کوسوں دُور بھاگتا ہے حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ

ہے کہ

اِنَّہٗ علیہ السلام مکاشِفٌ مِنَ الْعَالِمِ بِجَمِیْعِ اسرارِ والحکم کَمَا اَخْبَر عَنْ نَفْسِہٖ وقال فَعلِمتُ علم الاوّلین وَالْاٰخِرِیْنَ [۱]

ترجمہ: بے شک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے تمام اسرار و رموز اور حکمتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ میں نے اوّلین وآخرین کا علم جان لیا۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو صلب آدم سے نکال کر مقام الست سے اسفل سافلین کی طرف دھکیلا گیا پھر اسے دعوت دی گئی کہ وہ جدوجہد کرکے اعلیٰ علیین کو پہنچے جتنا کہ اس کے مقدر میں ہے اتنا جدوجہد کرے لیکن اعلیٰ علیین تک پہنچنا صرف دو طریقوں سے ممکن ہے۔

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعقیدت یہاں تک کہ کائنات کی ہر شئے آل واولاد۔ ماں باپ بلکہ اپنے نفس سے بھی حضور علیہ السلام کو محبوب تر سمجھے۔

(۲) جملہ اُمور میں اُن کی تابعداری کرے اور جن اُمور سے روکا ہے اُن سے رُک جائے انہی دو طریقوں سے حضور علیہ السلام سے مناسبت نصیب ہوگی تو آپ کی متابعت کی برکت سے عروج کر سکے گا۔

فائدہ آپ کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت قرآن کی قرأت وتلاوت کی بھی ہے۔ ورنہ ایسے شخص کو بھی حضور علیہ السلام کی متابعت سے روگرداں سمجھا جائے گا جو قرآن سے محبت نہیں کرتا وہ آپ کی محبت کی علامت سے فقر و زہد فی الدنیا اختیار کرنا بھی ہے۔ ؎

کیں جہاں جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مُردار چوُں باشم حریص

ترجمہ: جو یہ جہاں مردار اور بدبودار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں۔

اے اللہ ہمیں جمیع مہالک سے بچا اور ہمیں خیر المسالک پر چلنے والوں سے بنا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا کہا مانو یعنی اُن کی اطاعت کرو اِذَا دَعَاکُمْ جب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں بلائیں۔

سوال دَعَاکُمْ میں صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں نہیں لیا۔

---

[۱] رُوح البیان ص۳۳۸ ج ۱ مطبوعہ قدیم (اُویسی غفرلہٗ)

[۲] اس سے منکرینِ حدیث پرویزی چکڑالوی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں۔ ۱۲

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ اسلام دینا درحقیقت یہ بھی امرِ ربانی ہے اس لئے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

فائدہ دَعَا دعاءً سے بمعنے اسلامی احکام کی دعوت دینا۔

لِمَا یُحْیِیْکُمْ لامؐ بمعنے الی ہے یعنی وہ دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ زندہ کریں۔ حضور علیہ السلام کا زندہ کرنا کئی قسم ہے منجملہ اُن کے آپ کا علوم کے ذریعے مُردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے اس لئے علم قلب زندگی اور جہل اُس کی موت ہے کسی شاعر نے کہا ؎

لا تعجبن الجهول حلة

فذاك ميت وثوبه كفن

ترجمہ: جاہل کی زرق برق پوشاک سے تعجب نہ کیجئے اس لئے کہ وہ مردہ ہے اور یہی کپڑے اس کا کفن ہیں۔

دوسرے شاعر نے کہا ؎

(۱) جاہلیکہ بعلم زندہ نشد
میتش داں ومسکنش مدفن

(۲) ازجنازہ نشان جنازۂ او
جامہائے تنش بجائے کفن

ترجمہ: (۱) وہ جاہل جو علم سے زندہ نہ ہوا اُسے مردہ جان کہ اس کی سکونت گورستان ہے۔

(۲) اس کی چارپائی جنازہ کا نشان ہے اس کے کپڑے جسم پر کفن ہیں۔

علم کی فضیلت حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے مُردہ دل کو علم سے زندہ فرماتا ہے جیسے ویران زمین کو بارش کے قطرات سے سرسبز کرتا ہے۔

مسئلہ علم سے دینی فنون جیسے تفسیر وحدیث اور اُصول فقہ، فقہ اور علم میراث وغیرہ مراد ہیں۔ ؎

علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث

ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دین کا علم صرف فقہ وتفسیر وحدیث ہے جو ان کے سوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہے۔

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے اختیار کے منکر ہیں اور اُن کے احیاءِ الموتیٰ باذن اللہ کا بھی انکار کرتے ہیں ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

مسئلہ عقائد و اعمال صالحہ بھی انہی میں شامل ہیں جو دائمی نعمتوں کا مستحق بنا کر دائمی زندگی بخشتے ہیں۔

مسئلہ جہاد بھی انہی سے ہے اس لئے کہ وہ بھی بقا کا سبب ہے اگر اُسے ترک کر دیا جائے تو دشمن غلبہ پا جاتا ہے بلکہ صفحۂ ہستی سے ختم کر دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔

مسئلہ انہی شہادۃ ہے اس لئے کہ شہدا اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ خواہ وہ کفار کی تلوار سے شہید ہوں یا ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ قویہ سے ؎

① دانۂ مردن را شیریں شد است
بل هُمْ احیاءٌ پے من امداد است

② اقتلونی یا ثقاتی لائما
ان فی قتلی حیاتی دائما

ترجمہ ① جوانمردوں کا دانہ میٹھا ہے بلکہ وہ زندہ ہیں میری طرف سے انہیں امداد ہے۔

② اے دوستو مجھے قتل کر ڈالو اس لئے کہ مجھے قتل کے بعد دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

موت فناعن الکل کا نام موت اور بقاء بنور اللہ تعالیٰ کا نام حیات ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ اور یقین کرو اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے دل کے درمیان میں حائل ہوتا ہے۔

قاموس میں ہے ہر وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان آڑے بنے اس کے لئے کہتے ہیں حال بینهما یعنی وہ شے ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی

تقاریر برائے يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ ① اس میں بندے و مولیٰ کے غایت قرب کی تمثیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے دل سے بھی قریب تر ہے اس لئے کہ جو شے کسی دوسرے شے کے درمیان حائل ہوتی ہے تو وہ بہ نسبت دوسری شے کے اقرب ہوتی ہے اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قلب کے تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے ہم اپنی غفلت سے جن امور سے بے خبر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں عرض کرتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اے اللہ میرے وہ امور بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

② اس سے بندے کو برانگیختہ کرنا مراد ہے کہ وہ اپنے جملہ امور خالص مخلص ہو کر سرانجام دے اور قلب کو ہر وقت صاف رکھے قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو۔ موت دے کر یا آفات و

بلیات میں مبتلا کر کے گویا بندوں کو کہا گیا کہ اے مومنو! علام الغیوب کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر فرصت کے ضائع ہونے سے پہلے پابندی کر کے تصفیہ قلوب و تزکیۂ نفوس کرلو۔ ورنہ فرصت کو تم نے غنیمت نہ سمجھا اور وقت ضائع کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا فرمائے گا جن سے بندے کو اپنے قلب کی اصلاح نہیں ہو سکے گی اس طرح سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی میں موت واقع ہوگی۔

(۳) حیلولتہ القلب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے قلب کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس پر غلبہ پاکر اس کو اپنے عزائم و مقاصد پر پورا نہیں اترنے دیتا۔ مثلاً اگر وہ بندے کے لئے سعادتمندی کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اسے کفر کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اگر کسی بدبخت کے لئے اللہ تعالیٰ اشقاوت چاہتا ہے (معاذ اللہ) تو اسے ایمان کی دولت سے دور رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی دعا میں بکثرت عرض کرتے **یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلبی علی دینك** اے قلوب و ابصار کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اور بندے کا امن و خوف سے اور ذکر کو نسیان سے بدل دیتا ہے اسی طرح اس کے جملہ امور سعادت کے شقاوت سے بدل دیتا ہے اس لئے کہ اس نے فرصت کو غنیمت نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بن گیا۔ (معاذ اللہ)

فائدہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ علماً کا کام ہے کہ وہ اپنے قلوب کی نگہداشت رکھیں لیکن عرفا دل کی نگرانی سے گذر کر ذات حق کی تلاش میں رہتے ہیں اس لئے علماً کے لئے **وَلِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** میں اشارہ فرمایا اور عرفا کے لئے **يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ** لیکن عرفا یا علماً ابتدائے سلوک میں قلب کی نگہداشت ضروری ہوتی ہے لیکن منتہی کے لئے وہی دل دیدار الٰہی کے لئے حجاب بن جاتی ہے اس لئے منتہی اپنے سلوک کی آخری منازل پر قلب سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں ؎

زین پیش ہمی دیدمش اندرِ دل خویش
دل نیز حجاب بود برداشتن زپیش

ترجمہ: اس سے پہلے میں نے اسے اپنے دل میں دیکھا پھر دل بھی حجاب نظر آیا تو اسے بھی آگے سے ہٹایا۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے بندے اور اس کے دل کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے قلب کے شیشے اور ظلمانی اوصاف کے درمیان خود حائل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے خوش نصیب سے ظلمات کوسوں دور ہوتے ہیں پھر اس کا ہر فعل و قول انوارِ جلال و جمال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔[1]

---

[1] یہی راز ہے جس سے وہابی۔ دیوبندی۔ مودودی وغیرہ بے خبر ہو کر شان ولایت و نبوت سے عداوت رکھتے ہیں اور ہمیں انہی کی وجہ سے کوستے ہیں۔ یاد رہے کہ اس بنا پر ایسی "تفاسیر" کے منکر بھی ہیں۔ (۱۲ اویسی غفرلہٗ)

وَاَنَّهٗٓ اور جانو کو بے شک اَلَیْہِ اللہ تعالیٰ کی طرف تُحْشَرُوْنَ تم اٹھائے جاؤ گے اور جمع ہو کر اس کے حضور میں پیش ہو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہو گی تو بھلائی ہے ورنہ عذاب کو تُرے پڑیں گے اس لئے اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت میں جد وجہد کرو اور اُن کے فرمان پر چلنے میں کوتاہی نہ کرو۔

نکات صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی استجابت سرائر میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استجابت ظواہر میں یا استجابت الٰہی یہ ہے کہ ارواح کو شہود کے لئے اور قلوب کو شواہد کے لئے اور اسرار کو مشاہدہ کے لئے اور خفی کو فنا فی اللہ کے لئے تیار کرو۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استجابت یہ ہے کہ اقوال و احوال و افعال میں صرف انہی کی تابعداری کرو۔

شانِ رسالت بہ انتباہ الوہیت مروی ہے کہ حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام سے بلایا نماز جلدی پڑھ کر حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اتنی دیر کیوں؟ عرض کی میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں فرمان ایزدی معلوم نہیں۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ یعنی تمہیں نماز چھوڑ کر میرے ہاں حاضر ہونا تھا۔ (سبحان اللہ کتنا ارفع و بلند شان ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ لیکن ؎

آنکھ والا تیری رفعت کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

؎ خدا جانے رسائی مصطفےٰ[1] ہے کہاں سے اور کہاں تک ہے
وہی تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے[2])

مسئلہ اسمیں فقہا کرام نے اختلاف کیا ہے کہ نماز کے اندر کسی کے بلانے پر نماز توڑنا جائز ہے یا نہ بعض فقہا نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کے لئے نماز توڑنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے اور نماز ایک عمل کو ضائع کرنا ہوتا ہے اور ابطال العمل حرام ہے۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ نماز ہر اُس ضرورت کے لئے توڑنا جائز ہے کہ جس میں تاخیر مضر ہو مثلاً کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گر جائے گا یا آگ میں جل مرے گا یا پانی میں ڈوب جائے گا ایسے مواقع پر نماز توڑنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اگرچہ فرض ادا کر رہا ہو یا نفل پڑھ رہا ہو (غنیۃ الفتاوی)

---

[1] (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ [2] اضافہ اُویسی غفرلہٗ)

مسئلہ نوافل پڑھنے والے کو ماں بلائے تو ماں کے لئے نفلی نماز توڑنا جائز ہے ۔

مسئلہ باپ کے لئے نوافل توڑنا جائز نہیں اس لئے کہ ماں کے حقوق بہ نسبت باپ کے زائد ہیں اس لئے کہ ماں بیٹے کی پرورش میں بہت زیادہ دکھ اُٹھاتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ماں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ الجنۃ تحت اقدام الامہات بہشت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یعنی ماں کی خدمت و تواضع بہشت کے داخلہ کا سبب ہے ۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ عزت واحترام میں باپ کو اور خدمت و تواضع میں ماں کو ترجیح ہے یہاں تک کہ اگر ماں باپ اکٹھے تشریف لائیں تو عزت و احترام کے لئے پہلے باپ کے لئے پھر ماں کے لئے اُٹھے۔

مسئلہ امام طحاوی نے فرمایا اگر نوافل پڑھ رہا ہے اور ماں باپ جانتے ہیں کہ وہ نماز میں ہے تو بھی بلائیں ۔ اگر چاہے تو نماز توڑ کر انہیں جواب دے تو کوئی حرج نہیں ۔ اگر اس کی نماز نفل کے انہیں علم نہیں تو پھر نہ دے ۔

مسئلہ فرائض پڑھنے والا کسی حالت میں بھی ماں باپ کے لئے نماز نہ توڑے ۔ ہاں اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر اسے پکاریں تو بلا ضرورت نماز نہ توڑے یہی نفلی روزے کے احکام ہیں کہ اگر اُسے زوال سے قبل نفی روزے توڑنے پر مجبور کرے تو نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے اگر زوال کے بعد کوئی مجبور کرے تو نفلی روزہ نہ توڑے ۔ ہاں اگر روزہ نفلی توڑنے میں والدین کی نافرمانی لازم آتی ہو تو پھر زوال کے بعد بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے (کذا فی شرح التحفہ والوقایہ) ۔

مسئلہ قضا روزے توڑنا ہر حالت میں مکروہ ہے (کذا فی الزاہد)

مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں اولیاء، علماء، اُدباء، اُمنا کی اطاعت بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث اور آپ کے راستہ میں چلنے والے ہیں ان کا طریقہ بھی درحقیقت رسول پاک کا وطیرہ[1] ہے ۔

سبق جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اسے مرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے یعنی وہ عارف کامل جو مقامات و مراتب ولایت کو طے کر چکا ہو ایسے شیخ کی ہر بات کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے خواہ اس پر عمل کرنے میں اسے رنج پہنچے یا خوشی ۔ یاد رہے کہ یہ طریقہ عقل سے نہیں بلکہ کشف والہام سے نصیب ہوتا ہے ۔ ؎

گر در سرت ہوائے وصالست حافظا

باید کہ خاک درگہ اہل نظر شوی

ترجمہ: اگر تیرے سر میں وصال کی خواہش ہے تو اے حافظا چاہیئے کہ اہل نظر کی درگاہ کی خاک ہو جا۔

---

[1] اس سے غیر مقلدین وہابی ٹولہ کا رد ہو گیا کہ وہ اولیاء و فقہا کا علیحدہ طریقہ بنا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں ۔ (اُویسی غفرلہ)

فائدہ اہل طریقت تین ہیں۔

① عبّاد۔
② مریدین۔
③ عارفین۔

عبّاد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں لگے رہیں زنا اور گمراہی سے بچیں۔
مریدین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام غلط رویّوں سے اپنے باطن کو پاک و صاف رکھیں اور مشاغل دنیا سے دور رہیں۔
عارفین کا طریقہ یہ ہے کہ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور دُنیا و آخرت کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نثار کردے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمستجیبین للدعوۃ الحقیقہ وَارْزُقْنَا من حلاوۃ الاسرار المحققہ

(ترجمہ) اے اللہ مجھے اپنی دعوت حقیہ قبول کرنے والوں سے بنا اور اسرار محققہ کی حلاوت عطا کر (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ اور ڈرو اس فتنہ سے کہ تم میں خاص ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

شان نزول اور علم غیب نبوی مدارک نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہ آیت حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دی کہ ان دونوں کی وجہ سے ایک ایسا فتنہ پھیلے گا کہ اس میں نہ صرف ظالم مبتلا ہوں گے بلکہ مظلوم بھی اور یہ فتنہ خاصہ آپ کے وصال کے بعد ہوگا۔ آپ نے یہ واقعہ ان دونوں حضرات کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا۔
چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں کتنا عظیم فتنہ برپا ہوا اور وہ سب کو معلوم ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فتنہ مذکورہ نہ صرف ظالمین کے لئے مخصوص ہے بلکہ وہ تو عام ہے ظالم غیر ظالم سب کو پہنچے گا۔ مثلاً برائیوں کا کھلم کھلا ارتکاب ہوگا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مخالفت ہوگی اور کلمہ حق میں افتراق پیدا کر دیا جائے گا بدعات سیئہ کا دور دورہ ہوگا جہل سے ڈھیل اور غفلت برتی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے کبھی برائی کے غیر مرتکب کو بھی دوسروں کی شامت سے عذاب پہنچتا ہے۔

مسئلہ اس میں تنبیہ ہے کہ جو فتنہ برپا کرے اُسے سخت تر عذاب ہوگا۔

حدیث شریف جبکہ فتنہ شہروں میں پھیل کر ہمہ گیر ہو کر سب کو پہنچتا ہے تو سخت عذاب اسے ہوگا جس نے یہ فتنہ پھیلایا۔

حدیث شریف فتنہ نیند میں ہوتا ہے لیکن بہت بڑا بدبخت ہے وہ جو اُسے جگاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاں ہمنشین تا توانی گریز
کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: اس ساتھی سے جہاں تک ہو سکے بھاگ جو سوتے فتنہ کو کہے اُٹھ کھڑا ہو۔

سوال آیات ① ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا)۔

② کُلُّ نفس بما کسبت (ہر نفس کو وہ ملے گا جو اس نے کمایا)۔

③ کل نفس بما کسبت رھین (ہر نفس گروی ہے اس کے ساتھ جو اس نے عمل کیا)۔

④ لَہَا مَا کَسَبَتْ وعلیہا مَا اکْتَسَبَتْ (اس کے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اس پر وہ ہے جو اس نے عمل کیا)۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی کے گناہ کی وجہ سے دوسرے سے مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ گناہ صرف اسی سے ہوگا جو اس کا ارتکاب کرتا ہے؟

جواب گناہ جب عام ہو تو جسے معلوم ہو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس بُرائی کو اپنی امکانی طاقت سے روکے اگر نہ روکے تو جیسے گناہ کا مرتکب سزا پائے گا ایسے ہی وہ۔ بشرطیکہ وہ اُس کی بُرائی پر راضی ہو ورنہ دل سے رنج منانے والا اس وعید کا مستحق نہیں اور عامل اور راضی ہر دونوں برابر کی سزا پائیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے یونہی حکم فرمایا تاکہ برائیوں کا پورے طور انسداد ہو۔ سیدنا ابن العربی قدس سرہٗ نے ایسے ہی فرمایا ہے اور حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہ نے شرح الاربعین میں ایک حدیث کی شرح میں کہا کہ کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ عمل فاسد کا غلبہ عمل صالح پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے عمل صالح والے کو ضرر پہنچتا ہے اگرچہ اس کا ضرر اُس کے اعمال صالحہ کو نہ ہو۔ جیسا کہ وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الآیۃ سے اشارہ ثابت ہوتا ہے اور یہ ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کے منافی بھی نہیں اس لئے کہ ہمارے نزدیک ضروری نہیں کہ ہر بُرے کے ساتھ ہر نیک کو اس کی بُرائی کی سزا ملے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بُرے کی برائی کی سزا ہر اس نیک کو ملے گی جو بُرے کی برائی پر راضی ہے ولا تزر وازرۃٌ وزر اُخریٰ مابہ الامتیاز کے طور فرمایا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ مجرم گناہ کر کے کسی پر سہارا نہ کرے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اپنے عموم پر ہر ایک کو شامل ہوتے ہیں اگر کوئی تخصیص ہوتی ہے تو اس کے کچھ عوارض ہوتے ہیں یہاں بھی ایسے ہوا۔

فائدہ مذکورہ بالا تقریر شر کے لئے ہے ایسے ہی خیر (بھلائی) کا حکم ہے اور وہ مذکور ہے اس حدیث میں جسے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ کے ذکر کے فضائل میں بیان فرمایا ہے کہ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ذکر کرنے والے حلقوں سے ملائکہ کے سامنے فخر و ناز کرتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا - اس پر ایک فرشتہ عرض کرتا ہے اِنَّ فِیہِم فلانا لیس منہم و اِنَّمَا اَتٰھُمْ لِحاجۃ " اس حلقہ ذکر میں فلاں اُن کا ساتھی نہیں اور نہ ہی وہ ذکر کے لئے یہاں آیا - بلکہ اُسے تو کوئی کام تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں ٹھہر گیا - اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے وَلَہٗ قَدْ غَفَرْتُ ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ میں نے اُسے بھی بخش دیا اس لئے کہ وہ ایسی مبارک قوم ہے کہ اُن کا ساتھی بدبخت نہیں ہوتا - یہ حکم عام ہے اور کلیہ ضابطہ کے طور بیان کیا گیا ہے کہ بُرے عمل والے پر عملِ صالح والے کا اثر ہوا کہ صرف ساتھ بیٹھنے سے وہی مرتبہ نصیب ہوا جو عمل صالحہ کے عمل کو - مثنوی شریف میں ہے ؎

(١) اے خنک آں مرد از خود رستہ شد

در وجود زندۂ پیوستہ شد

(٢) وائے آں کہ زندہ کہ با مردہ نشست

مردہ گشت و زندگی از وے بجست

(٣) حق ذاتِ پاک اللہ الصمد

کہ بود بہ مار بد از یار بد

(٤) مار بد جانے ستاند از سلیم

یار بد آرد سوئے نار مقیم

ترجمہ : (١) اے خوش قسمت ہے وہ مُردہ جو دنیا سے نجات پا گیا اور وہ زندہ وجود سے جا ملا -

(٢) اس زندہ پر افسوس جو مُردہ کے ساتھ بیٹھا وہ مُردہ ہو گیا اور زندگی (حقیقی) اس سے گئی -

(٣) حق ذات پاک اللہ الصمد (کی قسم) کہ یار بد سے سانپ بد اچھا ہے -

(٤) سانپ بد تو جان لے گا لیکن یار بد ہمیشہ والی آگ (جہنم) میں لے جائے گا -

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ وَاتَّقُوْا یعنی اے وصالِ یار سے ہمکنار ہونے والو فِتْنَۃً اس آزمائش سے ڈرو یعنی نفوس کے دنیوی و دینی حظوظ میں مبتلا ہونے سے بچو - لَا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ج وہ فتنہ نہ صرف ظالمین کو پہنچتا ہے بلکہ اس کی ظلمت ارواحِ نورانیہ اور قلوب ربانیہ کو بھی پہنچے گی وہ اس طرح کہ وہ انہیں حظائرِ قدس اور ریاضِ انس سے نکال کر صفات النفس کے گڑھوں میں پھینک دی گئی کما قال تعالیٰ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

اسی بناء پر وہ واصلین کو جدائی اور ما سوی اللہ کی طرف اُن کی توجہ سے انہیں استدراج کی سزا میں مبتلا کرتا ہے -

اکذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرُوْٓا اور اے مہاجر یاد کرو اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ اپنے اس وقت کو کہ جب تم گنتی میں تھوڑے تھے مُّسْتَضْعَفُوْنَ یہ انتم کی دوسری خبر ہے یعنی تم کمزور تھے اس لئے کہ تم قریش کے ماتحت ہو کر ذلیل و خوار تھے۔ فِى الْاَرْضِ مکہ کی زمین میں تَخَافُوْنَ یہ انتم کی تیسری خبر ہے تم خوفزدہ تھے کہ تمہیں لوگ اچک نہ لے جائیں یہ اس لئے کہ اہل اسلام مکہ معظمہ سے اس خطرہ سے باہر نہ نکلتے تھے کہ کہیں انہیں کفار اُچک نہ لے جائیں۔ فَاٰوٰىكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں جگہ دی کہ وہاں سے اطمینان و تسلی سے واپس لوٹتے ہو۔ اس سے مدینہ طیبہ مراد ہے جہاں وہ ہجرت کرکے آئے وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ اور اپنی مدد سے کفار پر تمہاری طاقت بڑھائی وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی۔ اس سے وہ غنیمتیں مراد ہیں جو صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے حلال ہوئیں ورنہ سابقہ امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

حکایت جنید بغدادی قدس سرہٗ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں سات سالہ بچہ تھا حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ وہاں سالکین کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ آپس میں شکر کے بارے میں باہم گفتگو کر رہے تھے مجھ سے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شکر کسے کہتے ہیں۔ میں نے کہا شکر یہ ہے کہ بندہ نعمتیں پاکر اپنے مولیٰ کی نافرمانی نہ کرے فرمایا کہ یہ تیری زبان کا نصیبہ تجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ باوجودیکہ اس جواب سے ایک کامل نے مجھے خوشخبری دی لیکن تاہم میں عمر بھر خوفزدہ رہا۔

انتباہ دولت عثمانیہ اسلامیہ حکومتوں میں بہت بڑی سمجھی جاتی۔ اس کا ابتدائی حال بھی ایسے ہی تھا کہ ابتداً میں یہ بہت تھوڑے تھے اور فارس و روم کی سلطنتوں کے ماتحت تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد کو غلبہ نصیب فرمایا اور دشمنوں پر پورا غلبہ پایا۔ مشارق و مغارب میں دُور دُور تک فاتح اسلام بنے اور بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی تاریخ کے اوراق اُن کی سلطنت کے واقعات سے پُر ہیں۔ اسے بھی اُن کے سمجھدار بادشاہ ایک نعمت عظمیٰ سمجھتے رہے ممکن ہے (ہو کر رہا) کہ یہ کسی وقت اس پہلی حالت میں ہو جائے اس لئے کہ اسلام کے انجام کو دیکھئے کہ ابتداً غریب تھا تو انجام بھی اس کا ایسے ہی غریب ہوگا۔ یہ صرف بندوں کے لئے ہوتا ہے کہ کہیں وہ مغرور نہ ہوں اور نعمتوں کی ناشکری نہ کریں اور نہ سمجھیں کہ یہ ہمیں ہمارے استحقاق پر نصیب ہوئیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں یہ سب کچھ فضل و احسان ربانی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی درخلافش مکوش

② مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روزے پسیں سر بر آری بہیچ

ترجمہ: ① تجھے اللہ نے آنکھ منہ کان عطا فرمائے ہیں اگر دانا ہے تو اس کے خلاف کوشاں نہ ہو۔

② ایسا نہ کر اور نہ ہی نعمت دینے والے کے شکر نہ ہٹ کہ موت کے آخری وقت ہیچ کی طرف سر لے لے جائے گا یعنی ذلیل ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ روح و قلب ابتدأً جسم اور اس کے صفات میں نفس کے غلبات سے ماتحت اور کمزور تھے اس لئے کہ وہ انہی کے آدابِ طریقت کے دودھ کی تربیت میں تھے اور ان پر احکام شرعیہ کا اجرا بھی نہ تھا۔ وقت بلوغ تک نفس اور اس کے صفات کے محتاج تھے جب جسم میں استحکام پیدا ہوا اور وہ احکام شرعیہ کے لائق ہوا تو روح و قلب کو خوف تھا کہ کہیں انہیں نفس اور اس کے صفات اُچک نہ لے جائیں۔ اسی طرح شیطان اور اس کے حواریین سے خطرہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حظائر قدسی میں جگہ دی اور انہیں اپنی مراد سے واردات ربانیہ کی تقویت بخشی اور پاکیزہ یعنی وہ مواہب طاہرہ جو حدوث سے منزہ تھیں کی روزی سے نوازا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o کہ شکر کر کے مزید الطاف و احسانات کے مستحق بنو۔ ے

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: شکر تیری نعمت میں اضافہ کرے گا ناشکری تیرے ہاتھ سے نعمت چھین لے گی۔

نسخہ روحانیہ صوفیائے کرام کے عمدہ اصول یہ ہیں

① قلت طعام
② کثرت شکر
③ کثرت طاعت

اور صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعام کھانے میں چار باتیں فرض ہیں۔

① اکل حلال
② یہ عقیدہ ہو کہ یہ رزق اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔
③ جو کچھ عطا ہو اس پر راضی ہو۔

④ حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔

اور طعام کی چار سنتیں ہیں۔

① ابتداً بسم اللہ پڑھے۔
② فراغت پر الحمد للہ پڑھے۔
③ طعام سے پہلے اور بعد کو دونوں ہاتھ دھوئے۔
④ سیدھا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں پر بیٹھے۔

اور کھانے پر چار مستحب ہیں۔

① اپنے آگے سے کھائے۔
② بہت خوب چبا کر کھائے۔
③ چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے۔
④ دوسرے لقمے اٹھانے والے کو نہ دیکھے۔

دو باتیں ایسی ہیں کہ اُن پر عمل کرنے سے ہر بیماری کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے۔

① طعام سے جو شے گر جائے اُسے اُٹھا کر کھائے۔
② برتن کو چاٹ لے۔

دو چیزیں طعام میں مکروہ ہیں۔

① طعام کو سونگھنا۔
② طعام میں پھونک نہ مارنا اور طعام کو ٹھنڈا کر کے نہ کھانا۔ اگرچہ لذت گرم طعام میں ہے لیکن برکت ٹھنڈے طعام میں ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوشاں رہ کر حلال رزق کے حصول میں جد وجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے اس لئے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور چھوٹی بڑی بے شمار نعمتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت نہ کرو۔ الخون بمعنے خیانت جیسے الوفا بمعنے التمام۔ یہ امانت کی ضد میں مستعمل ہوتا ہے اور وہ نقصان کے معنے کو متضمن ہے اس لئے کہ جو کسی کی خیانت کرتا ہے تو وہ گویا اس کا نقصان کرتا ہے۔

شانِ نزول یہ آیت ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری کے حق میں نازل ہوئی واقعہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود بنی قریظہ کا دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ فرمایا۔ وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے اور ان کے دل خائف ہو گئے تو اس نے اُن کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا کہ اب تین شکلیں ہیں یا تو اس شخص یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کرو اور ان کی بیعت کر لو کیونکہ قسم بخدا وہ نبی مرسل ہیں یہ ظاہر ہو چکا اور یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر تمہاری کتاب میں ہے اُن پر ایمان لے آئے تو جان مال اہل و اولاد سب محفوظ رہیں گے مگر اس بات کو قوم نے نہ مانا تو کعب نے دوسری شکل پیش کی اور کہا کہ اگر تم اسے نہیں مانتے تو آؤ پہلے ہم اپنے بی بی بچوں کو قتل کریں پھر تلواریں کھینچ کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اصحاب کے مقابل آئیں کہ اگر ہم اس مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اہل و اولاد کا غم تو نہ رہے۔ اس پر قوم نے کہا کہ اہل و اولاد کے بغیر جینا ہی کس کام کا ہے تو کعب نے کہا کہ یہ بھی منظور نہیں تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صلح کی درخواست کرو شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صلح کی درخواست کی۔ لیکن حضور نے منظور نہ فرمایا سوائے اس کے کہ وہ اپنے حق میں سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابُوالبابہ کو بھیجئے کیونکہ ابُولبابہ سے اُن کے تعلقات تھے اور ابوالبابہ کا مال اور ان کی اولاد اُن کے عیال سب بنو قریظہ کے پاس تھے۔ حضور نے ابوالبابہ کو بھیج دیا بنی قریظہ نے اُن سے رائے طلب کی کہ کیا ہم سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیں جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ ابولبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے ابولبابہ کہتے ہیں کہ میرے قدم ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھ سے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت واقع ہوئی یہ سوچ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آنے کے بجائے سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد شریف کے ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوا لیا اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے یہاں تک کہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ وقتاً فوقتاً اُن کی بی بی انہیں نمازوں کے لئے اور انسانی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیتے جاتے تھے حضور کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابولبابہ میرے پاس آتے تو میں اُن کے لئے مغفرت کی دُعا کرتا لیکن جب انہوں نے یہ کیا تو انہیں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے وہ سات بندھے رہے نہ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی۔ صحابہ نے انہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے کہا میں خدا کی قسم نہ کھولوں گا جبتک کہ رسول رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے خود نہ آ کر کھولیں حضرت نے انہیں اپنے دست مبارک سے کھول دیا۔ ابُولبابہ نے کہا میری توبہ اس وقت پوری ہو گی جب میں اپنی قوم کی بستی چھوڑ دوں جس میں مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی اور میں اپنے کل مال کو اپنے ملک سے نکال دوں۔ سید

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔
وَتَخُونُوا أَمٰنٰتِكُمْ اور نہ ہی آپس میں امانتوں کی خیانت کرو۔ یہ پہلے لَا تَخُونُوا کی مجزوم ہے۔
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ اور تم جانتے ہو کہ واقعی یہ خیانت ہے یعنی تمہارے سے عمداً خیانت واقع ہوا اس لئے

لہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کا اندازہ لگایا جائے کہ باوجودیکہ توبہ کی قبولیت کا حکم باریتعالیٰ سے پالیا لیکن تمنا ابھی باقی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے باندھے ہوئے غلام کو چھوڑیں صحابہ کرام حُبِّ مصطفیٰ یعنی عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جان ایمان سمجھتے تھے دور حاضرہ میں چونکہ یہ دولت عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ فقیر اُویسی قارئین کی خدمت میں یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات پیش کرتا ہے کہ ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنا عشق تھا ہم بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر حرز جان بنائیں تو دارین میں فلاح و کامیابی نصیب ہو۔

عشق رسول بحکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی جان ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ مجھ کو اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔" اس حدیث شریف سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے مسلمانوں نے اس ارشادِ رسول پر کہاں تک عمل کیا، ذیل کے چند واقعات اس سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کفار مکہ سُولی دینے لگے، تو ابوسفیان نے اُن سے کہا کہ زید تم دل سے چاہتے ہوگے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ فرمایا خدا کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں ایک کانٹا چُبھے۔ (نعوذ باللہ)۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اُٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔

خاتون کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد میں ایک مسلمان خاتون کا باپ، بھائی اور شوہر شہید ہوگئے وہ مدینہ سے چل کر میدانِ جنگ میں آئی، اور اپنے اعزہ کی شہادت کی خبر کے باوجود صرف حضور علیہ السلام کی خیریت کا پتہ پوچھتی رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھا تو جوشِ محبت میں بول اُٹھی ؎

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ خیانت سہواً نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو اُسے خیانت نہیں کہا جاتا۔

ربط جب خیانت سے روکا گیا تو اب تنبیہ کی جاتی ہے کہ خیانت کا سبب کیا ہے فرمایا کہ وہ مال اور اولاد کی محبت سے ہوتی ہے مثلاً حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے یہ فعل اس لئے ہوا کہ اُن کی اولاد اور مال کفارِ مکہ کے قبضہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دُعا کے بعد۔

خُبیب صحابی رضی اللہ علیہ کا عشق حضرت خبیب کو سُولی پر چڑھا کر تڑپا تڑپا کر مار کر کچو کے دیئے جا رہے ہیں اور عضو عضو سے خون ٹپک رہا ہے مگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حضرت خبیبؓ مگن ہیں۔ بلکہ ایسے نازک وقت میں طبیعت کی موزونیت دیکھیئے کہ وہ شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں شعر موزوں کر رہے ہیں جبکہ ایسے جانکاہ موقعہ پر لوگ آہیں بھرتے ہیں۔ چیختے چلاتے ہیں، مگر حضرت خبیب شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں شعر گنگنا رہے ہیں۔ بس عقل حیران ہے اور ناطقہ سر بگریباں! اور ایسے میں ابو جہل پوچھتا ہے کہ اے خبیب! "اب تم یہ ضرور پسند کرو گے، کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوں اور تم چھٹکارا پا جاؤ!" آپؓ نے تڑپ کر فرمایا: میں ہزار بار اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں، لیکن یہ کبھی برداشت نہ کروں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک بال کو بھی ایذا پہنچے"!

اللہ اکبر! کیا والہانہ جذبۂ عشق و محبت تھا، کہ اس پر جس قدر رشک کیا جائے کم ہے۔

صدیق کو خدا کا رسول ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ کے موقع پر صحابہ کرام سے چندہ جمع کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ میرے دوست ابو بکر صدیق ہر نیکی کے کام میں مجھ سے بڑھ جاتے ہیں انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ آج نیکی کرنے میں ابو بکر صدیقؓ سے سبقت لے جائیں گے غرض آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان سنتے ہی سب صحابہ کرام اپنے اپنے گھروں کی جانب چلے۔

حضرت عمرؓ بھی خوشی خوشی گھر واپس آئے اور بہت سا سامان حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لاکر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے عمر! کچھ بچوں کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ! قربان جاؤں آپ پر، میں نصف مال گھر پر بیوی بچوں کے چھوڑ آیا ہوں اور نصف آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے، یہ سن کر سرکار نے فرمایا مرحبا عمر مرحبا! تو نے کمال کر دکھایا۔ اتنے میں یارِ غار (باقی اگلے صفحہ پر)

تھا ان کی محبت سے انہیں مخفی راز سے آشنا کردیا اور اُن کی خیر خواہی اور مسلمانوں کے راز کا افشا صرف مال اور اولاد کی محبت سے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَاعْلَمُوْا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ "اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہوئے اور سامان لاکر ڈھیر کردیا۔ کالی کملی والے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ بھی اپنے بال بچوں کے لئے کچھ گھر پر چھوڑ آئے ہیں؟ صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کی اے کالی کملی والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ) کی جان ہے، میں سوئی بھی گھر میں چھوڑ کر نہیں آیا۔ کیونکہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ذوالبجادین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قدیم نام عبدالعزیٰ تھا۔ مدینے سے منزل دو منزل کے فاصلے پر کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ بچپن میں باپ نے انتقال کیا تھا۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ اسلام کی آواز کانوں میں پڑی۔ ولی چچا تھا جو تمام مال و اسباب اور جائداد پر قابض تھا۔ دیدار رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شوق عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بے چین کررہا تھا، مگر ظالم چچا کے خوف سے خاموش تھے۔ آخر شوقِ دیدار ہر خوف پر غالب آیا۔ چچا سے خدمتِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ چچا نے خوب مارا، پھر جسم کے کپڑے تک اتار کر گھر سے نکال دیا لیکن ؎

گر ہمہ تن ریزہ ریزہ گردد
مہر تو زجاں رود محال است

عبداللہ اسی حالتِ عریانی میں اپنی ماں کے پاس آئے، ماں نے ایک کمبل دیا جس کے دو ٹکڑے کرکے ایک سے ستر پوشی کی اور ایک بدن کے اوپر ڈال لیا۔ اسی حالت میں مدینے پہنچے۔ بیعت اسلام کی اور شوقِ شہادت ظاہر کیا۔ اسی دن سے اُن کا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (کملی کے دو ٹکڑوں والا) رکھا گیا۔ یہ اصحابِ صُفّہ میں داخل ہوگئے۔ دن رات تعلیم دین میں بسر کرتے۔ نوجوان تھے۔ قرآن زوردار آواز میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن شکایت کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کی آواز سے نمازیوں (باقی اگلے صفحہ پر)۔

فائدہ فتنہ کا اطلاق جیسے آفات وبلیات پر ہوتا ہے ایسے ہی ابتلاً و امتحان پر بھی۔ پہلے معنٰے پر مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ اسباب ہیں جو تمہیں آفات وبلیات یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر برانگیختہ کرتے ہیں جنکی وجہ سے تمہیں آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ دوسرے معنٰے پر مطلب ہوگا کہ مال اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "اسے کچھ نہ کہو، یہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کرکے آیا ہے۔" انہی ایام میں سفر تبوک پیش آیا عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی مجاہدین میں شامل ہوئے اور حضور اکرم سے شہادت حاصل ہونے کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہیں راستے میں موت آجائے تب بھی تم شہیدوں میں داخل ہو جاؤ گے" الغرض لشکر روانہ ہوا اور راستے میں ہی عبداللہ کو تیز بخار آیا جس سے انہوں نے وفات پائی۔ بوقتِ وفات عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جمالِ اقدس پر نظر جمی ہوئی تھی کہ پیامِ اجل آگیا۔

بہ چہ ناز رفتہ باشی ز جہاں نیاز مندے

کہ بوقتِ جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کے لئے حضور اکرم نے اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی، اس لئے کہ خدا اور رسول کی راہ میں عبداللہ نے برہنہ ہوکر گھر سے نکلنا گوارا کیا تھا۔ اُن کی تدفین بھی عجب شان سے ہوئی اجلّہ صحابہ نے قبر کھودی، قبر تیار ہونے کے بعد حضورِ اکرم خود قبر میں لیٹے پھر اُٹھ کر کہا "لاؤ اپنے بھائی کو"۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مبارک لاشے کو سہارا دے کر اُتارا حضور اکرم نے فرمایا ادبا الیٰ اخیکما یعنی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عام مرنے والوں جیسا نہیں۔ اسے دھیرے دھیرے ادب سے اُتارو۔

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ او

بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ او

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ میں مشعل لئے تھے اس لئے کہ شب کے وقت تدفین عمل میں آئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ہمہ تن فدا" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش کو اپنی گود میں لے کر اُتارا۔ زمین پر لٹا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا اے اللہ! "آج شام تک مرنے والے پر راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا" حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ اس مرنے والے کی موت پر رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "اے کاش! اس قبر میں ہم دفن کئے جاتے۔ ایک عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کیا موقوف ہے؟ دیکھنے والے (باقی اگلے صفحہ پر)

اولاد ایسے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کے امتحان و آزمائش میں ڈالتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خواہش نفسانی کا بندہ کون ہے اور رضائے الٰہی کا طالب کون۔

وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ؕ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ثواب ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اس کی حدود کا پابند تو اسے بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

سبق ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنے جملہ مقاصد اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھیں تاکہ اس کی کرم نوازی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تو الگ رہے سننے والوں میں کون اہل ایمان ہے جو ایسی موت پر زندگیوں کو قربان کرنے کی تمنا نہ رکھتا ہو! ؎

منم و ہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن
برُخِ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

ایک صحابی کا نرالا عشق ایک دفعہ ایک صحابی رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جوشِ محبت سے بے تاب ہو گئے آگے بڑھے، آپ کی قمیض کو جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی، ہاتھ سے اُلٹ دیا خود اس کے اندر گھس گئے آپ سے لپٹ گئے اور جسم اطہر کو چوما۔

صدیق تو جان دے چکے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی طرف روانہ ہوئے، تو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ کے رفیق سفر تھے۔

رات کی تاریکی میں دونوں چلے جا رہے تھے۔ پیچھے سے کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا مکے سے چار پانچ میل کے فاصلے پر کوہِ ثور تھا، جہاں راستہ بے حد دشوار تھا، پتھروں سے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی، اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا، آخر ایک غار تک پہنچے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو باہر ٹھہرایا خود اندر جا کر غار کو صاف کیا تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ بند نہ ہو سکا اسے پاؤں کے انگوٹھے سے بند کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُن کے زانو پر سر اقدس رکھ کر خواب استراحت فرمانے لگے۔ اتفاق کی بات اس سوراخ میں کوئی سانپ تھا، اُس نے صدیقِ اکبرؓ کے انگوٹھے میں ڈس لیا۔ وہ شدت درد سے بے تاب ہو گئے مگر اف تک نہ کی ؎

صدیق نے پیروں کو جنبش تک نہ ہونے دی
یہی ڈر تھا کہ کہیں آنکھیں نہ کھل جائیں پیمبر کی

درد کی شدت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک آنسو حضورِ اکرم کے چہرہ اقدس پر گرا جس سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

خیانت سے بچ جائیں۔

لطیفہ حضرت احمد انطاکی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ بتایا لیکن بدقسمتی سے ہم ان ہر دونوں فتنوں کی محبت میں مبتلا ہیں ؎

جوان و پیر کہ در بندِ مال و فرزندند

نہ عاقلند کہ طفلاں ناخرد مندند

ترجمہ: جوان اور بوڑھے مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہیں ایسے لوگ دانا نہیں بلکہ بے عقل بچے ہیں۔

نکتہ ہر مال و اولاد اللہ تعالیٰ کے قرب سے محرومی کا سبب ہوں تو وہ منحوس ہیں۔ اگر وہی مال اور اولاد و دیگر اُمور اللہ تعالیٰ کے قرب اور طاعتِ الٰہی کے سبب ہوں تو وہ محبوب بلکہ ہر انسان کا مطلوب ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چیست دنیا از خدا غافل بُدن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(۲) مال را کز بہر دین باشی حمول

نِعمَ مالٌ صالحٌ خواندش رسول

(۳) آب در کشتی ہلاک کشتی است

آب اندر زیر کشتی پُشتی است

(۴) چونکہ مال و ملک را از دل براند

زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: (۱) دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا نہ سونا نہ چاندی نہ اولاد نہ عورت۔

(۲) مال اگر دین کے لئے اُٹھا رہا ہے تو اس کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صالح مال اچھا ہے

(۳) کشتی میں پانی جائے تو وہ کشتی کی ہلاکت ہے اگر پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کا امداد دی ہے۔

(۴) چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مال کو دل سے ہٹا دیا تھا اس لئے وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود خود مسکین کہلواتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تمام واقعہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن زخم پر لگا دیا، جس سے زہر کا اثر زائل ہوگیا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حدیث شریف جب کوئی کہتا ہے دنیا ملعون ہے تو دنیا کہتی ہے ملعون وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔

سبق عاقل وہ نہیں جو دنیا پر لعن طعن وسب وشتم میں مشغول ہے بلکہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی محبت پر اور حُبِ دنیا میں مبتلا ہونے کے باوجود اس پر لعنت کرنے سے ملامت کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

نوجوان بچی حضرت سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بہت سیاہ فام تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے۔ ایک دفعہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوش ہو کر فرمایا! سعد شادی کیوں نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھ ایسے کالے کلوٹے کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ! قبیلہ ثقیف کے سردار سے جاکر کہو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے، مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کردو۔ سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جاکر پیغام پہنچایا سردار اُن کی صُورت دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح اس سے کردوں۔ سعد (رضی اللہ عنہ) مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی "جانے والے ذرا ٹھہر جا" وہ ٹھہر گئے۔ پھر آواز آئی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے اگر یہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے تو بسروچشم قبول ہے۔ اُس کے بعد اُس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا آپ نے بُرا کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام کا بُرا منایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ آپ اس کے کالے رنگ کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھیں۔ ؎

میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے رنگ کالے کو دیکھ

میں تو یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ

اسلام تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشنودی حاصل کرنے کا نام ہے بہتر ہے کہ آپ بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جاکر معافی مانگیں۔ بیٹی کی باتوں کا باپ کے دل پر اثر ہوا اور بات سمجھ میں آگئی کہ واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور بالآخر کالے سعد کی شادی عرب کے اسی معزز سردار کی خوبصورت بیٹی سے ہوگئی۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ بیٹی اور کتنا خوش نصیب تھا وہ باپ جس نے اپنی دختر حضور اقدس کے قدموں میں نثار کردی۔

ایک اور نوجوان بچی ایک دفعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا، تم اپنی بیٹی میرے حوالے کردو۔ صحابہ کرام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہ تھی کہ وہ حضور کی کسی خواہش کو پورا کریں۔ وہ انصاری باغ باغ ہوگئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں اپنے لئے نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

مکالمہ بایزید قدس سرہٗ بارب مجید تعالیٰ شانہٗ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے جمع خاطر کر کے دل پر قابو کر کے اپنے آپ کو بارگاہِ حق میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے عرض کی دنیا کو سہ طلاق دی صرف تیری رضا جوئی میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید! دنیا تو میرے لئے مکھی کے پر کی مقدار بھی وقعت نہیں رکھتی پھر تحفہ کیسا۔ میں نے عرض کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

خلیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے یہ پیغام دے رہا ہوں خلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ ان کی حیا دبے جا ظرافت کی وجہ سے پسند نہ کرتے تھے۔ اُن کا نام سُن کر متامل ہوئے اور عرض کی میں ذرا لڑکی کی والدہ سے مشورہ کر لوں۔ ماں نے خلیب کا نام سنتے ہی انکار کر دیا۔ لیکن لڑکی بولی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات سے انکار کرنا مناسب نہیں۔ میرے متعلق حضور نے جو فیصلہ کیا ہے، اُس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا جوئی میں خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت خثیمہ کا عشق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب غزوۂ تبوک ہوا تو سخت گرمی کا موسم تھا۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ اُن کی بیبیوں نے اُن کی راحت و آسائش کے لئے بالاخانے پر چھڑکاؤ کیا ہے۔ پانی سرد کیا ہے اور عمدہ کھانا تیار کر رکھا ہے یہ سب سرو سامان دیکھ کر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو اس لُو اور شدتِ گرمی میں کھلے میدان میں ہوں اور میں سرد پانی اور عمدہ غذا سے لطف اندوز ہوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہرگز بالاخانے پر نہ جاؤں گا چنانچہ اسی وقت زادِ راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

سنت کا عاشق ایک دفعہ دو صحابی کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں پانی کا نالا آگیا۔ ایک صحابی گذر گئے لیکن دُوسرے ابھی کھڑے تھے۔ پہلے نے پوچھا کہ نالے کو عبور کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگا کہ ایک دفعہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اسی نالہ سے گذرا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے دایاں پاؤں اُٹھایا تھا یا کہ بایاں۔ تا کہ میں سنت پر عمل پیرا ہو سکوں۔

بچے کو تھپڑ مار دیا ایک دفعہ ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے، کہ اُن کے بیٹے نے کہا ابا جی مجھے تو کدو پسند نہیں ہے وہ صحابی جوش میں آگئے اور بیٹے کو تھپڑ رسید کر کے کہنے لگے، ظالم! جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند فرمایا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے پسند نہیں۔ سبحان اللہ! اب ایسے عاشق صادق تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعی یہ تحفہ تیرے لئے لائق نہیں۔ البتہ یہ تحفہ پیش کرنے کے لائق ہے کہ میں تیرے اوپر توکل کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تحفہ کیسا؟۔ میں نے تیرے ہر معاملہ کا ذمہ اُٹھایا تھا۔ پھر اُس کا معنٰی یہ ہوا کہ تجھے میری ذمہ ذمہ داری پر بھروسہ نہ ہوا تو پھر میرا سہارا کیسا۔ حضرت بایزید نے عرض کی اے الہ العلمین یہ بھی میری غلطی ہے اس سے معافی مانگتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ میں کچھ نہیں اور نہ تحفہ لانے کے قابل ہوں ایک عاجز فقیر ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ پہنچے تو وہاں ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہمانی کا شرف مجھے حاصل ہو، یہ شرف بالآخر حضرت ایوب انصاری کے حصے میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مکان کے نچلے حصے میں قیام پسند فرمایا۔ ایک دن اتفاقاً اوپر چھت پر پانی سے بھرا ہوا گھڑا ٹوٹ گیا۔ چھت چونکہ پختہ نہ تھی۔ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا مبادا چھت ٹپکے اور پانی نیچے جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ میاں بیوی کے پاس ایک ہی لحاف تھا اُسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے اس کے بعد میاں بیوی نے کونوں میں دبک کر رات بسر کی۔ صبح حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور رات کا قصہ بیان کیا اور پھر درخواست کی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُوپر کی منزل پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر ٹھہرنا قبول فرمالیا۔

موت منظور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول کیا، تو سب سے پہلے توحید پر خطبہ دیا۔ کفار یہ کلمات سن کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اس قدر شدت سے مارا کہ وہ قریب المرگ ہوگئے۔ دیکھنے والوں کو اُن کی موت کا یقین آگیا۔ اُن کے قبیلہ بنی تیمم کے لوگوں نے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اُٹھا کر گھر لے گئے شام کے قریب جب انہیں کچھ ہوش آیا اور ہوش بجا ہوئے تو بجائے اپنی تکلیف بیان کرنے کے' زبان کھلتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ یہ حال دیکھ کر قبیلے کے لوگوں نے بھی قطع تعلقی کرلی با ایں ہمہ ان کو اُسی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رٹ لگی رہی۔ آخرکار لوگوں نے انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو بڑی رقت پیدا ہوئی اُن کے اوپر گرے اور اُن کا بوسہ لیا۔

حضرت صدیق کا عشق وادب قال ابن الاعرابی روی اِن اعرابیا جاءَ اِلی ابی بکر فقال انت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال (باقی اگلے صفحہ پر)۔

جو تیرے حضور میں حاضر ہوا ہوں اللہ تعالیٰ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا بس یہی میری بارگاہ کا تحفہ ہے جو تم لائے ہو۔

سبق غور کیجئے جب عارفین کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ زندگی طلبِ حق میں گذری اور سرِ مو حقوق میں کمی نہ ہونے دی تو پھر ہم کون اور تم کون۔ ان کی جانثاری پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محرم بنایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لا قال فما انت قال الخالفه بعدهٗ۔" یعنی روایت ہے کہ ایک اعرابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا نہیں تو اُس نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ خالفہ ہوں حضرت کے بعد۔

فائدہ خالفہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر میں تمام لوگوں میں ایسا ہو جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ صدیق اکبر کو ادب واحترام نے اس کی اجازت نہ دی کہ اپنے کو اس لفظ کا مصداق سمجھیں اُس کو ایسے طور سے بدلا کر خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی قائم رہا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و عشق و ادب عن عبد اللہ ابن عباس قال قیل للعباس انت اکبرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ھو اکبر منی وانا ولدت قبلہ (کنز العمال)۔ یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت عباس نے جواب دیا کہ حضرت بڑے ہیں لیکن میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

فائدہ حضرت عباس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا احترام کرتے تھے۔ لیکن حضرت عباس کو احترام نبوی نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکبر کہنے کی اجازت نہیں دی بلکہ حضرت عباس نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

اُمُّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا عشق حضور علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد کی بات ہے کہ جب کبھی مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ وغیرہ ٹھونکی جاتی تو اس کی آواز سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دونوں کواڑ مدینہ منورہ سے باہر مناصع کے مقام پر تیار کروائے۔ تاکہ ان پر کام کرنے سے اوزاروں کی آواز مسجد نبوی (باقی اگلے صفحہ پر)

اسباقِ عارفانہ

① فرائض و سنن ایسے اعمال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں امانت رکھے ہیں تاکہ ہم اُن کی ادائیگی میں سرِ مُو کمی نہ کریں انہیں ان کے اوقات پر اُن کی حدود و حقوق کے مطابق ادا کریں جو انہیں ضائع کرتا ہے یقین جانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانات کی خیانت کر رہا ہے ۔

② وجود اور اُس کے توابع ہمارے ہاں امانت ہیں یعنی جسم کا ہر عضو ہمارے پاس بطور امانت ہے ہم انہیں اسی طرح استعمال کریں جس طرح ہمیں حکم ہے اگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے خلاف استعمال کیا تو ہم اللہ تعالیٰ کے خائن ہیں ۔

③ غلام اور لونڈیاں اسی طرح اہل و عیال اور آل و اولاد اسی طرح ہمارے خدام نوکر چاکر ہمارے ہاں امانت ہیں اگر ہم اُن کے حقوق پابندی سے ادا کریں گے تو امانت سلامت ورنہ خیانت کی سزا پائیں گے ۔

④ سلطنت، وزارت، امارت، حکومت، قضا (فیصلے وغیرہ) فتویٰ نویسی ان جیسے اور اُمور ہمارے ذمہ امانات ہیں اگر ہم نے سرِ مُو کمی کی تو سخت سزا۔

حدیث شریف

کسی شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ دیا جائے (حالانکہ اس سے دیگر زیادہ لائق تھا) تو حکومت کا عہدہ دینے والا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام اہلِ ایمان کا خائن ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① کسے را کہ با خواجۂ تست جنگ
بدستش چرا می دہی چوب سنگ

② سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرمائی تا استخوانش دہند

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نہ جائے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذیت نہ پہنچے (وفاء الوفا)
اس سے بھی زیادہ عقیدت و محبت کا اظہار حکومت ترکیہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کیا جب اصل مسجد (تو آج بھی موجود ہے) کی تعمیر کی گئی ۔ حکومت ترکیہ نے دس دس بارہ بارہ سال کے نوجوان معمار ترکھان و دیگر کاریگر وغیرہ اپنے ہاں بھرتی کئے ۔ ان کو عرصہ دس سال میں قرآن کریم حفظ کرایا گیا اور تعمیر کی تعلیم دی گئی ۔ ان کو مدینۃ النبی لایا گیا تو تعمیر کے کام کا تمام سامان لوہا ۔ کاٹنا ، سنگ تراشی لکڑی کاٹنا وغیرہ مدینہ منورہ سے ۱۲ میل باہر کیا گیا یہ اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے یہ کاریگر حفاظ مسجد کی تعمیر کے دنوں میں ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے ۔

آج کی سعودیہ حکومت نے اس تعمیر کو گرانے کے لئے بڑی طاقتور مشینیں منگوائیں اور یہ مشینیں دو ماہ تک مسجد کی ستونوں کو گراتے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کی تعمیر تو با وضو حافظ قرآن ہنرمندوں کے ایمان و عشق کا ثبوت تھا اور ایک انچ بھی زمین نہ ہل سکی اور یہ دہشت ناک کوشش ترک کر دی گئی اور یہ تعمیر آج بھی موجود ہے حکومت سعودیہ نے اس کے ساتھ علیحدہ اضافہ کیا ہے ۔ (مشتاق محمد خاں)

ترجمہ: ① جیسے تیرے آقا سے جنگ ہے اس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور پتھر کیوں پکڑا تا ہے۔
② کتا کون لگتا ہے کہ اس کے آگے دسترخوان رکھا جائے حکم فرما کہ اسے جھڑک دیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں دو شریکوں کا ایک ہوں جبکہ ان دونوں میں کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر کوئی خیانت کرے تو میں اُن سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور شیطان اُن کا ساتھی ہو جائے گا۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ امین غیر خائن ہو اس لئے کہ خیانت سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

لطیفہ امین کتا اپنے خائن مالک سے بہتر ہے۔

حکایت حضرت حارث بن صعصاؑ کے بہت سے ساتھی تھے۔ وہ اُن سے جدا نہ ہوتے اور وہ بھی اُن سے محبت کرتے تھے ایک دفعہ سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلے اُن کے ساتھ ان کے ساتھی بھی تھے جب ساتھیوں میں سے ایک خائن نکل کر گھر واپس لوٹا اور اپنی زوجہ کو کھانے پینے کی اشیاء کا کہا۔ وہ لائی اور وہ کھا پی کر سو گئے تو اُن دونوں پر کتے نے حملہ کر دیا۔ حارث ان کے گھر واپس لوٹے تو ان دونوں کو مقتول پا کر یہ اشعار پڑھے۔ ؎

① وما زال یرعی ذمتی ویحوطنی
ویحفظ عروسی والخلیل یخون

② فیا عجبا للخل تحلیل حرمتی
ویا عجبا للکلب کیف یصون

ترجمہ: ① وہ ہماری ذمہ داری کی نگرانی اور احاطہ کرتا تھا اور میری دولہن کی بھی حفاظت کرتا تھا اور خلیل خیانت کرتا ہے۔
② افسوس اس کی دوستی پر جس نے میری حلال شے کو حرام کیا۔ لیکن تعجب ہے کتے پر کہ وہ کس طرح حفاظت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ارواح اور قلوب جو نورِ ایمان سے منور اور سعادات عرفان کے لئے مستعد ہیں۔ لَا تَخُوْنُوا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں خیانت نہ کرو۔ یعنی انہیں دنیوی ضروریات پر خرچ نہ کرو اور نہ ہی اس کے اہل کا شکار ہو جاؤ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ترک نہ کرو اور نہ ہی بدعات کو رواج دو۔ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِکُمْ امانات بمعنے محبت الٰہی اور خیانت سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بجائے مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اربابِ قلوب و اصحاب سلوک کو چاہیئے کہ جب طاعات و قربات کے اعلیٰ مراتب و مقامات سے فائز المرام ہوں تو وہ دنیا اور اس کی زینت کی طرف توجہ نہ دیں اور کسی قسم کا تصنع کر کے اللہ تعالیٰ کی خیانت نہ کریں اور ترکِ سنت کر کے اور بدعات سیئہ کو مروج کر کے رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خیانت نہ

(باقی صفحہ ۳۵۸ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ
عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ وَإِذْ
يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ
وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا
قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ وَإِذْ قَالُوا
اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً
مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ
فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ
اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ
أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ
عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ○
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا
ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ
يُحْشَرُونَ ○ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ
فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○

ترجمہ: اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر دو اور تمہاری برائیاں
اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے
تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا وہ نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور
اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا ہم چاہتے
تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے
تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب
تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں اور انہیں کیا ہے کہ اللہ

انہیں عذاب نہ کرے وہ تو مسجد حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں اس کے اولیا تو پرہیزگار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو علم نہیں اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی تو اب عذاب چکھو بدلا اپنے کفر کا بے شک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا ہوں گے پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہوگا اس لئے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرمادے اور ہماری نجاستوں کو تلے اوپر رکھ کر سب ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے وہی نقصان پانے والے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اُن اُموروں میں جن کے بجا لانے اور اُن سے بچنے کا حکم ہے ۔ یَجْعَلْ لَّكُمْ اس کے سبب سے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ بنائے گا فُرْقَانًا حق و باطل سے جدا کرنے والا یعنی تمہارے قلوب میں ایسا امر پیدا فرمائے گا جس سے تم حق و باطل کا امتیاز کر سکو گے یا تمہاری مدد فرمائے گا جس سے تمہیں اہل و حق و باطل کا امتیاز ہوگا یعنی اہل ایمان کو اعزاز دے گا اور اہل باطل کو ذلیل فرمائے گا چنانچہ فرمایا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان " اس یوم الفرقان سے یہی مُراد ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت بخشی اور کفار کو ذلیل و خوار فرمایا ۔ وَیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ اور تمہاری برائیاں چھپا دے گا ۔

(بقیہ ص ۳۵۶)

نہ کریں اس لئے کہ خیانت سے امانت یعنی محبت الٰہی میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ بلکہ آہستہ آہستہ محبت الٰہی چھین لی جاتی ہے جس سے پھر اُس کا دنیا کی طرف نہ صرف جھکاؤ بلکہ وہ شب و روز اسی کے حصول اور جمع کرنے میں منہمک اور اولاد کے حرص میں مشغول رہتا ہے وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم جانتے ہو کہ اس طرح سے دین کے بجائے دنیا اور مولیٰ کو چھوڑ کر ایک خسیس شے کے پیچھے دوڑ رہے ہو ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ اور یقین کرو کہ جس مال اور اولاد کے پیچھے دوڑ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر رہے ہو فِتْنَةٌ " لا بہ تمہارے لئے فتنہ ہے اس سے تمہارا امتحان ہو رہا ہے کہ تم میں عاشق کون ہے اور منافق کون ۔ اور تم میں صدیق کون و زندیق کون جو شخص دنیا اور اس کے متعلقات کو ۳ طلاق دے تو سمجھو کہ وہ طالبِ مولیٰ ہے ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے جو دنیا سے روگردان ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے لئے بہت بڑا اجر پائے گا ۔

نکتہ دراصل عظیم اللہ تعالیٰ کا نام ہے ۔ اسمیں اشارہ ہے کہ اوصافِ مذکورہ کے موصوف کو خود اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نصیب ہوگا ۔ جو سالک کا حقیقی مقصد ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فرق درمیان سیئہ وخطیئہ سیئہ ہر وہ عمل جو بالذات بُرا ہو اور خطیئہ ہر وہ عمل جو بالعرض بُرا ہو اس لئے کہ یہ خطا سے مشتق ہے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہ معاف فرما کر اُن سے درگذر فرمائے گا وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یعنی اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل فرماتا ہے ماقبل کی علت بتائی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ تقویٰ پر اجر عنایت فرمانا یہ بھی اُس کا فضل وکرم ہے نہ یہ کہ اُس کا فضل وکرم تقویٰ پر منحصر ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے فرمائے کہ فلاں کام سرانجام دو تمہیں انعام ملے گا اس غلام کو آقا کی مہربانی سمجھنی چاہیئے نہ یہ کہ اُس کے آقا کا احسان وانعام اس عمل کی وجہ سے ہوگا۔

فوائد آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے شریعت کا تقویٰ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اپنی امکانی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حقیقت کا تقویٰ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنیکا حق ہے۔

فائدہ متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے بچانے کا معین ومددگار بنالے یعنی اپنی ذات وصفات وافعال اس کی ذات وصفات وافعال میں فنا کردے ؎

گم شدہ چوں سایہ نورِ آفتاب

یا چو بوئے گل در اجزائے گلاب

ترجمہ: نور سورج سے سایہ جب گم ہوگیا۔ یا خوشبو تلاش کر اجزائے گلاب سے۔

فائدہ حضرت ابن مبارک نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ "الناس کون ہیں۔ فرمایا علماً پھر پوچھا اشراف کون ہیں فرمایا "متقین" پھر پوچھا بادشاہ کون فرمایا زاہدین پھر پوچھا غوغا کون ہیں فرمایا نقصہ کہانیاں سنانے والے۔ جو لوگوں کو قصے کہانیاں سُنا کر روزی کماتے ہیں پھر پوچھا بے وقوف کون ہیں فرمایا ظالم۔

تقویٰ کا اسناد مخاطبین کی طرف اور فرقان کو اپنی طرف اس لئے فرمایا کہ جب کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے اپنے لئے چُن لیتا ہے پھر اُس کے دل میں ایسا نور قدسی ڈالتا ہے جس سے وہ خود بخود حق وباطل اور وجود وعدم اور حدوث کا امتیاز فرماتا ہے[1] اور اپنے نفوس کے عیوب سے بھی پورا واقف ہو جاتا ہے۔

---

[1] اتنے ہم نبوت کے لئے علم غیب اور ولایت کے لئے کشف والہام سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بے چارے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں نے اسے شرک سے تعبیر کیا۔ (لان الوہابیہ قوم لا یعقلون) یہاں مختصر سی بحث عرض کردوں تاکہ تسکین ہو علم غیب کے مسئلہ میں حق پر مذہب اہلسنت ہے اور بس۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ حضرت احمد بن عبد اللہ المقدس فرماتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہما کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی سرکار! آپ نے دنیا فانی کو سہ طلاق کیسے دی اور پھر اتنا بلند مراتب و کمالات کو کیسے حاصل کیا فرمایا۔ ایک دن میں اپنے ایوان خاص میں ارکانِ دولت کے ساتھ بیٹھا تھا اور نوکر، غلام میرے سامنے دست بستہ کھڑے تھے اچانک میری نگاہ اپنے محل خاص کے صدر دروازے پر پڑی دیکھا وہاں ایک درویش بیٹھا ہے اُس کے ہاتھ میں خشک روٹی ہے جسے وہ پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے اور سالن کے بجائے خشک نمک سے گذارہ کر رہا ہے جب کھانے سے فارغ ہوا تھوڑا سا پانی پیا اور حمد و شکر خداوندی بجالا کر وہیں پر سو گیا۔ اُس سے میرا دل بہت متاثر ہوا میں نے اپنے کسی غلام سے کہا کہ جس وقت یہ درویش بیدار ہو تو اسے میرے پاس لانا۔ چنانچہ جب وہ جاگا تو غلام نے عرض کی کہ حضرت! آپ کو صاحب خانہ بلاتے ہیں اور آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پڑھا بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یہ کہہ کر میرے غلام کے ساتھ چل پڑا اور میرے ہاں تشریف لا کر کہا "السلام علیکم!" میں نے انہیں سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ آرام سے بیٹھ گئے میں نے عرض کی "اے درویش تم بھوکے تھے سوکھی روٹی کھائی اس سے کیا سیر بھی ہوئے اُس نے کہا ہاں جی۔ میں نے پوچھا آپ پیاسے تھے پانی پیا کیا اس سے تمہاری پیاس بجھ گئی۔ کہا ہاں اس کے بعد تم آرام سے سو گئے تمہیں نہ کوئی فکر تھا نہ غم کیا اس حالت میں تمہیں نیند بھی آئی اُس نے کہا ہاں جی۔ درویش کی کہانی سُن کر میں نے اپنے نفس کو ملامت کی "اے بندہ خدا دیکھ وہ بھی تو ایک انسان ہے جسے ایسی معمولی خوراک اور پوشاک کفایت کرتی ہے۔ ایک تو یہ تجھے بہت بڑی شاہی سے بھی بے چینی اور اضطراب ہے اس کے بعد میں نے توبہ کا عزم بالجزم کر لیا۔ دن بڑی بے چینی سے گذرا۔ رات ہوئی تو میں نے شاہی لباس اُتارا اور درویشانہ اُون کا لباس پہنا اور سر پر اُونی صُوفیانہ ٹوپی اوڑھی اور پاؤں سے ننگا اللہ تعالیٰ کی تلاش میں چل پڑا۔

فائدہ حضرت ابن ادھم کی توبہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ انمیں سے ایک یہ بھی ہے جو ہم نے بیان کی۔ مغفرت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار اور اس پر نیک گمان ہو کر زندگی بسر کرے۔ اس لئے کہ اُس کا فضل و کرم بے حد و عدّ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ کو پانچ باتیں سکھائی جاتی ہیں انہیں یاد کر لو اس لئے کہ وہی دین کا ستون ہیں۔ یاد رکھو میرے ملک کو زوال نہیں آسکتا اس لئے تم میری اطاعت کو کبھی نہ چھوڑنا۔

① ہمہ تخت و ملکے پذیر د زوال
بجز ملک فرمانده لازوال

ترجمہ: تمام تخت و ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک فرمان دینے والے بے زوال کے۔

خزائن الہیہ کبھی ختم نہ ہوں گے فلہذا تمہیں رزق کا فکر نہ ہونا چاہیئے ؎

② در دائرہ قسمت مانقطہ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ: ہماری قسمت کے دائرہ میں نقطہ تسلیم ہے لطف وہی ہے جو تیرے ارادہ میں ہے اور حکم وہی جو تیرا فرمان ہے۔

اپنے دشمن ابلیس کو مردہ مت سمجھو وہ اچانک حملہ کرتا ہے فلہذا اس کے حملہ سے ہر وقت چوکس رہیں ؎

③ کجا سر برآریم ازیں عار وننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

ترجمہ: اس عار وننگ سے ہم سر باہر کیسے لائیں کہ شیطان سے صلح اور حق کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں ؎

میں نے آپ کی مغفرت فرمادی لیکن دیگر مجرموں کو حقارت کی نگاہ سے بھی نہ دیکھنا ؎

④ مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست
کہ آگاہ ست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: مجھ مست کے سیاہ عملنامہ پر ملامت نہ کر کیونکہ اسے خبر ہے کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے ؎

جبتک بہشت میں داخلہ نصیب نہ ہو میری گرفت سے ڈرتے رہنا ؎

⑤ زاہد امین مشو از بازئ غیرت زنہار
کہ راہ از صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

ترجمہ، غیرت الٰہی سے اے زاہد بے خوف نہ ہو۔ عبادتگاہ اور بتخانہ تک اس کے لئے راستہ یکساں ہے۔

تفسیر صوفیانہ عاقل وہ ہے جو مرتے دم تک اپنی مغفرت کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس ارادہ پر گناہ معاف ہو جائیں بلکہ وجود فانی ہی رہے اور جلال و جمال کے انوار و تجلیات سے نوازا جائے اس لئے کہ وہ بندہ جو خودی مٹا کر فنا پائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت بڑا فضل کرتا ہے یعنی اسے فنا کے بعد بخشتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ اور اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جبکہ کافر آپ کے لئے مکر کرتے تھے۔

ربط جب حضور علیہ السلام مکہ میں تھے تو آپ کے ساتھ کفار مکہ نے ایک فریب سازی کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد دلایا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے آپ کو ان کے مکر و فریب سے بچا کر کتنا بلند قدر اور مراتب علیا سے نوازا کر پھر ان سب پر آپ کو غالب اور فاتح فرمایا۔

شیخ نجدی کی کہانی حضرت اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا بیان ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا کہ کفار قریش دار الندوہ (کمیٹی گھر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڈھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں چلا آیا مجھ سے تم کچھ نہ چھپانا۔ میں تمہارا رفیق ہوں میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا انہوں نے اس کو شامل کر لیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔ ابوالبختری نے کہا میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو۔ دروازہ بند کر دو۔ صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور وہ وہیں ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخ نجدی بنا ہوا تھا بہت ناخوش ہوا اور کہا نہایت ناقص رائے ہے یہ خبر مشہور ہو گی تو ان کے اصحاب آئیں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور ان کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ نجدی ٹھیک کہتا ہے پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) اونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر وہ جو کچھ بھی کریں۔ اس سے تمہیں کچھ ضرر نہ ہوگا۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا جس شخص نے تمہارے ہوش اڑا دیئے اور تمہارے دانشمندوں کو حیران کر دیا ہے اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجتے ہو۔ تم نے اس کی شیریں کلامی سیف زبانی دل کشی نہیں دیکھی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب کو تسخیر کر کے ان لوگوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اہل مجمع نے کہا شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے اس پر ابو جہل کھڑا ہوا اور اس نے یہ رائے دی کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور ان کو تلواریں دی جائیں وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے تو دے دیا جائے گا۔ ابلیس لعین نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابو جہل کی بہت تعریف کی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ گذارش کیا اور عرض کیا کہ حضور اپنی خوابگاہ میں شب کو نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے کہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنی خوابگاہ پر رہنے کا حکم دیا اور فرمایا ہماری چادر شریف اوڑھو تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت سرائے اقدس سے باہر تشریف لائے اور ایک مشت خاک دست مبارک میں لی اور آیت انّا جعلنا اغلالاً پڑھ کر محاصرہ کرنے والوں پر

ماری۔ سب کی آنکھوں اور سروں پر پہنچی سب اندھے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لئے مکہ مکرمہ میں چھوڑا۔ مشرکین رات بھر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سرائے کا پہرہ دیتے رہے۔ صبح کو جب قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوئے تو دیکھا حضرت علی ہیں۔ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں معلوم نہیں تو تلاش کے لئے نکلے جب غار پر پہنچے تو مکڑی کے جالے دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر اس میں داخل ہوتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں تین روز ٹھہرے پھر مدینہ روانہ ہوئے۔

واقعہ مذکور کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ الخ

لِیُثْبِتُوْكَ تاکہ آپ کو بیڑیوں سے بند کرکے جیل میں ڈال دیں۔ اثبات الشیٔ وتثبیتہ سے کسی جگہ کو باندھنا مراد ہوتا ہے۔ اس لئے جو کسی کو باندھتا ہے تو ایسا جکڑتا ہے کہ اُسے کسی قسم کی حرکت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ عمرو بن ہشام کے مقولے کی ترجمانی ہے اَوْ یَقْتُلُوْكَ یا آپ کو مختلف تلواروں سے شہید کردیں۔ یہ ابوجہل کے منصوبے کا اظہار ہے اَوْ یُخْرِجُوْكَ یا آپ کو اپنے شہر مکہ سے کسی دوسرے شہر کی طرف جلا وطن کرکے نکال دیں۔ یہ ابوالبختری کے خیال کا اظہار ہے وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ اور وہ اپنا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر فرماتا تھا یعنی اُن کی کاروائی چاہ دا کند چاہ در پیش کے مطابق بناتا تھا۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ ابتداً اس کے لئے مکر کا اسناد کیا جائے اس لئے کہ مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے اللہ تعالیٰ منزّہ اور پاک ہے البتہ مقابلۃً ومشاکلۃً اس کا استعمال جائز تو ہے لیکن وہاں خفیہ تدبیر مراد لی جائے گی[1]۔

وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہوتی ہے۔ اُن کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے بالمقابل کچھ نہیں۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق وصواب پر ہوتی ہے اور ان کا باطل وظلم پر مبنی۔ مخلوق کا مکر حیلہ اور عجز پر دلالت کرتا ہے اور خالق کی خفیہ تدبیر کے مقابلہ میں باطل اور بے کار ہوتی ہے اور اللہ

---

[1] لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیر و مرشد اور استاد اسماعیل دہلوی نے مکر اللہ کا ترجمہ مکر سے کیا۔ (تقویۃ الایمان) ۔ (اویسی غفرلہٗ)

تعالیٰ کی تدبیر خفیہ حق اور ثابت ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش

سامری کیست کہ دُرست انید بیضا ببرد

ترجمہ: سحر معجزہ سے دم نہیں مار سکتا لئے خوف ہو (اطمینان کر) سامری کون لگتا ہے جو ید بیضا سے بازی لے جائے۔ اور نے کہا ؎

صعوہ کو باعقاب سازد جنگ

دہداز خون پرِ خویش را رنگ

ترجمہ: ممولا کون لگتا ہے کہ وہ عقاب سے لڑائی مول لے یہی ہوگا کہ وہ اپنے پروں کو خون سے رنگے گا (یعنی مار کھائے گا)

قرآنی مکالمہ ابوالعینا فرماتے ہیں کہ میرے چند جانی دشمن بہت بڑے ظالم تھے۔ میں نے اُن کی شکایت حضرت احمد بن داؤد سے کی اور عرض کیا کہ وہ اب متحد ہو کر میرا مقابلہ کریں گے جس سے مجھے بہت بڑا خطرہ ہے انہوں نے فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی غم نہ کھا اللہ سب پر غالب ہے میں نے کہا وہ بہت بڑے عیار و مکار ہیں آپ نے پڑھا ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ یعنی اُن کی عیاری و مکاری اُلٹا انہیں نقصان دہ ثابت ہوگی میں نے کہا کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں آپ نے پڑھا کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی تھوڑے زیادہ پر اللہ کے فضل و کرم سے غلبہ پا جاتے ہیں ؎

ہر کرا او باشد اقبال رہنموں

دشمن گردد بزوی سرنگوں

ترجمہ: جس کا بخت راہبر ہو دشمن بھی اس کے آگے سرنگوں ہوں گے۔

سکندر کی وصیتیں سکندر کے حالات میں اس کا اپنا مکتوب ملا جس میں لکھا تھا جس شخص کی غرض و غایت صرف ذاتِ حق ہو وہی اس کی سب سے بڑی عبادت ہے جو سمجھتا ہے کہ موت آئیگی وہ دنیا کی طرف جھکے تو سمجھو کہ وہ سخت دھوکے میں ہے جس کا عقیدہ ہو کہ تقدیر ربانی حق ہے تو اسے دنیا کا حرص فضول ہے۔ جس کے دل میں دھوکہ فریب گھسا ہو وہ اگر کسی پر بھروسہ کرے تو وہ اُس کے عجز کی دلیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام عدل و انصاف سے مقرر فرمائے تو اُن کی سزائیں بندوں کے لئے اُن کی کارکردگی کی وجہ سے ہیں مثلاً جب ابوجہل نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں قتل کرا دیا۔ اہل اسلام اس کے شر سے بچ گئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا عدل اور عین فضل ہے۔ کفار نے باوجودیکہ حضور نبی پاک

شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بڑے معجزے دیکھے تو بجائے ماننے کے حضور علیہ السلام کو ایذا دی تو ان کے کفر و عناد میں اضافہ ہوا۔ بنا بریں وہ تمام لوگوں سے بہت زیادہ بدبخت سمجھے جاتے۔

فائدہ در ردِ وہابیہ آج اگر کوئی کافر کسی اللہ والے کی کرامت دیکھ تو یقیناً اس کے سامنے سر تسلیم خم کریگا بلکہ حتی المقدور اس کی تعظیم و تکریم کرے گا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک جابر کافر بادشاہ نے اہلِ اسلام کی سلطنت پر قابض ہو کر تمام مسلمانوں کو قتل کرادیا اور اُن کے اموال واسباب لوٹ لئے اس کا ارادہ ہوا کہ مسلمانوں کے پیروں فقیروں کو بھی قتل کردے۔ انہیں ایک بزرگ بادشاہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اس ارادہ سے باز آجا۔ بادشاہ نے کہا اگر تم حق پر ہو تو ہمیں اپنی کوئی کرامت دکھایئے اُس اللہ والے نے اونٹ کی مینگنی پر نظر ڈالی تو وہ سونا بن گئی اور جواہر و موتیوں کی طرح چمکتا تھا اور مٹی کے خالی برتنوں کو حکم دیا تو وہ خلا میں اُلٹے ہوئے پانی سے پُر ہو کر بادشاہ کے اوپر کھڑے رہے اُن میں سے ایک بوند پانی کی بھی نہ ٹپکی۔ اس سے بادشاہ کو ہیبت طاری ہوگئی۔ اس کے ہمنشینوں نے کہا کہ گھبراتے کیوں ہو یہ تو جادو ہے بادشاہ نے پھر سنبھل کر کہا کچھ اور دکھایئے بزرگ نے فرمایا آگ جلاؤ اور مزامیر لاکر مجھے سناؤ۔ مزامیر لائے گئے۔ درویش نے سماع سنا اور وجد آیا تو آگ میں چلا گیا آگ بڑی تیز تھی۔ بزرگ نے آگ کے اندر سے بادشاہ کے بیٹے کو کھینچ لیا اور آگ میں غوطہ لگایا اور بادشاہ کا بیٹا بھی ساتھ۔ اس سے بادشاہ گھبرا کر بیٹے کی وجہ سے سخت رویا۔ تھوڑی دیر کے بعد فقیر اور بادشاہ کا بیٹا آگ سے بسلامت نکلے ایک کے ہاتھ میں سیب دوسرے کے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ دیکھ کر خوش ہوئے اور پوچھا کہاں چلے گئے فرمایا ہم ایک باغ میں تھے اور جلدی سے صرف دو میوے لائے بادشاہ کو حیرانی چھاگئی۔ لیکن بُرے حاشیہ نشینوں نے کہا بادشاہ سلامت آپ گھبراتے کیوں ہیں یہ بھی ایک کھیل تماشہ ہے جو ہاتھ کی صفائی سے درویش نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ بادشاہ نے درویش سے کہا ہم آپ کے کارنامے دیکھتے جارہے ہیں لیکن یقین نہیں آتا۔ اب آخری بات ہے یہ پیالہ پی لیں تب ہم مانیں کہ واقعی آپ اللہ والے ہیں۔ وہ پیالہ زہر قاتل سے بھرا رکھا تھا کہ جس کا صرف ایک قطرہ جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ بزرگ نے حسبِ دستور سماع کا حکم فرمایا۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ درویش پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی تو تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور پہنائے گئے وہ بھی پھاڑ دیئے اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں صرف پسینہ آیا اور جوش تھم گیا۔ جب ہوش میں آئے تو بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور درویشوں کو عزت واحترام سے رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ میری سلطنت میں باامن وسلامت زندگی بسر کرو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

---

[1] بخلاف وہابیہ نجدیہ کے کہ وہ اُلٹا شرک اور کفر کا فتویٰ دیں گے اور اسے بدعتی کہہ کر ٹھکرائیں گے (آزما کر دیکھئے) ۱۲

(اویسی غفرلہٗ)

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلم واللہ اعلم۔ تقریباً وہ مسلمان ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

شانِ نزول یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی وہ تجارت کے لئے فارس روم اور حیرہ کے علاقوں میں جاتا رہتا تھا اور اُن سے اسفندیار، رُستم اور عجمیوں کے قصے کہانیاں سنتا تھا پھر وہاں سے اس قسم کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید لیں اور یہود و نصاریٰ کو رکوع و سجود کرتا ہوا دیکھ آیا تھا اُن سے تورات و انجیل بھی سُن پائی تھیں جب مکہ میں واپس لوٹا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے رکوع و سجود فرماتے تو وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزا کرتے تھے۔ انہیں عجمیوں کے قصے سنا کر ہنسانا اور انہیں امم سابقہ کے واقعات و حالات سناتا اور اُن کے نام بھی بتاتا تھا اس کا گمان تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات سناتا ہے پھر کہتا ہے کہ ہم چاہتے تو ہم بھی ایسی ہی کتاب کہہ لیتے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مقولہ نقل کیا کہ اسمیں ان کی کمال بے شرمی و بے حیائی کہ قرآن پاک کی تحدی فرماتے اور فصحائے عرب کو قرآن کریم کے مثل ایک سورہ بنالانے کی دعوتیں دیتے اور اُن سب کے عاجز و درماندہ رہ جانے کے بعد یہ کلمہ کہنا اور ایسا ادعائے باطل کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنی آیات بھیج کر فرمایا کہ یاد کیجئے کہ جب پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ نضر اور اُس کے تابعداروں پر اٰيٰتُنَا ہماری قرآنی آیات قَالُوْا تو کہتے ہیں قَدْ سَمِعْنَا ہم نے یہ سُن لیا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہہ دیتے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے ورنہ انہیں اس جیسے کلام لانے کی طاقت تھی تو چاہتے کیوں نہ تھے۔ انہیں اس ارادہ سے کونسی شئے مانع تھی حالانکہ اس سے قبل دس سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیلنج کرتے رہے۔ باوجودیکہ آپ سے اُن کی مخالفت و معاندت زوروں پر تھی لیکن چیلنج قبول نہ کیا۔ بلکہ صم بکم لاجواب رہے حالانکہ انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت بڑا ناز تھا جب بالکل ہر طرح کے حربے سے عاجز ہوئے تو اب بھی مکابرہ و معاندہ کے طور صرف اتنا کہا کہ ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں وغیرہ

اِنْ یہ نافیہ ہے هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ نہیں مگر اگلوں کے بناوٹی قصے یعنی یہ وہی قصے ہیں جو اگلے لوگوں نے لکھ کر چھپا رکھتے تھے۔

فائدہ اساطیرہ اسطور کی جمع ہے بمعنے مسطورہ و مکتوبۃ۔

تفسیر عالمانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قالوا سمعنا وہ بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ درحقیقت انہوں نے کچھ بھی نہیں سُنا تھا۔ اس لئے کہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے اسے جو بھی سنتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ جیسے جنات نے بمجرد سنتے ہی ہدایت پائی۔ البتہ کفار نے وہی سُنا جو وہ خود کہہ بیٹھے کہ یہ بناوٹی باتیں ہیں

انہیں بناوٹی قصے بنانے تو آتے تھے لیکن اُن کے بس کی بات نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسا کلام بنا سکیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید تو کلام الٰہی ہے اور اُس کا کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اور ان کا کلام مخلوق و حادث تھا۔ پھر کلام مخلوق حادث کلام قدیمی جیسی صورۃً و معنًا کس طرح ہو سکتا ہے۔ کلام قدیم سے اسرار و انوار کہاں اور مخلوق کے عقل و فہم کہاں۔ انہیں وہاں تک رسائی کیسی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر انس و جن جمع ہو کر قرآن جیسا کلام لائیں تو نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① چوں کتاب اللہ برآمد ہم براں
اینچنیں طعنہ زدند آں کافراں

② کہ اساطیر است و افسانہ نژند
نیست لقمیقی و تحقیقی بلند

③ کودکاں خرد فہمش مے کنند
نیست جز امر پسند و ناپسند

④ ذکر یوسف ذکر زلف پرخمش
ذکر یعقوب و زلیخا و غمش

⑤ ظاہر است ہر کسے پے میبرد
گو بیان کہ گم شود دروے خرد

⑥ گفت اگر آسان نماید ایں بتو
اینچنیں یک سورہ گو اے سخت رو

⑦ جنیانِ انسیان و اہل کار
تو یکے آیت ازیں آساں بیار

ترجمہ: ① جب کتاب اللہ نازل ہوئی تو اس پر کافروں نے ایسے ہی طعنہ مارا۔
② کہ یہ کہانیاں اور پرانے لوگوں کے افسانے ہیں نہ یہ بلند تحقیقی کتاب ہے نہ لقمیقی۔
③ اسے بچے بھی سمجھ سکتے ہیں سوائے پسند و ناپسند امر کے اس میں اور کچھ نہیں۔
④ ذکر یوسف اور پر پیچ زلفوں اور ذکر یعقوب اور زلیخا اور اس کے غم کا ذکر ہے۔
⑤ ظاہر ہے کہ اس سے ہر ایک مطلب نکال سکتا ہے انہیں کہو کہ یہ کتاب آسان نہیں اس میں تو عقل گم

انہیں کہو اگر آسان ہے تو اس جیسی ایک آسان سورہ لاؤ اے سخت لوگو۔

جن و انس اور دیگر عقلاً بھی سب مل کر ایک آسان آیت لاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالُوْا اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جب نضر اور اس کے تابعداروں نے کہا کہ یہ قرآن تو بناوٹی قصے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے بدبخت یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے اُس نے کہا اَللّٰھُمَّ[1] اے اللہ۔ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَالْحَقَّ اگر یہ قرآن حق ہے۔ ھُوَ ضمیر فصل کی ہے اس کا اعراب کے لحاظ سے کوئی محل نہیں۔ الحق سے مراد یہ ہے کہ واقعی نازل شدہ ہے۔ مِنْ عِنْدِکَ[2] تیری طرف سے یعنی وہ راست اور درست ہے فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً پس ہم پر پتھر برسا جو نازل ہونے والا ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے جو وہ ہم پر سزا کے طور پر ہیں۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب الفیل پر برسے تھے اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یا کوئی عذاب لا جیسے سابقہ اُمتوں پر آئے۔ اس سے کفار تہکم و استہزاء کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ انہیں یقین ہے کہ (معاذ اللہ) یہ قرآن باطل ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں دس کے اوپر چند آیات نازل ہوئیں اُس نے جو کچھ مانگا اسے بدر میں مل گیا چنانچہ خود حضور نبی علیہ السلام نے نضر بن حارث کے علاوہ دو اور قریشیوں کا قتل (طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اُسے مقداد بن اسود نے قیدی بھی بنایا تھا۔

فائدہ غور کیجئے کہ اس بدبخت نے ضد و عناد یا جہالت و حماقت سے مذکورہ دُعا مانگی۔ اگر اس کی بجائے یوں کہتا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہمیں ہدایت دے اور اس سے نفع اندوزی کا موقع میسر فرما اور اسے ہمارے قلوب کے لئے شفا اور ہمارے صُدور کا نور بنا لیکن جس بدبخت کے منہ سے خیر کے بجائے شر نکلے وہ کس طرح کلام خداوندی جیسا کلام بنا سکتے ہیں سکتا تھا۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ ط اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں جب تک آپ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں تشریف فرما ہیں اس لئے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو ہمہ گیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت تک کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ وہاں سے نبی علیہ السلام مع اہل ایمان کوچ نہ کر جائیں۔

[1-2] دیکھئے وہ اَللّٰھُمَّ کہہ کر بتا رہے ہیں کہ وہ خدا کو مانتے ہیں اور پھر عندکَ ضمیر واحد بول کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ خدا کو واحد ہی جانتے ہیں مگر یہ توحید پرستی اُن سے عذاب کو ٹال نہ سکی اس لئے کہ وہ رسالت کے منکر تھے۔ یہی مطلب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔ یعنی خدا رسالت کے منکر کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ رسالت کے بغیر خدا تک جانے والوں کا حشر یہی ہونا ہے۔ (اُویسی غفرلہٗ)

شانِ رسالت کا بیان اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے جب آپ رحمتِ خداوندی کے بحرِ بے کنار ہیں تو پھر وہاں عذاب کیسا کہ رحمت و عذاب دو نقیضین[1] ہیں اور قاعدہ ہے **النقیضان لا یجتمعان** دو نقیضین جمع نہیں ہو سکتیں۔

قاعدہ در شانِ رسالت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم دنیا میں تشریف فرما ہوں تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک اُن کی سنت پر عمل ہوتا رہے اس سے بھی دنیا والوں کے لئے امان رہتی ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت و بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت و احترام بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ وہ بندوں کے لئے امان[2] ہیں اور آپ کی وجہ سے عذاب کا نزول ممنوع قرار دیا گیا۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں اللہ والے متقی پرہیزگار لوگ موجود ہوں وہاں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنا عذاب ہٹا لیتا ہے بشرطیکہ معذب قوم اللہ والوں کے دامن کو لپٹیں چنانچہ صاحب روح البیان کی عبارت یوں ہے **وفی ذلک ایماء الی ان اللہ یدفع عذاب قوم لاقترانہم باھل الصلاح والتقی**[3]

(اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم سے عذاب ہٹا لیتا ہے جو اللہ والوں سے تعلق جوڑیں)

حاضر و ناظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ دیوبندیہ قال صاحب روح البیان قدس سرہٗ **جمیع الانتظام بوجودہ الشریف فانہ مظہر الذات وطلسم العالم حتی قیل فی وجہ عدم ارتحال جسدہ الشریف من الدنیا مع ان عیسٰی علیہ السلام قد عرج الی السماء بجسدہ انہ انما بقی جسمہ الطاھر ھنا لاصلاح عالم الاجساد وانتظامہ**[4]

یعنی حضرت الشیخ الشہیر بافتاد قدس سرہٗ نے فرمایا۔ خداوندِ عالم کے تمام عوالم کا انتظام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے متعلق ہے کہ آپ ذات الٰہی کے مظہر ذاتی اور تمام عوالم کے موقوف علیہ ہیں یہی وجہ

---

[1] نقیض ضد کو کہتے ہیں مگر ضد میں اور نقیض میں یہ فرق ہے کہ دو ضدیں بیک جا اکٹھی ہو سکتی ہیں مگر دو نقیضیں ایک جگہ اور ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہوتیں (جیسے دن اور رات کا بیک وقت ہونا محال ہے۔

[2] اسی کو ہم اہلسنت عین اسلام کہتے ہیں لیکن بدقسمت وہابی دیوبندی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

[3] ص ۱۲۸۴۰ [4] ایضاً۔

(اُویسی غفرلہٗ)

ہے کہ باوجودیکہ آپ تمام انبیاءً علیہم السلام سے افضل و اکمل ہیں لیکن عیسٰی علیہ السلام تو آسمان پر رونق افروز ہیں اور آپ زمین پر تشریف فرما ہیں وہ صرف اس لئے کہ عالم اجساد کی اصلاح آپ کی وجہ سے ہے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

خویشتن را خواجہ عرصات گفت

انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

ترجمہ: خود کو خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرصات فرمایا ہے کہ میں رحمت ہدایت والی ہوں۔

رزقنا اللّٰہ شفاعتہ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت نصیب فرمائے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ اس سے وہ بقایا اہل ایمان مراد ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور وہیں پر مقیم تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ مراد ہیں جو ابھی اپنے آباؤ اجداد کی اصلاب میں تھے بعض نے کہا وہی کفار مراد ہیں جو انجام کار کفر سے تائب ہوں گے۔

فائدہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمین پر دو امانتیں نازل ہوئیں ایک امان اٹھائی گئی دوسری باقی ہے۔ جو اٹھائی گئی ہے وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی ہے جو وصال فرما گئے۔ دوسری استغفار ہے جو باقی ہے اس کے بعد یہی آیت پڑھی۔

نکتہ وہ مؤمن جسے اپنے ایمان میں صدق اور خلوص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ عذاب نہیں کرے گا اس لئے کہ اُن کے نبی علیہ السلام انہی میں موجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کر کے فرمایا کہ جہاں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وہاں عذاب نہیں ہوگا۔

فائدہ صدق فی التوبہ بندے کو نجات بخشتی ہے اور توبہ بمعنے اظہار ندامت کر کے گناہ سے بالکل دوری اختیار کر لینا صرف زبان سے توبہ کا اظہار نہ ہو۔

فائدہ عوام گناہوں سے اور خواص رؤیت اعمال سے جبکہ اس نظریہ سے اپنے اعمال پر نگاہ کریں کہ یہ اُن کے اعمال ہیں لیکن یہ خیال نہ آئے کہ اگر فضل رب نہ ہوتا تو اس سے اعمال نہ ہوتے اور اکابر اولیاءً ماسوی اللہ کسی شئے کو تصور میں لاتے ہی نہیں ہے

گفت حق آمرزش از من می طلب

کان طلب مر عفو را باشد سبب

از پے زہر گناہ ار بشنوی
ہست استغفار تریاق قوی

ترجمہ: "الحق تعالیٰ نے فرمایا کہ بخشش مجھ سے طلب کر اس لئے کہ یہی معافی کا سبب ہے ۔
(۲) اگر سچ پوچھو تو ہر گناہ کی معافی کے لئے استغفار قوی تریاق ہے ۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اور انہیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ کرے یعنی ان کے لئے کونسی شے حائل ہے جو اُن کے عذاب نہ کرنے کا سبب ہے کہ انہیں کسی قسم کا عذاب بھی نہ ہو جب مانع نہ ہوگا اور انہیں مہلت دی گئی اس سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو انہیں لامحالہ عذاب ہوگا اور انہیں عذاب کیوں نہ ہو جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو روکتے ہیں عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام سے یعنی کعبہ کے طواف سے جیسے عام حدیبیہ میں ہوا۔ انہی کے اس روکنے سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت پر مجبور ہو گئے اور وہ کہتے کہ ہم ہیں بیت اللہ شریف کے متولی جسے ہم چاہیں بیت اللہ شریف جانے دیں جسے چاہیں تو نہ جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اور وہ اس کے اہل نہیں۔ یعنی بیت اللہ میں وہ کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے گھر کی تولیت کیسی؟ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اُس کے اولیاء صرف پرہیزگار ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو شرک سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ لیکن اُن کے اکثر نہیں جانتے کہ وہ بیت اللہ کے متولی نہیں ہو سکتے ۔

فائدہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بعض جانتے تھے کہ ہم کعبہ معظمہ کی تولیت کے اہل نہیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی بضد تھے ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر اکثر سے کل مراد ہیں جیسے کبھی قلت سے عدم مراد ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولی اللہ وہ ہے جو متقی با اللہ عما سوی اللہ ہو لیکن بہت سے اولیاء ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اولیاء اللہ اپنے آپ کو جانتے ہیں کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں لیکن اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے ولی ہونے کا علم نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ اور مشرکین کی نماز و دُعا نہیں۔ عِنْدَ الْبَيْتِ بیت اللہ یعنی کعبہ معظمہ کے نزدیک اِلَّا مُكَآءً مگر سیٹی۔ یہ مُکاءً یمکو مکاءً سے ہے بمعنے سیٹی بجانا۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ المکاء عرب میں ایک پرندہ کا نام ہے جو سیٹی سی آواز کرتا ہے اس آواز کی وجہ سے اس کا نام مکاء پڑ گیا ۔

وَّتَصْدِيَةً اور تالی بجانا جب دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر مارا جائے اس سے جو آواز نکلتی ہے

اُسے تصدیہ (تالی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دراصل تصدیہ بمعنے احداث الصدی اور صدی ہر اُس آواز کو کہا جاتا ہے جو خالی مکانات سے نکلتا ہے جیسے صدائے بازگشت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے صدی یصدی تصدیہ۔ مشرکین بیت اللہ کے قریب بجائے تسبیح و دُعا کے تالی اور سیٹی بجاتے تھے اور اس کو وہ قرب اور عبادت الٰہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین عرب مرد اور عورت ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ ملا کر سیٹی اور تالی بجاتے تھے آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ وہ بیت اللہ کی توہین کرتے تھے اس بنا پر وہ بیت اللہ کی تولیت کے اہل بھی نہیں اس لئے کہ جو بیت اللہ میں اس طرح کی اہانت کرے اسے اپنی عبادت سمجھے تو ایسا احمق بیت اللہ کی تولیت کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے۔

فائدہ مقاتل فرماتے ہیں کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے تو بنی عبد الدار کے دو مرد آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر مکاء پرندے کی طرح سیٹی بجاتے اور زور زور سے تالیاں بجاتے تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دلجمعی سے نماز نہ پڑھ سکیں اور نہ ہی احسن طریقے سے قرآن پاک پڑھ سکیں۔ اسی طرح وہ ہر مؤمن کے ساتھ کرتے طرفہ یہ کہ وہ بھی اس کو اپنی نماز اور عبادت وغیرہ تصور کرتے۔ اس تقریر پر آیت میں صلوٰتہم سے یہی نماز[1] مامور بہ مراد ہوگی۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو اس سے بدر کے دن کا قتل اور قید مراد ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہیں قیامت میں کہا جائے گا کہ فَذُوقُوا الْعَذَابَ۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ؀ اس کا بدلہ جو تم کفر کرتے تھے۔

فائدہ کفر و معصیت عذاب کے وقوع کا اور توبہ و استغفار اللہ تعالیٰ کے فیض و رحمت کا سبب اور وسیلہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ توبہ و استغفار گناہوں کے لئے بمنزلہ صابن کے ہیں جسے توبہ نصیب نہیں اُسے قلبی طہارت کبھی نصیب نہیں ہوگی اس لئے عام مسلم قلب کی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قلب کی مسجد کی تولیت اس خوش نصیب کو عطا ہوتی ہے جو عارف باللہ ہو۔ یعنی ہر وہ انسان جو فارغ عن الشواغل اور مُعرض عن العلائق اور طاہر مِنَ اخذ ذنوب ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے تجلیات عالیہ اور اذواق و حالات متوالیہ کی جنات میں اپنے اولیاء کو داخل کرتا ہے پھر اُسے عذاب نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ایسے اولیاء کے وجود (جو ایندھن کے مشابہ ہوتے ہیں) کو آگ میں نہیں جلاتا ایسے لوگوں میں سوائے نورِ الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے کہ اُن کے قلب میں نورِ خداوندی چمکتا رہتا ہے پھر ایسے

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اس تفسیر کے مطابق ترجمہ میں لفظ نماز استعمال فرمایا۔

حضرات کو عذاب کیا۔ البتہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو رحمت کے لئے مستعد نہیں یا جو شخص اپنے نیک اعمال سے بُرے اعمال ملا دیتا ہے۔ ایسے گو گناہوں کی آلائش سے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے انہیں عذاب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نسخہ روحانی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء اور اُن کے احکام کی پابندی نہ صرف نجات کا موجب ہیں بلکہ اُن سے قلب کی صفائی نصیب ہوتی ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نیکی اختیار کرے اور ایسے افعال سے بچے جو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا موجب بن جائیں یہی دونوں یعنی اختیار روا جتناب ہر انسان کے لئے فرض ہیں اور یہی ہر دو نوں تقویٰ کی رُوح ہیں۔ بیماری دفع ہوتی ہے اور بیمار دلوں کا علاج کرنا ہر عبادت اور ہر امر سے بہتر اور ہر معاملہ میں اہمیت رکھتا ہے لیکن دل کا علاج تقویٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ مُبارکہ کو اپنانا تقویٰ کی رُوح اور اصل ہے۔

حدیث شریف ① مَنْ اَحْيٰي فَقَدْ احياني وَمَنْ اَحيانی فقد اَحبنی ومن احبنی کان مَعِی فِی الجنۃِ یوم القِیٰمۃ۔ جو میری سنت کو زندہ کرتا ہے وہ میری رُوح کو خوش کرتا ہے جو مجھے خوش کرتا ہے تو وہ مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے وہ قیامت میں بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حدیث شریف ② من حفظ سنتی اکرمہ اللہ باربع خصال المحبۃ فی قلوب البررۃ والہیبۃ فی قلوب الفجرۃ والسعۃ فی الرزق والثقۃ بالدین

جو میری سنت مبارک کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار خصلتوں سے نوازتا ہے۔

① نیک لوگوں میں اُس کا وقار پیدا ہو جاتا ہے۔
② فاسق و فاجر لوگوں پر اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔
③ رزق کی وسعت نصیب ہوتی ہے
④ اسے دین کا وثوق عطا ہوتا ہے۔

فائدہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اس کے لئے یہ سعادت کچھ کم نہیں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنائے یا حدیث نبوی کے عشاق کی زیارت کرے پھر یوں سمجھے کہ گویا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو گئی اور بفضلہ تعالیٰ یہ سلسلہ قیامت

تک جاری رہے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) یک زمانہ صحبت با اولیا۔ اللہ والوں اور متقیوں کی صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے اور کلام الٰہی اور کلام دینوی سننے سے دل زندہ ہوتا ہے۔ لیکن جب تک توفیق ایزدی اور ہدایت الٰہی نہ ہو اُس وقت تک اس کا حصول مشکل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اغراض دُرست فرمائے اور ہمیں نیک اعمال زیادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ نورِ کتاب وسنت سے ہمارے دل منور فرمائے اور جنت میں بلند کے مقامات سے نوازے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ آیت مشرکین مکہ کے اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو لشکر کفار کو بدر میں باری باری طعام کھلاتے تھے۔ وہ بارہ ۱۲ اشخاص تھے۔ ہر ایک شخص دن میں دس اُونٹ ذبح کرتا تھا۔ جزور جزر کی جمع ہے۔ اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ مگر لفظ جزور مؤنث ہے اس لئے لفظی عبارت کے وقت کہا جائے گا ھٰذہ الجزور اگرچہ اس سے مذکر بھی مراد ہوں یعنی بے شک وہ لوگ۔ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَـهُمْ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت و دشمنی میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں لِیَصُدُّوْا تاکہ لوگوں کو روکیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع سے اس لئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع بھی دین ہے اس سے بھی ثواب اور جو اس راہ پر چلتا ہے اُسے دائمی بہشت کا داخلہ نصیب ہوتا ہے[۲] اور لیصدوا کی لام صیرورۃ کی ہے۔ اسے عاقبت و مآل سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا پس اب وہ تمام مال خرچ کر دیں گے اوّل انفاق سے بدر میں خرچ کرنا مُراد ہے۔ دوسرے سے آنے والے غزوات میں خرچ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ مثلاً غزوہ احد وغیرہ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یک وقت خرچ کرنا مُراد ہے۔ پھر یُنفقون کو استمرار جدید پر محمول کیا جائے گا اور فَسَیُنْفِقُوْنَهَا

---

[۱] سید میراں بھیک قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آدھی سے بھی آدھی گھڑی آدھی سے بھی آدھ

بھیکا سنگت ساہد کی کٹت کوٹ اپرادھ

یعنی آدھی سے بھی آدھی بلکہ اس کی آدھی گھڑی صحبت اولیاء اللہ گناہوں کی بڑے بڑے انباروں کو کاٹ دیتی ہے (ساہد؛ درویش۔ کوٹ بمعنے انبار۔ اپرادھ بمعنے گناہ۔ یہ الفاظ ہندی پوربی کے ہیں اور ان کا کلام اسی زبان میں پایا جاتا ہے۔

[۲] اس میں منکرین حدیث یعنی پرویزیوں اور چکڑالویوں کا رد ہے جو اتباع رسول کو اتباع حق سے علیحدہ تصور کرتے ہیں۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

کا سین تسویف کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس اعتبار سے اُن کے یہ دونوں انفاق ایک ہوں گے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے خرچ میں غرض وغایت دوسرے میں اس کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ تَكُونُ پھر ہوں گے اُن کے تمام اموال عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ان پر پچھتاوا یعنی ندامت اور غم کہ مال بھی گیا اور اُس سے فائدہ بھی کوئی نہ ہوا چونکہ ان کا یہ انفاق اُن کے دلوں میں حسرت کا موجب بنے گا اس لئے اُن کے اموال کو عین حسرت ظاہر کیا گیا۔ گویا وہی حسرت کا عین ہے اسمیں مبالغہ ہے۔

حل لغات حسرۃ حسر سے ہے بمعنے الکشف۔ مثلاً کہا جاتا ہے "حسر راسہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر کھولے الحاسر بمعنے کاشف الراس۔ اب معنے یہ ہوا کہ ان پر واضح ہو جائے گی وہ بات جو ان کے لئے حسرت کا سبب ہو گی۔

ثُمَّ يُغْلَبُونَ پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے۔ یعنی اگرچہ جنگیں زوروں پر ہوں گی مگر اُن کا انجام یہ ہوگا کہ کفار مغلوب کر دیئے جائیں گے وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور وہ لوگ جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں إِلَىٰ جَهَنَّمَ جہنم کی طرف۔ يُحْشَرُونَ جمع کئے جائیں گے یعنی انہیں ہانک کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ لِيَمِيزَ اللَّهُ یہ لام يُحْشَرُونَ یا يُغْلَبُونَ کے متعلق ہے اور میز سے مشتق ہے بمعنے جدا کر دن یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جدا کر دے۔ الْخَبِيثَ خبیث یعنی کفار کو مِنَ الطَّيِّبِ ستھرے یعنی اہل ایمان سے وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا اور کرے گا کفار خبیث کو اُوپر تلے کر کے سب کو ایک ڈھیر بنائے یعنی انہیں جمع کر کے ایک دوسرے سے ملا دے تا کہ سب ایک ڈھیر بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الرکم مطلقاً جمع کے معنی میں ہے بلکہ ایسے جمع کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر تلے ڈھیر لگے ہوں اسی لئے وہ بادل جو ایک دوسرے کے نیچے ہوں انہیں السحاب المرکوم سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ پس ان سب کافروں کو جہنم میں ڈال دے۔ أُولَٰئِكَ وہی کفار خبیث هُمُ الْخَاسِرُونَ وہی مکمل طور خسارے والے ہیں اس لئے کہ انہوں نے مال بھی خرچ کئے اور جانیں بھی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے روح علوی اور نورانی اور نفس کو سفلی اور ظلمانی پیدا فرما کر ان ہر دونوں کو مشترک امر کا شریک بنایا۔ اس کا راس المال استعداد فطری مقرر فرمائی جو یہی استعداد معرفت اور خسارہ ونقصان ترقی و تنزل کو قبول کرتی ہے جس نے اس فطرت سے تجارت کر کے دولتِ ایمان حاصل کی اور مال سے جہاد کیا اور اللہ کا طالب ہو کر اللہ والوں کے مرتبہ کو پہنچا تو سمجھو اُس نے اپنی تجارت میں نفع کمایا اس کے نفس اور روح دونوں بہرہ یاب ہوئے اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہو گیا اور شریعت کی مخالفت پر زندگی بسر کی اس کے رُوح کی تجارت کو نفع ہوا لیکن اُس کے نفس نے

گھاٹا پایا۔ اور جس بدبخت کو دولتِ ایمان بھی نصیب نہ ہوئی اور کفر میں منہمک ہوا تو اس کا نفس اور روح ہر دونوں خسارے میں ہے

حکایت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شبلی قدس سرہٗ بوقت وفات فرما رہے تھے یجوز۔ یجوز۔ یعنی جائز ہے جائز ہے۔ آپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور روح کو پیدا فرما کر ان دونوں کو تجارت میں شریک کیا۔ ہر دونوں عرصہ دراز تک تجارتی امور میں مشغول ہوئے اب ہر دونوں سے حساب ہوا تو دونوں نے خسارہ پایا۔ انہیں کسی قسم کا نفع نہ ہوا۔ اب آپس میں جدائی کا ارادہ کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں یجوز۔ یجوز۔ یعنی درست ہے کہ اب دونوں کی آپس میں جدائی ہونی چاہیئے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

(۱) کوس رحلت بکوفت دستِ اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید

(۲) اے کف و دست و ساعد و بازو
ہمہ تو دیع یکدگر بکنید

(۳) بر مَن افتادہ مرگ دشمن کام
آخر اے دوستاں حذر بکنید

(۴) روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ: (۱) دستِ اجل نے کوچ کا نقارہ بجایا اے دونوں آنکھیں سر سے الوداع کرو۔
(۲) اے ہتھیلی اور ہاتھ اور گھٹنوں اور بازو تم بھی ایک دوسرے سے الوداع کرو۔
(۳) میری موت سے دشمن کی مراد پوری ہوئی اے دوستو تم خوف میں رہو۔
(۴) میرا وقت نادانی سے گذر گیا میں تو کچھ نہ کر سکا تم خوفِ خدا کر کے کچھ کر لو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نقصان سے بچنے کے لئے جدوجہد کرے اور نفس و مال خرچ کر کے اپنی تجارت میں نفع کمائے اور طالبین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں پاکیزہ مال خرچ کریں اور صوفیا کے نزدیک خبیث مال وہ ہے جو طالبِ الٰہی بن حاجت غیر ضروریہ میں خرچ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل بنا دے اور اس کی طلب سے سُست پڑ جائے اسی طرح وہ طریقِ حق سے بھٹک جاتا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ خبیث مال کو جہنم میں ڈالے گا تو خبیث مال کے مالکوں

کو بھی ساتھ ڈالا جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوم یحمٰی علیہا فتکویٰ بہم جنوبہم وظہورھم قیامت کے دن ان کے مال جہنم کی آگ سے گرم کئے جائیں گے پھر اُن لوگوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔

حکایت مروی ہے کہ ابوسفیان (قبل از اسلام) نے احد کی جنگ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عربی جنگیوں کے علاوہ دو ہزار جنگی مزدوروں کے لئے چالیس اوقیہ سونا خرچ کئے۔

فائدہ بیالیس مثقال کا ایک اوقیہ ہوتا ہے (کذا فی القاموس)۔

سبق غور کیجئے کہ کفار حضور نبی علیہ السلام کی مخالفت پر کتنا مال خرچ کرتے تھے جبکہ ان کی غرض فاسد تھی یعنی ارادہ رکھتے کہ مسلمان راہ حق سے ہٹ جائیں اور مسلمان کو اور بھی میسر نہ ہو تو رضائے محبوب میں جذب و وصال کا جذبہ تو پیدا کرے یہی اس کا اصلی مقصد ہے۔

سبق ہر انسان پر لازم ہے کہ نفس کو اس کی مرغوب چیزوں سے روکے اور نفس کی مرغوب شے مال ہے۔

روحانی چٹکلہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تصوف کے اسباق قیل وقال سے حاصل نہیں کئے بلکہ نفس کو بھوکا اور اُسے دنیا سے دُور اور اس کی مرغوبات و مطلوبات اشیاء سے محروم رکھنے سے حاصل کئے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا ای الناس افضل لوگوں میں کون سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا مؤمن یجاھدُ بنفسہٖ وَمَالِہٖ فِیْ سبیل اللّٰہِ۔ وہ مؤمن جو اپنے اور مال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرکے جہاد کرتا ہے پھر پوچھا اس کے بعد کون آپ نے فرمایا رَجُلٌ معتزل فی شعب من الشعاب یَعْبُدُ رَبَّہٗ وہ مرد جو علیحدگی اختیار کرکے تنہائی میں اپنے ربّ کریم کی عبادت کرتا ہے۔ ویدع الناس من شرہ اور لوگوں کو اپنے شر سے دُور رکھتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ اس سے ثابت ہوا کہ تنہائی میں رہنا افضل ہے اور جب لوگوں کے دین میں شر و فساد پھیل جائے اُن کے دینی حالات متغیر ہو جائیں تو اس وقت تنہائی اختیار کرنا مستحب ہے اسی طرح جب فتنے سر اٹھائیں اور معاملات گڑبڑ ہو جائیں۔ تو بھی جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد کیا۔ ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب اسلامی حالات بدل جائیں اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائیں، اور لوگ فضول باتوں میں منہمک ہوں تو علیحدگی اختیار کی جائے اور گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے تلوار توڑ کر اسے کند بنا دیا جائے۔

(باقی صفحہ ۳۷۹ پر)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا
فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ
يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○

ترجمہ: تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گذرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا اور اگر پھر وہی کریں تو اگلوں کا دستور گذر چکا اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

تفسیر عالمانہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے فرمایئے لام تعلیل کی یا بمعنے اجل ہے۔ اس سے ابوسفیان (جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور اس کے یار دوست مراد ہیں اِنْ يَّنْتَهُوْا اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمنی سے باز ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ انہیں بخش دیا جائے گا جو ان سے گذرا یعنی ان کے اسلام لانے سے قبل ان سے جتنی غلطیاں ہوئیں انہیں معاف فرما دیا جائے گا وَاِنْ يَّعُوْدُوْا اور اگر وہ جنگ کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ان سے انتقام لیں گے اور انہیں تباہ و برباد کریں گے۔

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○ پس پہلے لوگوں کا طریقہ گذرا یعنی کفار نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کو ہلاک و برباد کیا۔ جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے بدر میں کیا۔ بعض شعراء نے فرمایا ؎

یستوجب العفو الفتی اذا اعترف
ثم انتہی عما اتاہ واقترف
یقولہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس مجرم کو معاف کرتا ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور سابقہ تمام گناہوں سے بصدقِ دل توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ[1]

---

[1] چونکہ یہ آیت ابھی مذکور ہوئی ہے اس لئے الخ کر دیا ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ اے مومنو کفار سے لڑو۔ حَتّٰی یہاں تک کہ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ نہ ہو فتنہ یعنی شرک یعنی کوئی مشرک اور بت پرست اور اہل کتاب نہ رہے وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج اور سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور باقی تمام ادیان باطلہ مٹ جائیں یا وہ سب قتل کے خوف سے اس دین حق میں شامل ہو جائیں فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر وہ کفر سے باز رہیں فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ہ پس اللہ تعالیٰ اُن کے کام دیکھ رہا ہے تو انہیں اسلام لانے پر جزا اور اسلام نہ لانے پر سزا دے گا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ قبول حق سے اعراض کریں فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ط یقین کرو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار رہے۔ پس اسی پر سہارا کرو۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وہ کیسا بہتر مولیٰ ہے، وہ اپنے پیاروں کو ضائع نہیں کرتا وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ہ اور کیا ہی بہتر مددگار ہے جس کی وہ مدد کرے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

مسئلہ آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔

(بقیہ صہ ۳۷۷)

فائدہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ جب لوگوں کے حالات بدل جائیں تو تنہائی میں سلامتی ہے اور اسلاف کا فرمان ہے کہ ایسے اوقات میں السلامۃ فی الوحدۃ (سلامتی وحدت میں ہے) کا حکم دیتے اور اسی کے متعلق وصیت فرماتے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہر فعل و قول مبنی بر مصالح دینیہ ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کے بعد کے ادوار خیر کی طرف نہیں جا رہے بلکہ شر اور فساد کی طرف لوٹ رہے ہیں چنانچہ عرب کا مقولہ مشہور ہے کل یوم ابتر وادھی امر۔ ہر دن ابتر اور سیاہ کڑوا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز

ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

(۲) اِن دام ھٰذا ولم یحدث لہٗ غیرٌ

لم یُبْکَ مَیّتٌ ولم یفرح بمولود

ترجمہ: (۱) تو عمر مانگ لیکن صبر بھی کیونکہ چرخ شعبدہ باز (کا خیال رکھنا) کیونکہ ہزار بازی ہر لمحہ میں کھڑی کرتا رہتا ہے۔

(۲) اگر وہ ایک حالت پہ رہے تو پھر نہ کسی مردہ پر کوئی روئے اور نہ کسی بچے کی پیدائش پر کوئی خوش ہو یعنی ایک حالت پہ رہے نہ کسی کی موت ہو اور نہ کوئی بچہ پیدا ہو تو پھر رونا اور ہنسنا کہاں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّابِرِيْنَ ہ اے اللہ ہمیں صابرین سے بنا۔

جہاد کے فضائل گھڑی بھر جہاد فی سبیل اللہ بہتر ہے لیلۃ القدر کی ساری رات اور وہ بھی حجر اسود کے نزدیک کی عبادت افضل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ پانچ باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے معاہدہ فرمایا کہ ان میں کسی ایک پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ اُسے بہشت عطا فرمائے۔

① بیمار پرسی۔
② جنازہ کے ساتھ چلنا۔
③ امام کی خدمت میں حاضری محض اس کی تعظیم وغیرہ کی نیت پر۔
④ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادہ پر جنگ کو جانا۔
⑤ اپنے گھر میں رہے اور لوگوں کو نہ ستائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کے لئے جائے اور راہ میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھے گا اور جو عمرہ کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے اور راستہ میں مر گیا اُسے قیامت تک عمرے کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص جنگ کے ارادہ پر نکلتا ہے اور راستہ میں مر گیا اُسے قیامت تک جنگ کا ثواب لکھا جائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ تاحد امکان ایسے اسباب تیار کرے جو اُس کے دین کو زندہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اسے وہی انعامات نصیب فرمائے جو دین کے زندہ کرنے والوں کو نصیب ہوں گے۔ مخلوق سے کسی قسم کی امید رکھنا نامناسب ہے اس لئے کہ مخلوق تمام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز میں برابر ہیں بالخصوص فاسق سے استمداد تو زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے لازم ہے اہل خیر شریر ظالمین سے کسی قسم کی استمداد نہ کریں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

در کار دیں ز مردم بے دیں مدد مخواہ
از ماہ منخسف مطلب نور صبح گاہ

ترجمہ، دینی کام میں بے دین سے مدد نہ مانگ۔ چاند گرہن ہو تو اس سے صبح گاہ جیسا نور نہ طلب کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے وقاتلوا الخ یعنی نفوس اور سچائی نفس کو صدق کی تلوار سے قتل کرو۔ یہاں تک کہ وہ نفس و ہویٰ تمہیں عالم حقیقت تک پہنچنے سے آفت مانعہ نہ ہو جائیں ویکون الدین الخ اور جود کو حاصل کرنے کے لئے وجود کو خرچ کرو اور موجود کو معدوم بنا کر تمام دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاؤ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر نفوس اپنے معاملات سے لگ جائیں اور اپنے اوصاف تبدیل کرکے قلوب

ارواح کے تابع ہو کر احکامِ الٰہی کے اطمینان سے تابع ہو جائیں فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ جو کچھ وہ عبودیت اور صدقِ طلب میں عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بصیر ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی تمہاری مساعی کے مطابق تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ اور اگر نفوس حقوق سے اعراض کر کے شہوات و حظوظ سے اعراض کریں۔ اے ارواح و قلوب یقین کرو کہ ہدایت تمہارے مولیٰ کریم کے ہاتھ میں ہے وہی تمہارے نفوس کو مغلوب کرنے اور شہوات کو مٹانے میں تمہاری مدد کرے گا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وہ بہت اچھا مولیٰ اور وہی تمہارا مددگار ہے کہ اس کے کرم سے اس کی طرف تم ہدایت پاؤ گے وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اور وہ بہت اچھا مددگار ہے کہ جو امور تمہیں حق سے جدائی کا موجب بنیں گے اس سے تمہیں بچائے گا اور اپنے تک پہنچانے کے وہی اسباب تیار فرمائے گا۔

فائدہ نور سے وہ حقائق مراد ہیں جو قلب کا لشکر اسمائ و صفات سے حاصل کر کے نفس و ہویٰ و شیطان کا مقابلہ کرتے ہیں اسی طرح ظالمین سے وہی معانی مراد ہیں جو ہوائے نفسانی اور عوائد ردیئہ نفس کے لشکر کو نصیب ہوتے ہیں کہ جن سے وہ قوت پاکر قلب کا مقابلہ کرتا ہے اور اُن کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے اللہ تعالیٰ نفس پر اُس بندے کی امداد فرماتا ہے جو اس سے اس کے انوار کے لشکر کی مدد چاہتا ہے جبکہ اس پر نفس کے ظالمین حملہ کرتے ہیں تو وہی اسماء و صفات کے حقائق کا نور اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو نفس کے ظالمین کو مار بھگاتا ہے یہاں تک کہ ان ظالمین کے ظلم کے آثار مٹ جاتے ہیں اور ان میں سے غیریت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ شہوت و ہوائے نفسانی کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے اور اخلاق مذمومہ کے تصورات ہی نہیں رہتے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پیارے اولیاء کے طفیل ہماری مدد فرمائے اور اپنے انوار و فیوض سے ہمارے قلوب کو فیضیاب فرمائے (آمین)

صاحب روح البیان نے پارہ نانواں کو اواسط ربیع الاول شریف ۱۱۱۸ھ میں فراغت پائی۔

وصلی اللہ علیہ وسلم علی حبیبہ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر پر تقصیر ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی قادری غفرلہٗ ربہٗ نے پارہ نویں کے ترجمہ سے ۱۷ ذو الحجہ ۱۳۹۵ھ بروز اتوار عند اذان العصر فراغت پائی۔

وما توفیقی الا باللہ العظیم والحمد علی ذلک والصلوٰۃ السلام علی حبیبہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ہ